اعیان الحُجّاج

تاریخ اسلام کے بلند پایہ حجّاج

تالیف
حبیبُ الرحمٰن الاعظمی

اعیان الحجّاج

تاریخ اسلام کے بلند پایہ حجّاج

از

حبیب الرحمٰن الاعظمی

قیمت ——— غیر مجلّد ——— بیے/

قیمت ——— مجلّد ——— للعہ/

ناشر

مولوی رشید احمد سعید احمد

مکتبہ اعظمی، مئو، اعظم گڈھ

طابع

حفیظ الرحمن طیب

تنویر پریس، امین آباد، لکھنؤ

بار اوّل ۱۰۰۰

مارچ ۱۹۵۵ء

فہرست

پیش لفظ و تعارف

از

مولانا سید ابو الحسن علی، ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی،

حج اپنی عظمت و محبوبیت، دینی و روحانی تاثیر و انقلاب، وسعت و طوالت عمل، صعوبت سفر اور بہت سے دینی و دنیوی منافع کے لحاظ سے (جن کی طرف لیشھدوا منافع لھم میں اشارہ کیا گیا ہے، اسکا مستحق ہے کہ اسکے لیے بڑی سے بڑی تیاری اور زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے، اس تیاری واہتمام کا سب سے اہم شعبہ یہ ہو کہ دماغ اسکی عظمت و جلالت سے مغلوب اور دل اسکے شوق و اشتیاق سے سرشار ہو، اور عازم حج کا حوصلہ بلند، ہمت عالی، اور قلب زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے اور اسکے ثمرات و برکات کے حاصل کرنے کا حریص و مشتاق ہو وہ محض ضابطہ کی تکمیل اور فقہی و قانونی طور پر فریضہ حج کے ادا کر لینے پر رضامند و قانع نہ ہو، بلکہ اس سفر سعادت کو حقیقی معنی میں سفر سعادت و سیلۃ الظفر اور دینی و روحانی و علمی ترقیات کا ذریعہ بنانے کا عزم بالجزم رکھتا ہو۔

اس مقصد و نتیجہ کے حصول کے لیے (مسائل و احکام و مناسک حج کے ضروری علم کے بعد) سب سے زیادہ مفید دو چیزیں ہیں، سب سے پہلے فضائل حج کا علم و یقین جو اس عمل کی روح اور حقیقت ہے، دوسرے ان صاحب ذوق و یقین اور عالی ہمت اکابر کے حج کے واقعات جنھوں نے حج کا حق ادا کیا اور ان کے لیے یہ سفر بڑی عظیم الشان دینی و روحانی کامرانیوں اور ترقیات کا ذریعہ بنا، اور جنکے واقعات آج بھی ایمان میں تازگی، روح میں بالیدگی، ہمت میں بلندی اور طبیعت میں عشق و محبت کی

چنگاری پیدا کر دیتے ہیں۔

پہلے موضوع پر بحمد اللہ اردو میں کچھ اچھی کتابیں لکھی جاچکی ہیں جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی فضائل حج، اور رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی "آپ حج کیسے کریں؟" خاص طور پر ممتاز ہیں، ضرورت تھی کہ کوئی صاحب نظر عالم اور مورخ و محدث دوسرے موضوع پر قلم اٹھاتا، اور تاریخ اسلام کے اکابر و مشاہیر اور سلف صالحین کے واقعات حج جمع کر دیتا، جن کو پڑھ کر، افسردہ طبیعتوں میں حرکت و حرارت اور پست ہمتوں میں بلندی پیدا ہوتی، یہ تجربہ اور حقیقت ہے کہ واقعات کا قلب پر جو اثر ہوتا ہو وہ حقائق و علمی مضامین کا نہیں ہوتا۔

شکر و مسرت کا مقام ہے کہ فاضل گرامی محدث جلیل مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نے اس سلسلہ کو شروع کیا اور ایک نہایت مفید اور وقیع کتاب تیار فرما دی جو اس وقت ناظرین کے سامنے ہے، انھوں نے سید الانبیاء اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام سے لے کر صحابہ کرام، تابعین عظام اور خیر القرون کے ان ائمہ و صلحاء و اکابر کے سفر حج کے واقعات جمع فرمائے، جو تاریخ اسلام اور سوانح و تراجم کے مجموعوں میں منتشر و متفرق تھے، ان واقعات کے ساتھ اپنے محدثانہ و مورخانہ ذوق کی بنا پر ان مفید معلومات اور تاریخی و علمی واقعات کو بھی ضمناً ذکر فرما دیا جس سے اس کتاب کی قدر و قیمت و افادیت دوبالا ہو گئی، بعض یہ ضمنی معلومات اور تاریخی واقعات خود ایک بڑا علمی سرمایہ و ذخیرہ ہیں اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علمی ذوق اور تاریخی نظر عطا فرمائی ہے وہ انکی افادیت اور علمی قدر و قیمت کا اندازہ کر سکتے ہیں، اس طرح یہ کتاب نہ صرف عازمین حج، عوام مومنین، بلکہ اہل علم و نظر کے لیے بھی ایک بڑا قیمتی علمی صحیفہ بن گئی ہے، اور مولانا نے اس کتاب کو تالیف فرما کر ایک بڑی دینی و علمی خدمت انجام دی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس سے عازمین حج کو حج کی حقیقت اور عظمت اور عام مسلمانوں کو حج کا شوق اور عزم اور اسکی تیاری کی سعادت عطا فرمائے۔

ابو الحسن علی
۱۰ر شعبان المعظم [illegible]ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی
سید المرسلین محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین
والتابعین لھم الی یوم الدین

اما بعد ——— فرائض وارکان اسلام میں حج بڑی اہمیت رکھتا ہے، اور قدرت و استطاعت کے باوجود اسکے ادائیگی میں تہاون و تکاسل اور سستی و کاہلی سے کام لینا نہایت مذموم اور سخت خطرناک بات ہے، قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:۔

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ
سبیلا، ومن کفر فان اللہ غنی عن العلمین

اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا، جو شخص قدرت رکھتا ہو اسکی طرف راہ چلنے کی اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پروا نہیں رکھتا جہان والوں کی۔

اس آیت میں قدرت کے باوجود حج نہ کرنے کو "کفر" کے عنوان سے ذکر کیا گیا جو اپنے ظاہری معنی میں نہ سہی لیکن اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ یہ "کافرانہ" کام ہے ورنہ یہ عنوان اختیار نہ کیا جاتا، اور اسی لئے حدیث نبوی میں ترک حج کی مذمت اس عنوان سے بیان کی گئی:۔

من ملک زادا و راحلۃ تبلغہ الی بیت اللہ

ولم یحج فلا علیہ ان یموت یہودیا او نصرانیا (ترمذی)

جو آدمی راستہ کے خرچ اور سواری کا جو اس کو بیت اللہ تک پہونچا دے مالک ہو یعنی اس پر قدرت رکھتا ہو پھر حج نہ کرے تو کچھ فرق نہیں کہ وہ یہودی مرے یا نصرانی مرے۔

مقصد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ بھی حج کعبہ نہیں کرتے تو اس باب خاص میں وہ مسلمان عملاً یہود و نصاریٰ کا ہم آہنگ ہو۔

یہ تو اس "رکن اسلام" کی اہمیت ہوئی، اس اہمیت کے ساتھ ساتھ وہ اپنے اندر دین و دنیا کے بڑے عظیم الشان منافع اور فوائد بھی رکھتا ہے۔

قرآن حکیم میں ہے:۔

واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلیٰ کل ضامر یاتین من کل فج عمیق ۔لیشھدوا منافع لھم (۱۰-۱۱)

اور دلے ابراہیم) پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آئیں تیری طرف پیروں چلکر اور سوار ہو کر دبلے دبلے اونٹوں پر چلے آئیں دور کے راستوں سے تاکہ پہونچیں اپنے فائدہ کی جگہوں پر۔

منافع سے اصالۃً اور بالذات تو دین کے منافع و فوائد مراد ہیں، لیکن بالتبع دنیاوی جائز منافع اس کے مفہوم میں شامل ہیں جیسا کہ لفظ کا اطلاق دلالت کرتا ہے اور روایات وتفاسیر میں اسکی تصریح کی ہے دنیاوی منافع تو یہی حصول طاعت یا تجارتی لین دین یا اس طرح کی چیزیں ہیں اور دینی منافع میں خدا کے لیے اہل و وطن کو چھوڑنا، خدا کے لیے سفر اور راستے کی دشواریوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا، رفیقوں کی خدمت و امداد، ان کے دکھ درد میں شریک ہونا، خانہ کعبہ کی زیارت مختلف احوال میں رات دن اور صبح و شام اللہ کا ذکر اور توبہ و استغفار، قبولیت دعا کے خاص مقامات میں

الحاح وزاری کے ساتھ دعا، فقراء ومساکین حرم کو صدقہ وخیرات دینا، طواف، سعی، وقوف، رمی جمار اور ذبح وغیرہ کرکے حق عبودیت ادا کرنا اور خدا ورسول کی اطاعت کا ثبوت دینا، دینی علوم قرآن وحدیث و تفسیر وفقہ وغیرہ کا استفادہ یا افادہ، اہل اللہ کی صحبت اور ان کی توجہ وبرکات کے ذریعہ اصلاح وتزکیہ نفس، مختلف بلاد وامصار کے حقانی علماء کی زیارت اور ان سے استفادہ اور اہل علم کے باہم علمی مذاکرات وغیرہ شامل ہیں۔

اسی لئے حج کی مذکورہ بالا اہمیت اور اسکے منافع کے پیش نظر صحابہ وتابعین اور دیگر افاضل امت کو حج کا بڑا اہتمام تھا، حج عمر میں صرف ایک بار فرض ہے مگر وہ حضرات عموماً صرف ادائے فرض پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ بار بار یہ سعادت حاصل کرتے تھے، حتیٰ کہ آئندہ صفحات میں آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے بہتیرے بزرگوں نے بیس، پچیس، پچاس اور اسی اسی حج اور عمرے کئے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ وہ حضرات صرف مناسک حج ادا کرکے اور زیارت مدینہ کا ثواب اور برکات حاصل کرکے اپنے وطن واپس آجاتے ہوں بلکہ بے شمار حضرات ہیں جنھوں نے حج وزیارت کے علاوہ دوسرے عظیم الشان دینی منافع کو بھی اپنی توجہ کا خاص مرکز بنایا اور ان نیک مقاصد کے لئے حالات نے جتنی اجازت دی یا جسقدر توفیق ہوئی مکہ یا مدینہ میں قیام کرکے مقاصد کی تکمیل کی۔

تاریخ وتذکرہ کی کتابیں آپ پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ قرون اولی میں اور بعد کی صدیوں میں بھی تحصیل وتعلیم علم کا بہت بڑا ذریعہ سفر حج تھا، خلفائے راشدین کے عہد میں اس سفر کی بدولت خلفاء اور ان کے معاصر اکابر صحابہ سے دنیائے اسلام کے کس کس حصہ کے لوگوں نے، مسائل اور اسلامی آداب سیکھے، اور روایت احادیث کا سلسلہ کہاں سے کہاں تک پہونچا، اسکی اچھی خاصی جھلک آپ کو خود صحاح ستہ میں نظر آسکتی ہے۔

اس کے بعد تاریخیں آپ کو بتائیں گی کہ حضرت ابن الزبیر کی شہادت کے بعد مکہ معظمہ

اکابر اہل علم کو ملجأ و ماویٰ بن گیا تھا اور مسجد حرام میں درس کے متعدد حلقے قائم ہو گئے تھے۔
اسی زمانہ میں ترجمان القرآن، و حبر الامۃ حضرت عبد اللہ بن عباس نے چاہ زمزم کی عمارت میں
اپنی نشست گاہ مقرر کی اور درس کا وہ حلقہ قائم ہوا جس کی شہرت ملک کے گوشہ گوشہ میں
پہونچی اور مختلف اطراف کے طلبہ اس میں شریک ہوئے، اور اس حلقۂ درس سے مجاہد، عطاء،
طاؤس یمانی، سعید بن جبیر کوفی، سلیمان بن یسار مدنی اور ابو الزبیر جیسے ائمہ تفسیر و حدیث و فقہ
پیدا ہوئے۔ ابن عباس کے بعد مکہ میں مجاہد، عطاء، اور ابو الزبیر و عمرو بن دینار کے حلقہائے
درس و تحدیث قائم ہوئے، جن میں امام ابو حنیفہ، امام ثوری، ابن عیینہ، مسلم بن خالد زنجی
امام اوزاعی، امام مالک، ابن ابی نجیح اور ابن جریج وغیرہ شریک ہو کر علم کی دولت سے مالامال
ہوئے، انکے بعد ابن ابی نجیح، ابن جریج پھر ابن عیینہ و مسلم بن خالد کا دور آیا اور انکی خدمت میں
امام شافعی، حمیدی، احمد بن حنبل وغیرہ نے حاضر ہو کر علم کی تحصیل و تکمیل کی۔ اور حمیدی کے حلقہ
درس میں امام بخاری اور اسحاق بن راہویہ شریک ہوئے تذکرہ کی کتابیں شاہد ہیں کہ ابن عباس
کے عہد سے لیکر حمیدی اور انکے بعد تک مکہ کے حلقہائے درس و تحدیث کی رونق سفر حج ہی
کی بدولت تھی، لوگ حج کے لئے آتے تھے اور حج کے ساتھ علم کی دولت بھی ساتھ لیجاتے تھے

ہمارے زمانہ کے مورخ مکہ مصطفےٰ السباعی تاریخ مکہ میں لکھتے ہیں:۔

وكانت مجامعها في مواسم الحج غاصة
بالمسترشدين والمستفتين والمناقشين (تاریخ مکہ ص۹۰)

اور مکہ میں علم کی مجلسیں حج کے دنوں میں طالبین رشد و ہدایت، فتویٰ پوچھنے
والوں اور علمی بحث و تحقیق کرنے والوں سے کھچا کھچ بھری رہتی تھیں۔

اور حافظ ذہبی ابن عیینہ کے تذکرہ حال لکھتے ہیں کہ ان سے بے شمار آدمیوں نے حدیث سنی ہے،
اور اسکی وجہ یہ تھی کہ

فقد كان خلق يحجون والباعث لهم لقي ابن عيينة

فيزدحمون عليه فی ایام الحج (تذکرہ ۲۴۲/۱)

کہ ایک مخلوق حج کو آتی تھی، اور اس کا محرک ابن عیینہ کی ملاقات ہوتی تھی، اسلئے ایام حج میں ان کے پاس بھیڑ لگی رہتی تھی۔

امام احمد کی نسبت تاریخ الاسلام میں مذکور ہے کہ انھوں نے ۱۹۶ھ میں تیسرا حج کیا اسکے بعد سال بھر مکہ میں قیام کرکے ۱۹۸ھ میں روانہ ہوگئے، اغلب یہ ہے کہ امام احمد کا یہ قیام خاص طور پر ابن عیینہ کی خدمت میں تحصیل علم کے لیے تھا، اسلئے کہ اسی تاریخ الاسلام میں بلا قید سنہ علی بن الجہم کی زبانی یہ واقعہ منقول ہے کہ ہم جب مکہ میں سفیان بن عیینہ کے پاس مقیم تھے تو ایک بار کئی دنوں تک ہم نے امام احمد کو نہیں دیکھا، ہم دریافت حال کے لیے ان کی قیام گاہ پر آئے دروازہ بند تھا جب کھلوایا تو دیکھا کہ انکے جسم پر نہایت پھٹے پرانے کپڑے ہیں، ہم نے پوچھا یہ کیا قصہ ہے، امام احمد نے فرمایا کہ میرے کپڑے چوری ہوگئے ہیں ہمارے پاس کچھ اشرفیاں تھیں ہم نے عرض کیا کہ منظور ہو تو یہ اشرفیاں نذر ہیں، اور اگر یہ منظور نہ ہو تو قرض رہیں گی، انھوں نے دونوں سے انکار کیا تب میں نے کہا کہ اچھا میں کچھ لکھوانا چاہتا ہوں آپ اجرت لے کر لکھ سکتے ہیں، انھوں نے کہا ہاں! اسکے بعد میں نے ایک دینار نکالا تو انھوں نے فرمایا کہ مہربانی کرکے ایک کپڑا خرید کر آدھا آدھا پھاڑ دیجیے کہ تہمد اور چادر کا کام دے، اور کپڑے کے دام دینے کے بعد جو بچ جائے وہ لاکر مجھے دیدیجئے، میں نے یہی کیا (مقدمہ مسند احمد طبع جدید ص ۶۰ج ۲)

علم کے شائق حجاج حج کے موقع پر، صرف انھیں علمائے اکتساب فیض پر بس نہیں کرتے جو مکہ میں مستقل طور پر مقیم تھے، بلکہ مختلف بلاد سے حج کے لئے آنے والے ائمہ علم کو بھی ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ملتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے، تاریخ الاسلام میں امام ذہبی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ امام احمد اور ابن معین حج کے ارادے سے چلے اور آپس میں رائے کی کہ حج کے بعد صنعاء (یمن) چلیں گے اور عبدالرزاق محدث سے حدیثیں سنیں گے، جب مکہ پہونچے اور طواف شروع کیا تو ابن معین نے دیکھا کہ عبدالرزاق بھی طواف کر رہے ہیں، جب طواف کر چکے تو ابن معین نے

واقعہ بیان کیا اور دونوں صاحب عبدالرزاق سے جاکر ملے، جب عبدالرزاق اٹھ کر جانے لگے تو
ابن معین نے امام احمد سے کہا کہ اسی جگہ سماع احادیث کے لئے کوئی وقت نہ لے لیں، امام احمد
نے کہا نہیں میں نے ان کے وطن صنعاء کے سفر کی نیت کرلی ہے اور میں اسکو بدلنا نہیں چاہتا
چنانچہ حج کے بعد انھوں نے یمن کا سفر کر کے عبدالرزاق سے حدیثیں سنیں (مقدمہ مسند احمد جلد ۱)
یہ تو پہلی صدی سے لے کر دوسری صدی کے اواخر تک کی مثالیں تھیں اب ایک مثال
تیسری صدی کی سنئے، امام بخاری سنہ ۲۱۰ھ میں اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ سولہ سال
کی عمر میں حج کے لئے گئے، حج سے فراغت کے بعد ان کی والدہ اور بھائی تو وطن لوٹ آئے
مگر امام بخاری تحصیل علم کے لئے وہیں ٹھہر گئے، ابن حجر لکھتے ہیں فاقام هو بمكة مجاورا لطلب العلم
(مقدمہ فتح الباری ص ۵۶۳) اور خود امام بخاری کا بیان ہے، میں حجاز میں چھ سال رہ گیا،
(مقدمہ ص ۵۶۳)

امام بخاری نے مکہ میں صرف استفادہ ہی نہیں کیا ہے بلکہ علمی افادہ کے سلسلہ میں اپنے
سب سے بڑے اور زندہ جاوید کارنامے کی داغ بیل بھی انھوں نے مکہ ہی میں ڈالی تھی، حافظ
ابن حجر لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری کی تصنیف اور اس کے ابواب کی ترتیب کا آغاز انھوں نے المسجد الحرام
میں کیا تھا، اور اسکے مسودہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس اور منبر شریف کے
درمیان صاف کیا تھا (مقدمہ ص ۵۰۵)

اختصار کے پیش نظر اس وقت اسی ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ یہ تمہید بعید طولانی
ہو جائے گی، مقصد یہ ہے کہ حج کے ساتھ تحصیل و اشاعت علم کا ربط اس صدی میں بھی قائم
تھا اور اسی طرح بعد کی صدیوں میں بھی برابر قائم رہا، ان درمیانی صدیوں کی نسبت تھوڑا
تھوڑا بھی لکھا جائے تو بہت زیادہ ہو جائے گا اور تمہید تمہید نہ رہے گی اس لئے ہم طفرہ
کر کے ایک دم سے دسویں صدی ہجری میں پہونچ کر یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں علم
حدیث کی خدمت کے شاہکار، اور محدثین ہند کی علمی یادگاریں جو ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں

وہ سب اسی سفر حج کی سوغات ہیں۔

حدیثوں کا وہ عظیم الشان ذخیرہ جو کنز العمال کے نام سے آٹھ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے اور منتخب کنز العمال جو مصر میں چھپا ہے، اور منہج العمال (قلمی) یہ سب حضرت شیخ علی متقی ہندی کے آثار علمیہ ہیں جو سفر حج کی بدولت عالم ظہور میں آئے ہیں، حضرت شیخ جب حج کیلئے گئے تو وہاں شیخ ابوالحسن بکری و شیخ ابن حجر مکی کی خدمت میں حدیث کا علم حاصل کیا پھر وہیں مستقل قیام کر کے یہ کتابیں لکھیں (اخبار الاخیار ص۲۵)

مجمع البحار (جسکی نسبت شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ وہ تمام صحاح (ستہ) کی گویا شرح ہے) تین جلدوں میں بار بار طبع ہو چکی ہے، مغنی جو ضبط و تصحیح اسماء رجال میں ہے اور چھپ چکی ہے، اور تذکرۃ الموضوعات جو مصر میں طبع ہوئی ہے، یہ تینوں اور انکے علاوہ اور کتابیں بھی علامہ محمد طاہر گجراتی پٹنی کی کاوش کا نتیجہ ہیں، شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ "و بحرمین شریفین رفت و علماء و مشائخ آن دیار شریف را دریافت و تحصیل و تکمیل علم حدیث نمود" یعنی حرمین کی زیارت کی اور اس دیار کے علماء و مشائخ کی خدمت میں علم حدیث کی تحصیل و تکمیل کی، اسکے آگے فرماتے ہیں کہ پھر وطن واپس آکر بہت سی بدعات کو مٹایا اور مذکورہ بالا کتابیں تصنیف فرمائیں (اخبار الاخیار ص۲۰۲) انھوں نے حرمین میں جن علمائے محدثین سے یہ فن حاصل کیا ان کے نام یہ ہیں شیخ ابوعبید اللہ زبیدی سید عبداللہ مدنی، شیخ عبید اللہ حضرمی، شیخ جاراللہ مکی، شیخ ابن حجر مکی، شیخ علی مدنی، شیخ برخوردار سندی اور شیخ ابوالحسن بکری (اتحاف ص۳۹۸-۹۷)

اور خود شیخ عبدالحق کی لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح (قلمی) اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ (مطبوعہ) اور فتح المنان (قلمی) کا سارا مواد اسی سفر میں انکو ہاتھ آیا تھا اور ان مواد کو ان کتابوں کی شکل میں ترتیب دینے کا ولولہ بھی وہ مکہ ہی سے لائے تھے، جس کا اظہار انھوں نے اشعۃ اللمعات اور فتح المنان میں خود کیا ہے۔ حضرت شیخ نے ۹۹۶ھ میں حجاز کا سفر کیا اور دو سال سے زیادہ حضرت شیخ عبدالوہاب متقی کی صحبت میں رہے ان کے علاوہ دوسرے شیوخ مکہ سے

بھی علم حدیث کی اجازت لی پھر تقریباً ایک سال مدینہ منورہ میں قیام کرکے وہاں بھی اس علم کی سند حاصل کی ہے۔

راستہ کو مختصر کرنے کیلئے بیچ میں ایک صدی چھوڑ کر اب بارہویں صدی میں آجائیے اور دیکھئے کہ آج ہندوستان میں جہاں جہاں قال اللہ و قال الرسول کا غلغلہ بلند ہے، آج جس جس جگہ درس حدیث کا سلسلہ جاری ہے اور آج علم حدیث و رجال میں علمائے ہند کے جو جو کارنامے ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں، یہ سب کس کا فیض ہے؟ کیا یہ سب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فیض نہیں ہے اور شاہ ولی اللہ کو یہ دولت کہاں سے ہاتھ آئی؟ اس سفر حج کے بدولت مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ہم کو کسی بیرونی شہادت کے پیش کرنے کی حاجت نہیں ہے، اس باب میں خود حضرت شاہ صاحب کا رسالہ انتباہ (غیر مطبوعہ حصہ) اور رسالہ انسان العین فی مشائخ الحرمین سب سے بڑی شہادت ہے۔

حضرت شاہ صاحب سنہ ۱۱۴۳ھ میں ہندوستان سے مکہ گئے اور ایک سال حجاز میں قیام کرکے مدینہ میں شیخ ابو طاہر کردی کے پاس اور مکہ معظمہ میں شیخ تاج الدین قلعی سے حدیث کا علم حاصل کیا اور سند لی پھر سنہ ۱۱۴۴ھ میں دوسرا حج کرکے سنہ ۱۱۴۵ھ میں واپس آئے، اس سفر میں حضرت شاہ صاحب کے رفیق اور شریک درس انکے ماموں مولانا عبید اللہ اور ان کے مرید خاص و شاگرد رشید اور ماموں زاد بھائی شاہ محمد عاشق پھلتی بھی تھے جیسا کہ انتباہ (حصہ غیر مطبوعہ) سے واضح ہوتا ہے۔

اسی صدی میں شاہ صاحب سے پہلے حاجی صفت اللہ محدث خیرآبادی نے سنہ ۱۱۲۳ھ میں حج کیا تھا اور اپنے ساتھ حجاز سے وہ بھی یہ سوغات (علم حدیث) لائے تھے۔

اور شاہ صاحب کے بعد علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے سنہ ۱۱۵۱ھ میں یہ شرف حاصل کیا، اور اداے فریضہ کے ساتھ ساتھ شیخ محمد حیات سندی کی خدمت میں زانوئے تلمذ بھی تہہ کیا، اور حدیث کی سند لے کر سنہ ۱۱۵۲ھ میں واپس ہوئے۔

پھر سنہ ۱۱۹۰ھ میں مفتی ولی اللہ فرخ آبادی (صاحب تفسیر نظم الجواہر قلمی) و تاریخ فرخ آباد)

نے حج وزیارت کی سعادت پائی اور شیخ احمد سعید سقر (صقر) کی خدمت میں فن قرات اور علم حدیث کی تحصیل وتکمیل کر کے سند حاصل کی، جیسا کہ تفسیر نظم الجواہر میں انھوں نے خود اظہار کیا ہے۔

تیرھویں صدی میں مسند الآفاق شاہ محمد اسحاق کا مکہ معظمہ میں اور انکے بعد شاہ عبد الغنی مجددی کا مدینہ منورہ میں ڈنکا بج رہا تھا، اور علم دوست حجاج ان حضرات سے علم حدیث کی سند لئے بغیر واپس نہیں آتے تھے، ہمارے دیار کے نامور عالم اور طبیب، مولانا سخاوت علی جونپوری کے شاگرد اور مولانا کرامت علی کے خلیفہ مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ (ساکن پورہ معروف) کو سفر حج ہی کی بدولت حضرت شاہ محمد اسحاق سے شرف تلمذ حاصل ہوا ہے، مولنا کا اجازت نامہ جس پر حضرت شاہ محمد اسحاق کے دست خاص کے دستخط ہیں، میں نے دیکھا ہے اور اسکی نقل رسالہ معارف اعظم گڈھ (دسمبر ۱۹۳۶ئ) میں میں نے شائع کرادی ہے۔

اسی صدی میں حضرت مولنا عبد الحلیم لکھنوی اور ان کے خلف ارشد حضرت مولانا عبد الحئی رحمۃ اللہ علیہما نے بھی حج کیا ہے اور ہر دو صاحبان نے مکہ و مدینہ کے علماء و محدثین سے حدیث وغیرہ کی اجازت واسناد حاصل کی ہے، یہ ۱۲۷۹ھ کا واقعہ ہے، مفتی مکہ محمد جمال بن محمد عمر حنفی، اور شیخ احمد بن زین دحلان شافعی اور شیخ محمد بن محمد عرب شافعی اور شاہ عبد الغنی مجددی نے مولنا عبد الحلیم کو، اور شیخ احمد بن زین دحلان نے مولنا عبد الحئی کو جو اجازت نامے عنایت فرمائے ہیں انکی نقول حسرۃ العالم میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

اسی صدی میں ہمارے شہر کے نہایت باخدا، متقی اور جید عالم وطبیب حاذق استاذ الاساتذہ مولانا عبد اللہ (پیارے پورہ) ۱۲۸۶ھ میں سفر حج سے سعادت اندوز ہوئے اور حضرت شاہ عبد الغنی مجددی سے سند واجازت حدیث حاصل کی، اجازت نامہ کی نقل معارف (دسمبر ۱۹۳۶ئ) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

یہ واقعات کہاں تک لکھے جائیں ع

این رشتہ بانگشت نہ پیچی کہ دراز است

بتانا یہ ہے کہ ہر دور میں سفر حج حقیقی معنوں بھی وسیلۃ الظفر رہا ہے اور ادائے فریضہ کے ساتھ ہمیشہ اسکی حیثیت علمی رحلۃ کی بھی رہی ہے، یہاں یہ بھی واضح کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ یہ سفر صرف علم ظاہری کی تحصیل و ترقی کا ذریعہ نہیں تھا بلکہ تزکیہ نفس، اصلاح باطن و اکتساب فیض باطنی کا بھی زبردست محرک، اور اس کا نہایت اہم ذریعہ تھا حرمین محترمین کسی وقت بھی اپنے نفوس قدسیہ سے خالی نہیں رہے ہیں جنکی صحبت اور توجہ سے تعلق باللہ قوی ہوتا تھا، آخرت کی فکر پیدا ہوتی تھی، اور دنیا کی محبت کم ہوتی تھی، ایمان راسخ ہوتا تھا، دین پر استقامت نصیب ہوتی اور قلوب ایمانی کیفیات سے سرشار ہو جاتے تھے، جن خوش نصیب حجاج کے دلوں میں تڑپ موجود ہوتی تھی وہ اس سفر کے یہ فائدہ بھی حاصل کرتے تھے۔

اسی دور آخر میں یہ سرمدی دولت، حضرت مولٰنا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولٰنا قاسم نانوتوی حضرت مولٰنا محمد یعقوب نانوتوی، حکیم الامۃ حضرت مولٰنا اشرف علی تھانوی، مولٰنا محمد حسین الہ آبادی، اور شاہ سلیمان پھلواروی اور ہمارے وطن کے نہایت متقی و باخدا عالم مولٰنا عبدالرحمن (ساکن نیاپورہ) وغیرہم کو اسی سفر کے ضمن میں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں حاضری اور ان کی تعلیم و تربیت کی برکت سے حاصل ہوئی۔

اور موجودہ حضرات میں شیخ وقت حضرت مولٰنا سید حسین احمد صاحب مدنی کو جو بلند مقام حاصل ہے وہ بھی اسی سفر مبارک کے برکات میں سے ہو۔

قصہ مختصر یہ کہ سفر حج ہمیشہ بہت سے دینی و علمی ثقافتی و اجتماعی منافع و فوائد پر مشتمل رہا ہے اس سفر کی بدولت ہزاروں محقق علماء، بکثرت مصلحین اور کتنے اہل اللہ پیدا ہوئے، اور ایسے انسانوں کا تو شمار ممکن نہیں ہے جن کی زندگی کا رخ اس سفر نے موڑ دیا ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں یہ منافع و فوائد اگر معدوم نہیں تو کالعدم ضرور ہو گئے ہیں، زائد اور دفری منافع کو تو جانے دیجئے، خود اصلی مقصد کو بھی جس طرح حاصل کرنے کا حق ہو اس طرح حاصل کرنے کی کوشش نہیں کیجاتی اور جس شرائط و آداب کے ساتھ فریضہ حج کو ادا کرنا چاہئے

ان کا کوئی اہتمام باقی نہیں رہ گیا ہے اور اس وجہ سے ہمارا یہ سفر محض ایک تفریحی سفر اور ایک جسم بے جان ہو کر رہ گیا ہے اللہ کے نیک بندوں کا فقدان کبھی نہیں ہوا ہے اور خدا کے فضل سے آج بھی نہیں ہے، مگر جہانتک حجاج کی اکثریت کا تعلق ہے، خدا آپ کو اس سفر کی توفیق عطا فرمائے تو قدم قدم پر اکثریت کا وہی حال نظر آئے گا جو ابھی مذکور ہوا۔

ان حالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد محض ازراہ دلسوزی برسوں سے یہ خیال دماغ میں پک رہا تھا کہ گذشتہ صدیوں کے بالعموم اور قرون اولیٰ کے بالخصوص ایسے حضرات کا ایک مفصل تذکرہ مرتب کیا جائے جن کو علم و تحقیق، زہد و تقویٰ، اور للہیت و خلوص میں خاص مقام حاصل ہو اور انکی زندگی ہمارے لئے مثالی زندگی کا حکم رکھتی ہو، اور انھوں نے حج کی سعادت بھی حاصل کی ہو جس میں خصوصیت کے ساتھ ان کے واقعۂ حج کی جزئیات، اور عبرت آموز واقعات جہانتک ممکن ہو بالاستیعاب ذکر کئے جائیں۔

اسلاف کے کارنامے خلف کیلئے سرمایۂ عبرت ہوتے ہیں، اور بزرگوں کے تذکروں میں ایک خاص دلچسپی اور کشش ہوتی ہے اور ان کے واقعات نہایت پرتاثیر ہوتے ہیں، اس لئے امید ہے کہ یہ تذکرہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا، اور انشاء اللہ بے اثر کئے نہ رہے گا۔

برسوں کے غور و فکر کے بعد آج اسی مقصد کے پیش نظر اس تذکرہ کا پہلا حصہ مرتب کرکے پیش کر رہا ہوں، خدا کرے میری توقعات پوری ہوں، اور سعید روحیں اس سے نفع حاصل کریں، اور اس پورے تذکرہ میں اگر ایک بات بھی ان کے کام کی ملجائے تو میرے لئے حسن خاتمہ اور رضائے الٰہی کی دعا کریں۔

اپنی اس تالیف کے باب میں چند باتیں بھی عرض کر دینا ضروری ہیں۔

(۱) اس تذکرہ کو لکھنے کا داعیہ تو جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں بہت دنوں سے تھا، مگر عزیزم قاضی اطہر مبارک پوری (رکن ادارہ البلاغ ممبئی) کا ایک سلسلۂ مضامین جس کو انھوں نے البلاغ میں طبقات الحجاج کے عنوان سے شایع کرنا شروع کیا تھا، دیکھ کر یہ داعیہ قوی ہو گیا اور

مدتوں کا ارادہ قوت سے فعل میں آیا، چنانچہ ابتداءً میں نے اس تذکرہ کی چند قسطیں البلاغ میں اور کچھ الصدیق (ملتان) میں شائع کرائیں۔

(۲) ابتداءً یہ تذکرہ سید الابرار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ و تابعین اور دیگر افراد امت کے حالات پر مشتمل تھا، بعد میں انبیائے سابقین کے ذکر خیر کا اضافہ مناسب معلوم ہوا اسلئے کہ سلف صالح کی پیروی سے کہیں بڑھ کر انبیائے سابقین کا اقتدا ہے، امت تو امت خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم الٰہی تھا فبھداھم اقتدہ (انکی ہدایت اور سیدھے راستہ پر چلنے کی اقتدا کیجیے)۔

(۳) اس تذکرہ کو صدیوں کی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے، مگر کہیں کہیں کسی وجہ سے یہ ترتیب قائم نہیں رہ سکی ہے، ان شاء اللہ خدا نے توفیق دی تو آئندہ اشاعت میں یہ جزوی بے ترتیبی بھی باقی نہ رہے گی۔

(۴) اس تالیف میں اسکا لحاظ رکھا گیا ہے کہ جن بزرگوں کا حال لکھا جائے اس میں نہ زیادہ تطویل ہو نہ بالکل اختصار، لیکن پھر بھی بعض تراجم آپ کو بہت مختصر محسوس ہوں گے، اسکی وجہ کہیں تو خود مواد کی کمی ہے اور کہیں طبیعت کے نشاط کی، ان شاء اللہ آئندہ اشاعت میں دوسرے قسم کے تراجم میں مناسب اضافہ کر دیا جائے گا۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب آپ اصل کتاب کا مطالعہ کیجیے، اور مکرر درخواست ہے کہ اس ہیچمدان کو اپنی دعاؤں سے محروم نہ رکھیے۔

حبیب الرحمن الاعظمی

مئو، اعظم گڈھ

۲۲ صفر ۱۳۸۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ نے نبوت کے بعد دو حج کئے ہیں، ایک قبل ہجرت اور ایک بعد ہجرت، اور روایات سے ثابت ہو کہ آپ نے قبل نبوت بھی حج کئے ہیں۔

آپ کے عمروں کی تعداد احادیث میں چار مذکور ہے انمیں سے تین عمرے ماہ ذی القعدہ میں کئے ہیں اور ایک ذی الحجہ میں۔

ہجرت کے بعد سنہ ۱۰ھ میں جو حج آپنے کیا ہے اس کا نام حجۃ الوداع ہے، اس کا اور اسکے سفر کا واقعہ شرح وبسط کے ساتھ کتب احادیث میں مذکور ہے۔ مسلمانوں کیلئے وہی حقیقی اسوہ اور قابل تقلید نمونہ ہے جسکی پیروی حج کی مقبولیت اور نجات آخرت کی ضمانت ہے۔

یہاں تبرکاً صرف چار واقعے نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت قدامہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صفا و مردہ کے درمیان اونٹ پر اس طرح سعی کرتے دیکھا ہے کہ لا ضرب ولا طرد ولا الیک الیک (مشکوٰۃ) یعنی نہ کسی کو مارنا تھا نہ ہنکانا، نہ ہٹو بچو) یعنی امیرانہ ٹھاٹھ سے نہیں بلکہ فقیرانہ انداز میں سعی فرماتے تھے

(۲) آپ کے ساتھ اس سفر میں صرف ایک اونٹنی تھی، اسی پر سوار بھی ہوتے تھے اور اسی پر سامان

بھی لدا ہوا تھا۔ اس کا کجاوہ بوسیدہ تھا، او قطیفہ (گدا) صرف چار درہم کی قیمت کا تھا اور زبان مبارک پر یہ کلمات جاری تھے، اللھم حجۃ لا ریاء فیھا ولا سمعۃ (اے اللہ یہ وہ حج ہو جس میں نام ونمود اور شہرت کی خواہش کو دخل نہیں ہے) بخاری وابن ماجہ)

(۳) حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کے سامنے آئے اور اپنے لب ہائے مبارک اس پر رکھ کر دیر تک روتے رہے اتفاق سے ایک بار آپ کی نگاہ اٹھی تو دیکھا کہ حضرت عمر بھی رو رہے ہیں، تو ارشاد فرمایا کہ ھھنا تسکب العبرات یا عمر (اے عمر یہ جگہ آنسو بہانے کی ہے) (ابن ماجہ)

(۴) ایک بار طواف کی حالت میں نعل مبارک کا تسمہ ٹوٹ گیا ایک صحابی نے فوراً اپنے جوتے کا تسمہ نکال کر آپ کے نعل میں لگانا چاہا تو آپ راضی نہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ اثرہ (اپنے کو دوسرے کے مقابل میں ترجیح دینا) ہے اور میں اسکو پسند نہیں کرتا (مجمع الزوائد)

حضرت آدم علیہ السلام

حضرت آدم سب سے پہلے انسان اور انسانوں میں وہی سب سے پہلے حاجی ہیں، اور تمام بلاد وامصار میں صرف ہندوستان کو اللہ نے یہ عزت بخشی ہے کہ حج کے لئے سب سے پہلا سفر یہیں سے ہوا ہے۔

طبرانی نے معجم اوسط میں، بیہقی نے کتاب الدعوات میں اور ازرقی نے تاریخ مکہ میں حضرت بریدہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ جس وقت حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو انھوں نے خانہ کعبہ کا سات چکر طواف کیا اور (باب حجاب) مقام ابراہیم (ہے اسکے) مقابل دو رکعت نماز ادا کی اسکے بعد یوں دعا کی۔

اللھم انک تعلم سریرتی وعلانیتی فاقبل معذرتی

وتعلم حاجتی فاتنی سؤلی، وتعلم ما فی نفسی فاغفرلی ذنوبی، اللھم انی اسألك ایمانا یباشر قلبی ویقینا صادقا حتی اعلم انہ لن یصیبنی الا ما کتبت لی، والرضاء بما قسمت لی۔

(ترجمہ) اے اللہ تو میرا باطن اور ظاہر سب جانتا ہے، پس میری معذرت قبول کرلے اور تو میری حاجت کو بھی جانتا ہے لہذا میری مانگ پوری کردے اور تو وہ سب جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے، پس میرے گناہ بخشدے اے اللہ میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جو میرے دل میں پیوست ہو اور ایسا سچا یقین جس سے مجھے عین الیقین حاصل ہو کہ تونے جو لکھ دیا ہے اس کے سوا ہرگز نہ مجھ کو کچھ ملے گا نہ کوئی تکلیف پہونچے گی، اور یہ چاہتا ہوں کہ تیری تقسیم سے راضی رہوں۔

جب حضرت آدم دعا کر چکے تو حق تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ہم نے تمہارا گناہ بخش دیا، اور تمہاری اولاد میں سے جو کوئی ہمارے یہاں آکر تمہاری اس دعا کو پڑھے گا ہم اسکے گناہ بخشدینگے۔ (سبحۃ المرجان ص، مجمع الزوائد ص ۱۸۳/ج ۱)

کتب تفسیر وحدیث وشرح احادیث سے ثابت ومحقق ہے کہ خانہ کعبہ کی سب سے پہلی تعمیر حضرت آدم کے ہاتھوں سے ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انکو حکم دیا ہے کہ مکہ جاؤ اور وہاں ایک گھر تعمیر کرو، اور جس طرح فرشتوں کو طواف کرتے دیکھو اسی طرح اس گھر کا طواف کرو، تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ہندوستان میں وحی بھیجی کہ خانہ کعبہ کا حج کرو، چنانچہ انھوں نے حج کیا، اور سیوطی نے درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے ایک ہزار بار پیدل سفر کرکے خانۂ کعبہ کا

پاس حاضری دی اور اسکی زیارت کی ہے، انھوں نے تین سو حج اور سات سو عمرے کئے ہیں پہلے حج کے موقع پر جب وہ عرفات میں بحالت وقوف تھے اس وقت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور فرمایا اے آدم! آپ کا حج قبول ہوا، ہم آپ کی پیدائش سے ہزاروں برس قبل سے خانہ کعبہ کا طواف کرتے آئے ہیں۔ (مصباحۃ المرجان ص۲۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام قرآن پاک سے ثابت ہو کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام خانہ کعبہ کے بانی ہیں، نیز قرآن پاک میں اسکی بھی تصریح ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم ہی سے حج کا اعلان کرایا وادذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق (لوگوں میں حج کا اعلان کردو لوگ آئیں پیدل، اور ہر دبلی اونٹنی پر دور دراز راستہ سے)

اسکے بعد اس بات کیلئے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل نے حج کئے ہیں کسی دوسری صریح دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، تاہم چند حدیثیں نقل کیجاتی ہیں، جن سے انشاء اللہ مزید فوائد حاصل ہوں گے۔

ترمذی وغیرہ میں حضرت یزید بن شیبان کا بیان ہے کہ عرفات میں امام کے موقف سے ہٹ کر ایک جگہ (جہاں جاہلیت کے زمانہ میں ہمارے آباء و اجداد وقوف کرتے تھے) ہم ٹھہرے ہوئے تھے کہ ہمارے پاس ابن مربع انصاری نے آکر کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ کی حیثیت سے تمہارے پاس آیا ہوں حضرت فرماتے ہیں کہ تم اپنے وقوف کی جگہ پر قائم رہو، یہ جگہ تم کو حضرت ابراہیم سے وراثت ملی ہے (مشکوۃ ص۲۲۷) اور مجمع الزوائد میں مسند احمد ومعجم کبیر طبرانی کے حوالہ سے مذکور ہے کہ ابوالطفیل نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ آپ کی قوم یہ کہتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کی ہے اور یہ سنت قدیمہ ہے، تو ابن عباس نے فرمایا کہ میری قوم (قریش) سچ کہتی ہے جس وقت حضرت ابراہیم کو ادائے مناسک کا حکم دیا گیا، اور انھوں نے

اس حکم کی تعمیل شروع کی) تو مسعیٰ (جہاں صفا و مروہ کے درمیان سعی کی جاتی ہے) کے پاس شیطان ان کے سامنے آیا اور شرارت سے دوڑنے میں مقابلہ کرنے لگا، مگر حضرت ابراہیم نے اس کو شکست دیدی اور آگے بڑھ گیے، اسکے بعد حضرت جبرئیل انکو جمرہ عقبہ کے پاس لے گئے تو وہاں بھی شیطان نمودار ہوا وہاں حضرت ابراہیم نے اس کو سات کنکریاں ماریں، اسکے بعد جمرہ وسطیٰ کے پاس لے گیے تو وہاں بھی یہی قصہ پیش آیا، پھر حضرت جبرئیل نے منیٰ میں ان سے کہا کہ یہ حاجیوں کی اقامتگاہ ہے پھر مزدلفہ لے گئے اور کہا یہ مشعر حرام ہے اسکے بعد انکو عرفہ لے گئے۔ (ص ۲۲۳/۲ و ص ۲۰/۲)

مجمع الزوائد کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ تلبیہ میں جو کلمات آج کہے جاتے ہیں وہ ملت ابراہیمی سے ماثور و متوارث اور اسی ملت کی یادگار ہیں، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے بعد ایک زمانہ تک لوگ صحیح مذہب پر قائم اور مسلمان تھے، مگر شیطان برابر کوشش میں لگا رہا کہ کسی طرح انکو اسلام سے پھیر دے تا آنکہ اس نے تلبیہ میں الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک کا اضافہ کرا دیا اور لوگ یوں تلبیہ کہنے لگے لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک (ص ۲۲۳/۲)

معجم کبیر طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم مکہ آئے اور خانہ کعبہ کا طواف کرکے صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اسکے بعد حضرت جبرئیل ان کو منیٰ لے گئے اور وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء، اور فجر کی نمازیں پڑھوا کر عرفات لے گئے اور دو نمازیں (ظہر و عصر) پڑھ کر وہاں غروب آفتاب تک وقوف کرایا، پھر مزدلفہ میں آکر رات گزاری[1] اور صبح کو جلد نماز پڑھ کر دیر تک وقوف کیا اس کے بعد منیٰ لے گئے وہاں کنکری ماری، جانور ذبح کیا، اور سر منڈوایا، پھر انکو مکہ لائے اور طواف کرایا پھر دوبارہ منیٰ

[1] ابن جریر کی روایت میں مزدلفہ میں عشاء و مغرب کے ایک ساتھ پڑھنے کا ذکر بھی ہو (کنز العمال ص ۲۲/۳)

رہ گئے اور وہاں انھوں نے ان دنوں میں قیام کیا، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی بھیجی کہ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۶-۱۲۳) ملت ابراہیم کی پیروی کرو، درانحالیکہ وہ جھوٹے مذہبوں سے بیزار تھے اور مشرکوں میں سے نہیں تھے) مجمع الزوائد ص۲۵ و کنز العمال ص۲۴۴)

حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السّلام

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ہم مکہ ومدینہ کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ ایک وادی میں پہونچکر حضرت نے پوچھا یہ کون وادی ہے، لوگوں نے کہا وادی ازرق (یہ جگہ مکہ سے تقریباً ۳۰ میل کے فاصلہ پر عسفان وخلیص کے درمیان مکہ سے مدینہ جانے کے پرانے راستہ پر واقع ہے) ہے، حضرت نے فرمایا کہ میں موسیٰ علیہ السّلام کو اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈالے ہوئے بہت بلند آواز سے لبیک کہتے ہوئے اس وادی سے گذرتے ہوئے گویا دیکھ رہا ہوں (مشکوٰۃ ص۵۵)

وفاء الوفاء میں بحوالہ طبرانی مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی روحاء کی نسبت فرمایا کہ اس کا نام سجاسج ہے اور یہ جنت کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے، اس مسجد میں مجھ سے پہلے ستر نبیوں نے نماز پڑھی ہے اور ستر ہزار اسرائیلی حاجیوں کو ساتھ لئے ہوئے حضرت موسیٰ روحاء سے گذرے ہیں، وہ اُس وقت ایک خاکستری رنگ کی اونٹنی پر سوار تھے، اور ان کے جسم پر دو قطوانی کمبل تھے، اور جب تک عیسیٰ علیہ السّلام حج یا عمرہ کے سلسلہ میں اس وادی سے گذر نہیں گے اس وقت تک قیامت قائم نہوگی، وادی روحاء میں ستر نبیوں کے نماز پڑھنے کا ذکر ترمذی میں بھی ہے، وادی روحاء کی جس مسجد کا یہ ذکر ہے اسکو عرق الظبیہ کہتے ہیں، مکہ ومدینہ کے قدیم راستہ میں مدینہ سے ۳۰ میل پر

ل سفید رنگ کا کمبل جس میں دو پیلی لکیریں پڑتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ایک مقام سیالہ واقع ہے، سیالہ دو میل تک چلا جاتا ہے، جہاں ختم ہوتا ہے اس جگہ کا نام شرف الروحاء ہے۔ اسکے بعد ۱۲ میل کی مسافت پر روحاء ہے روحاء مکہ کی طرف اور سیالہ مدینہ کی طرف ہو، سیالہ سے روحا جاتے ہوئے ۹ میل پر عرق الظبیہ واقع ہو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مدینے سے تقریباً ۴۰ میل پر یہ وادی واقع ہے، وفاء الوفاء صـ ۳۱۳ میں مدینے سے روحاء کا فاصلہ ایک روایت میں ۳۰۔ ایک میں ۳۵-۳۶، ایک میں ۴۲ میل اور ایک میں ۴ برید (۴۸ میل) مذکور ہے۔

مجمع الزوائد صـ ۲۲۰ میں ابویعلی وطبرانی کے حوالہ سے بروایت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ، اور صرف ابویعلی کے حوالہ سے بروایت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ روحاء کے صخرہ سے ستر نبی جن میں سے ایک حضرت موسیٰ بھی ہیں خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے جاتے ہوئے گذرے ہیں، انکے پاؤں ننگے تھے، اور جسم پر کمبل تھا۔

اور بحوالہ طبرانی حضرت ابن عباس کی روایت سے یہ ارشاد نبوی منقول ہو کہ حضرت موسیٰ نے سرخ بیل پر سوار ہو کر قطوانی کمبل میں حج کیا ہے۔

اور بحوالہ ابویعلی وطبرانی حضرت ابن مسعود کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ گویا میں حضرت موسیٰ کو اس وادی (وادی روحاء) میں دو قطوانی کملوں میں احرام باندھے ہوئے دیکھ رہا ہوں (صـ ۲۲۱/۳)

اور حضرت ابن عباس سے بحوالہ طبرانی منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد خیف میں ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں ستر نبیوں نے نماز پڑھی ہے از انجملہ حضرت موسیٰ ہیں گویا میں انکو اس حالت میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ دو قطوانی کمبلوں میں احرام باندھے ہوئے قبیلہ شنوءہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ پر سوار ہیں، اور اونٹ کی ناک میں کھجور کی چھال کی بنی ہوئی نکیل پڑی ہوئی ہے اور حضرت موسیٰ کے سر پر دو لٹیں ہیں (صـ ۲۲۱/۳)

مسند بزار کے حوالہ سے حضرت ابن عباس کا ارشاد منقول ہے کہ حضرت موسیٰ کا تلبیہ

یہ تھا لبیك عبدك وابن عبدیك اور حضرت عیسیٰ کا تلبیہ تھا لبیك عبدك وابن امتك (صفحہ ۲۲)

حضرت ہود وصالح علیہما السلام

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ سفر حج میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر وادی عسفان میں ہوا تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ یہ کونسی وادی ہے؟ انھوں نے کہا کہ وادی عسفان ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ہود وصالح علیہما السلام دو سرخ اونٹوں پر سوار، کمبل کا تہمد باندھے ہوئے، اور دھاری دار چادریں کندھوں پر ڈالے ہوئے حج خانہ کعبہ کے ارادہ سے لبیک پڑھتے ہوئے اس وادی سے گذرے ہیں، ان کے اونٹوں کی نکیلیں کھجور کی چھال کی تھیں۔

عسفان مکہ معظمہ سے شمال مغرب کی طرف مدینہ کے قدیم راستہ میں ۳۶ میل پر واقع ہے

حضرت یونس علیہ السلام

اسی حدیث میں جو ابھی گذری ہے حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ ہم مکہ و مدینہ کے راستہ میں چلتے چلتے ایک پہاڑی راستہ میں پہونچے تو حضرتؐ نے دریافت کیا کہ یہ کونسی چڑھائی ہے لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! یہ ہرشیٰ یا لفت ہے، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ گویا میں حضرت یونسؑ کو دیکھ رہا ہوں ایک سرخ اونٹنی پر سوار ہیں، صوف کا ایک جبہ پہنے ہوئے ہیں اور اونٹنی کی ناک میں کھجور کی چھال کی نکیل ہے اور وہ اس وادی سے لبیک کہتے ہوئے گذر رہے ہیں۔ (مشکوٰۃ صفحہ)

ہرشیٰ مکہ و مدینہ کے تقریباً بیچ میں ہے (مدینہ سے سقیا ۶۰ میل، اور سقیا سے ابوا ۲۰ میل اور ابوا سے ہرشیٰ ۸ میل پر ہے، تو مدینہ سے ہرشیٰ کی مسافت ۸۸ میل ہوئی)

لہ حاضر ہوں تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا حاضر ہے۔ تہ تیرا بندہ اور تیری باندی کا بیٹا حاضر ہے۔

آج کل جب رابغ سے مدینہ جانے کیلئے بسیں روانہ ہوتی ہیں تو کئی میل چلنے کے بعد ایک چڑھائی ملتی ہے جہاں حاجیوں کو اکثر بس سے اتار کر خالی بس چڑھائی پر لیجاتے ہیں، میں نے وہاں پہونچکر ایک بدو سے اس جگہ کا نام پوچھا تو اس نے ہرشیٰ بتایا، کتابوں میں ہرشیٰ کا بیان پڑھنے سے بدو کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ کتابوں میں ہے کہ ہرشیٰ سے ۵ میل کے فاصلہ پر جحفہ کا محل وقوع ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ رابغ جحفہ کے قریب واقع ہے، وفاء الوفاء میں ہے رابغ وادٍ من الجحفۃ (ص ۳۰۹ ج ۲) اور جحفہ کی نسبت لکھا ہے کہ مدینہ سے ۵ ۱/۲ مرحلوں پر اور مکہ سے ۴ ۱/۲ مرحلوں پر واقع ہے، یعنی جحفہ تک مکہ سے مدینہ کا راستہ آدھے سے کم طے ہوتا ہے اسکے بعد مدینہ کی طرف ہرشیٰ پڑتا ہے، اسکی نسبت مذکور ہے کہ ہرشیٰ کی چڑھائی سے ایک میل آگے (مدینہ کی طرف) نصف کا نشان گڑا ہوا ہے (وفاء الوفاء ص ۳۶۶ ج ۲ و ص ۲۷۹ ج ۲)

حضرت الیاس و خضر علیہما السلام

حضرت الیاس کا نبی مرسل ہونا تو کتاب اللہ میں منصوص ہے، لیکن حضرت خضر کے باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ نبی ہیں یا ولی، حافظ ابن حجر نے اصابہ اور فتح الباری میں اس موضوع پر جو بحث کی ہے اس سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی تھے انھوں نے ثعلبی سے نقل کیا ہے کہ وہ سب کے قول سے نبی ہیں (یعنی انکی نبوت میں اختلاف اقوال نہیں ہے) اور ابو حیان نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے والجمھور علی انہ نبی (جمہور کا مذہب یہی ہے کہ وہ نبی ہیں)، اسی طرح ابن عطیہ اور بغوی نے اکثر اہل علم کا قول یہ نقل کیا ہے کہ وہ نبی ہیں، پوری بحث اصابہ ص ۴۳ ج ۱ اور فتح الباری ص ۲۷۰ ج ۶ میں ملاحظہ ہو۔

اس کے بعد اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت خضر زندہ ہیں یا نہیں، اس باب میں شیخ ابن الصلاح نے فرمایا ہے:۔

هو حی عند جمهور العلماء والعامة معهم و
انما شذ بانكاره بعض المحدثين

(یعنی جمہور علماء کے نزدیک وہ زندہ ہیں اور عام لوگ انہیں کے ساتھ ہیں
انکی حیات کا انکار صرف بعض محدثین نے کیا ہے)

حافظ ابن حجر نے منکرین میں امام بخاری وابراہیم حربی وابن المنادی وابو یعلی (محدث نہیں) وابو طاہر عبادی اور ابو بکر بن العربی کے نام لئے ہیں، اسکے بعد انکی موت وحیات کے کچھ دلائل ذکر کئے ہیں، موت کے دلائل لکھ کر ان کے جوابات بھی ذکر کئے ہیں اور حیات کے دلائل لکھ کر انکی سندوں میں کلام کیا ہے، ان میں سے بعض سندیں حسن ہیں، بعض کی نسبت لکھا ہے اسکی سند جید ہے، اور اکثر کی سندوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ضعیف الاسناد روایتوں میں سے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس سے مرفوعاً مروی ہے کہ ہر سال حج کے موقع پر حضرت الیاس وحضرت خضر کی باہم ملاقات ہوتی ہے اور احرام اتارنے کیلئے ہر ایک دوسرے کا سر مونڈتا ہے اور ان کلمات پر دونوں کی علیحدگی ہوتی ہے۔

بسم اللہ ما شاء اللہ لا یسوق الخیر الا اللہ بسم اللہ ما شاء اللہ لا یصرف السوء الا اللہ بسم اللہ ما شاء اللہ ما کان من نعمۃ فمن اللہ بسم اللہ ما شاء اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

(ترجمہ) بنام خدا، خدا جو چاہے (وہی ہوگا) سوائے خدا کے کوئی کہیں خیر نہیں پہونچا سکتا، بنام خدا، خدا جو چاہے، برائی کو کوئی دفع نہیں کر سکتا، بنام خدا، خدا جو چاہے، جو نعمت بھی ہے من جانب اللہ ہے، بنام خدا، خدا جو چاہے، کوئی مجال اور طاقت نہیں ہے مگر خدا سے۔

لیکن فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد نے کتاب الزہد میں سند حسن روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ایک مستقل باب قائم کر کے ان لوگوں کے بکثرت واقعات نقل کیے ہیں جنکی ملاقات حضرت خضر سے ہوئی ہے، ان میں سے کئی واقعات ایسے ہیں جن کی سندوں کو یکسر مجروح قرار دینا نہایت مشکل ہے، مثلاً حضرت علی کا واقعہ کہ وہ طواف کر رہے تھے اور ایک آدمی کعبہ کا پردہ پکڑ کر یہ دعا کر رہا تھا:۔

یامن لا یشغلہ شئ عن سمع یامن لا یغیظہ السائلون یامن لا یبترم بالحاح الملحین اذقنی برد عفوک وحلاوۃ رحمتک

(ترجمہ) اے وہ ذات کہ اسکو کسی چیز کے سننے سے کوئی چیز نہیں روکتی اے وہ ذات کہ اسکو سائلوں کے سوال سے غصہ نہیں آتا، اے وہ ذات جو اڑ جانے والے بھکاریوں کی ضد سے تنگ نہیں آتی، مجھکو اپنے عفو و درگذر کی ٹھنڈک اور اپنی رحمت کی شیرینی چکھا (۱۲ منہ)

تو حضرت علی نے کہا کہ اپنی یہ دعا ذرا پھر دہرائیے اس آدمی نے کہا آپنے سن لیا؟ کہا ہاں، تو اس آدمی نے کہا کہ اچھا تو اسکو ہر نماز کے بعد پڑھا کیجئے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں خضر کی جان ہے آدمی کے کتنے بھی گناہ ہوں حق تعالیٰ اس دعا کی برکت سے معاف کر دیگا، اس واقعہ کو ابن ابی الدنیا نے جس سند سے ذکر کیا ہے اس کا ایک راوی مجہول ہے مگر احمد بن حنبل نے اسکو دوسرے طریق سے روایت کیا ہے اس میں کوئی راوی مجہول نہیں ہے۔

یا مثلاً سیدجلیل حضرت باقر کا واقعہ، اسی طرح ابن الزبیر کے عہد کا وہ واقعہ جس کو عون بن عبداللہ نے بیان کیا ہے اور امام احمد نے کتاب الزہد میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں اسکو روایت کیا ہے یا سفیان بن عیینہ اور رجاء بن حیوہ کے واقعے (بروایت ابو نعیم) یا ابو عبداللہ بن التوأم رقاشی کا واقعہ یا مصعب بن ثابت کا واقعہ، نیز

عمر بن عبد العزیز کا واقعہ جس کی سند کی نسبت حافظ ابن حجر کا ارشاد ہے :-

هذا اصلح اسناد وقفت علیه فی هذا الباب

(اس باب میں میرے جو معلومات ہیں ان میں سب سے صالح اسناد یہ ہے)

اس سلسلے میں جو واقعات حافظ ابن حجر نے نقل کئے ہیں ان سے ضمناً یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرات ذیل خضر کے وجود کے قائل تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت باقر و صادق رضی اللہ عنہما، مجاہدین جنگ قادسیہ، حضرت عمر بن عبد العزیز، ابراہیم تیمی، عون بن عبد اللہ، مسعر بن کدام، سفیان ثوری و ابن عیینہ، معمر، ابراہیم بن سفیان راوی صحیح مسلم، رجا بن حیوۃ، مصعب بن ثابت بن عبد العزیز، امام یافعی اور حافظ ابو الفضل عراقی وغیرہم واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ اسلام میں سب سے پہلے امیر الحج ہیں، حج کی فرضیت کے بعد جو پہلا حج اسلام کی تاریخ میں ہوا وہ آپ کی سرگردگی میں ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا تھا، اسکے دوسرے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس حج کیا ہے، آپ خلیفہ ہوئے تو پہلے سال آپنے حضرت عمر کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا، اور دوسرے سال خود گئے۔

سیر السلف میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے جب بیت المال سے وظیفہ لینا منظور کیا تو وظیفہ میں حج و عمرہ کے مصارف بھی شامل کئے ———— آپ کی وفات ۱۳ھ میں ہوئی

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپنے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت عبد اللہ بن عوف کو حج پر عامل مقرر کیا یعنی اس اہم فریضہ کی ادائیگی اور اسکے انتظام کے لیے انکو اپنا قائم مقام مقرر کیا، لیکن اسکے باوجود اپنے عہد خلافت میں ہر سال حج کے لئے حاضر ہوئے ہیں آپ کی مدت خلافت دس سال ہے۔

عبد اللہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے ساتھ حج کیا ہے، اس سفر میں وہ

اپنے لئے خیمہ بھی نہیں ڈلواتے تھے، بس کوئی کمبل یا چمڑہ کسی درخت پر ڈلوا دیتے اور اسکے سایہ میں گذر کر لیتے تھے، (تاریخ الخلفاء)

سنہ ۱۷ھ میں جب آپ نے حج و عمرہ کیا ہے تو مسجد حرام کی توسیع فرمائی اور حدود حرم کے نشانوں کی تجدید کرائی، اسی سال پانی والوں نے ان سے اجازت مانگی کہ ہم مکہ و مدینہ کے درمیان راستہ میں جگہ جگہ سکونت اختیار کرنا چاہتے ہیں، حضرت عمر نے اس شرط پر اجازت دی کہ سایہ و پانی کے باب میں مسافر کا حق مقدم ہوگا۔

پھر سنہ ۱۸ھ میں جس کو عام الرمادہ کہتے ہیں حج یا عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے تو لوگوں سے کہا کہ چلو پہلے ان کشتیوں کا معائنہ کریں جنھیں اللہ نے فرعون کی سرزمین سے ہمارے یہاں بھجوایا ہے، پھر مقام جار پہونچکر مصر سے آئی ہوئی کشتیاں دیکھیں اور سمندر کے پاس اترے تو کہا سمندر کے پانی سے غسل کرو، یہ مبارک پانی ہے۔

ابو عثمان نہدی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ طواف کر رہے ہیں اور ان کے تہمد میں اکیس پیوند لگے ہوئے ہیں، کوئی کوئی پیوند چمڑے کا بھی تھا، ابن المسیب فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمر نے حج کیا جب ضجنان (مکہ سے پچیس میل کے فاصلہ پر ایک وادی ہے) پہونچے تو فرمایا لا الہ الا اللہ العلی العظیم المعطی من شاء ما شاء، میں اپنے باپ خطاب کے اونٹ اسی وادی میں چرایا کرتا تھا، جانوروں کے بالوں کا ایک مدرعہ (جبہ) میرے جسم پر ہوتا تھا، میرے والد بہت سخت مزاج تھے، کام کراتے تھے تو تھکا ڈالتے تھے اور ذرا کوتاہی ہوئی تو مار بیٹھتے تھے، لیکن آج میرے اور میرے خدا کے بیچ میں کوئی دوسرا نہیں ہے، یعنی سوائے خدا کے کوئی دوسرا میرے اوپر بالادست نہیں ہے اسکے بعد انھوں نے یہ اشعار پڑھے:۔

لاشئ مما تری تبقی بشاشته ٭ یبقی الالہ ویودی المال والولد

جو چیزیں تمہاری نگاہ کے سامنے ہیں ان میں سے کسی کی خوشحالی باقی نہ رہے گی

صرف اللہ باقی رہے گا اور مال و اولاد سب فنا ہو جائیں گے۔)

لم تغن عن هرمز یوما خزائنه   والخلد قد حاولت عاد فما خلدوا

ہرمز کے خزانوں نے ایکدن بھی اسکو کچھ فائدہ نہ پہونچایا، اور قوم عاد نے زندگی دوام چاہی تھی مگر حاصل نہیں ہوئی۔

این الملوک التی کانت نوافلها   من کل اوب الیها راکب یفد

وہ بادشاہ لوگ اب کہاں ہیں جن کے عطیے حاصل کرنے کو ہر طرف سے وفد آیا کرتا تھا

حوض هنالک مورود بلا کذب   لابد من ورده یوما کما وردوا

وہاں یک (موت) کا حوض ہے جسپر ایکدن ہمکو بھی یقینی اترنا ہو جسطرح پہلے لوگ اتر چکے ہیں۔

سنہ ۲۳ھ میں آپنے آخری حج امہات المومنین (ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کیا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس سال جب ہم عرفات سے واپس ہو کر محصب پہونچے تو ایک شخص کو کہتے سنا این کان عمر امیر المومنین (امیر المومنین عمر کہاں تھے؟) دوسرے نے جواب دیا یہیں تو تھے، اسکے بعد اس نے اپنی سواری کو بٹھا کر بلند آواز سے چند شعر پڑھے جن کا پہلا شعر یہ ہے۔

علیک سلام من امیر و بارکت   ید الله فی ذالک الادیم الممزق

(امیر تم پر سلام ہو اور اللہ اس پارہ پارہ کھال میں برکت دے)

اسکے بعد حضرت عمر حج سے فارغ ہو کر مدینہ پہونچے، اور آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ میں چار دن باقی تھے کہ آپ پر حملہ ہوا، اور یکم محرم سنہ ۲۴ھ کو مدفون ہوئے،

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ آپنے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں عامل حج حضرت عبدالرحمن ابن عوف کو مقرر کیا لیکن ہر سال خود بھی حاضر ہوتے تھے،

اوس میں ہے و حج عثمان بالناس سنوات خلافته کلها و حج بازواج النبی صلی الله علیه وسلم کما کان یصنع عمر و کتب الی الامصار

ان یوافیه العمال فی الموسم (ص۹۱) یعنی حضرت عثمانؓ اپنے عہد خلافت میں ہر سال حج کرتے تھے اور ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ساتھ لیجاتے تھے، جیسا کہ حضرت عمر کا معمول تھا، اور ہر شہر کے عامل (گورنر) کو فرمان بھیجدیا تھا کہ وہ ایام حج میں مکہ آکر ان سے ملا کرے۔

آپ کی مدت خلافت بارہ سال ہے، ۱۰ ذی الحجہ ۳۵ھ کو آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، تاریخ الخلفا میں ہے کہ انکی خلافت کے پہلے سال نکسیر کے عارضہ میں اس کثرت سے لوگ مبتلا ہوئے کہ اسکا نام ہی سنۃ الرعاف پڑگیا تھا خود حضرت عثمان بھی اس میں مبتلا ہوئے اور اس وجہ سے اس سال حج نہ کرسکے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی کی مدت خلافت تقریباً پانچ سال ہے، اور یہ پورا زمانہ سخت ابتلا کا زمانہ تھا، اور حضرت علی کو ایسی پریشانیوں کا سامنا تھا کہ شاید ان کا ایک دن بھی اطمینان وسکون سے نہ گذرا ہو، اس لئے وہ خود اس مدت میں حج کو نہ آسکے، مگر انکی طرف سے نیابۃً کبھی عبیداللہ بن عباس اور کبھی قثم بن عباس کی سرکردگی میں یہ فریضہ ادا ہوا۔

ہاں حجۃ الوداع کے سال وہ یمن سے آکر شریک حج ہوئے تھے، اور اس حج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے جو جانور لے گئے تھے، ان میں سے ۶۳ خود آپنے اپنے ہاتھ سے ذبح کئے اور باقی جانوروں کو جنکی تعداد ستر تھی، آپؐ کے حکم سے حضرت علی نے ذبح کیا، اور گوشت، کھال اور جل کی تقسیم کا کام بھی آنحضرت نے انھیں کے سپرد کیا۔

وفات نبوی کے بعد اور اپنی خلافت سے پہلے بھی انھوں نے حج کئے ہیں، چنانچہ ان کے ایک حج کا ذکر مجمع الزوائد ص۲۲۵ ج۳ میں ہے جس میں انکے صاحبزادہ حضرت حسینؓ انکے ساتھ تھے، اور حضرت عثمان کے ساتھ انکے ایک حج کا ذکر صحیح بخاری وغیرہ میں ہے، اس سال ان حضرات کے ساتھ جن تابعین کو معیت کا شرف حاصل ہوا ان میں سعید بن المسیب، عبداللہ بن شقیق اور حریث بن سلیم اور صحابہ میں حضرت مقداد وغیرہ

کے نام ملتے ہیں (کنز العمال ص۲۲۳) حضرت عثمانؓ کے ساتھ انکے ایک حج کا ذکر ابو داؤد وغیرہ میں بھی ہے (کنز العمال ص۲۲۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

نہایت جلیل القدر صحابی رسول، صحابہ میں کتاب اللہ کے بہت بڑے عالم، فقہ ائے امت کے سرگروہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص و مقرب بارگاہ، اور ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو حضرت نے زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی تھی، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں انکا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا ہے:۔

الامام الربانی ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن ام عبد الھذلی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخادمہ واحد السابقین الاولین ومن کبار البدریین ومن نبلاء الفقہاء والمقرئین۔

(امام ربانی صحابی و خادم رسول، اسلام قبول کرنے میں پہل کرنیوالے اور غزوہ بدر میں جو بڑے لوگ شریک ہوئے انیں سے ایک، اور عظیم الشان فقیہ و مقری تھے)

حضرت عمرؓ سے بہت پہلے اس وقت مسلمان ہوئے جب حضرت عمرؓ کی بہن اور ان کے بہنوئی مسلمان ہوئے تھے، ایک روایت میں ہے کہ یہ چھٹے مسلمان تھے، قرآن پاک کی ستر سورتیں آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے بلا واسطہ سن کر یاد کی تھیں، مکہ میں سب سے پہلے انھیں نے قرآن کا اعلان کیا، حضرت نے جن چار صحابیوں کا نام لے کر فرمایا تھا کہ ان سے قرآن سیکھو، ان میں پہلا نام عبداللہ بن مسعود کا تھا، ایکدن ابن مسعودؓ نماز میں سورۂ نساء پڑھ رہے تھے حضرت نے ابو بکر و عمر کی معیت میں انکا پڑھنا سنا اور فرمایا کہ جس کو بالکل تازہ و بعینہ جیسا نازل ہوا ہے ویسا ہی قرآن پڑھنا ہو تو وہ ابن ام عبد (ابن مسعود) کی طرح

پڑھے اسکے بعد ابن مسعود بیٹھ کر دعا کرنے لگے تو آپ نے فرمایا سل نعطہ (مانگو ضرور ملیگا) اس دن عبداللہ بن مسعود نے جو مانگا تھا اس میں یہ بھی تھا۔

اللھم انی اسئلک ایمانا لایرتد ونعیما لاتنفد ومرافقۃ نبیک یعنی محمد انی اعلی الجنۃ

(استیعاب)

اے اللہ میں تجھ سے وہ ایمان مانگتا ہوں جو آکر لوٹ نہ جائے اور وہ نعمت جو کبھی ختم نہ ہو، اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت جنت کی اونچی منزل میں۔

ابن مسعود، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروں میں نعلین پہناتے تھے، جب آپ غسل فرماتے تو یہ پردہ کرتے تھے، جب آپ سوتے تو جگاتے بھی یہی تھے، اور جب آپ راستہ چلتے تو یہ آگے آگے یا ساتھ ساتھ چلتے تھے، سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ بھی آپ ہی باندھتے تھے، صحابہ میں آپ صاحب السواد والسواک، والوساد والنعلین و صاحب المطھرہ کے القاب سے معروف تھے، بارگاہ نبوی میں یہ خصوصیت انکے سوا کسی کو حاصل نہیں تھی، کہ

اذنک علی ان ترفع الحجاب وتسمع سوادی حتی انھاک۔

(تمھارے حق میں یہی اجازت ہے کہ پردہ ہٹا کر آجاؤ اور میری رازدارانہ گفتگو سنو تا آنکہ میں منع کروں)

آپکے مناقب بیشمار ہیں، اجلہ صحابہ کی نگاہوں میں انکی بڑی عظمت تھی، انکی موجودگی میں مسائل بتانے اور حدیثیں سنانے کی جرأت نہیں کرتے تھے بلکہ لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ انھیں سے پوچھیں، حضرت عمر فرماتے تھے کہ ابن مسعود علم سے بھرا ہوا ایک ظرف ہے،

حضرت عمرؓ نے جب انکو اور عمار بن یاسر کو کوفہ روانہ کیا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ میں نے عمار کو امیر اور ابن مسعود کو معلم و وزیر بنا کر بھیجا ہے، یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نجیب صحابی اور اہل بدر میں سے ہیں، تم لوگ انکا حکم مانو اور انکی بات سنو اور ابن مسعود کے معاملہ میں تو میں نے اپنے اوپر تم کو ترجیح دی ہے، یعنی انکی مجھ کو ضرورت تھی مگر میں نے تمھارے پاس بھیجدیا، حضرت حذیفہ کا ارشاد ہے کہ ابن مسعود چال ڈھال، رفتار و گفتار، اور نشست و برخاست میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے، یہ بھی کہتے تھے کہ صحابہ میں جن کو خدا نے محفوظ رکھا ہے وہ سب جانتے ہیں کہ ابن مسعود اللہ کے بڑے مقرب، اور کتاب اللہ کے بڑے عالم ہیں، حضرت علیؓ کے سامنے کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم نے ابن مسعود سے بڑھ کر خوش اخلاق، ان سے زیادہ شفیق معلم، ان سے بہتر ہم نشیں اور ان سے بڑھ کر متقی نہیں دیکھا، فرمایا کہ سچے دل سے کہتے ہو، کہا ہاں، تو فرمایا کہ اے اللہ تو گواہ رہ کہ میں بھی یہی کہتا ہوں جو یہ لوگ کہتے ہیں۔

عبید اللہ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود کا یہ معمول تھا کہ جب سب لوگ سو جاتے تو نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہو جاتے اور میں صبح تک شہد کی مکھیوں کی آواز سنتا رہا۔

حضرت ابن مسعود کا ارشاد ہے کہ آدمی کیلئے علم سے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ سے ڈرے اور اسکے جہل و نادانی کیلئے اتنا بس ہے کہ اپنے عمل پر نازاں ہو۔

فرماتے تھے جو آخرت کو چاہے گا اس کو دنیا کا نقصان ہوگا اور جو دنیا کو چاہے گا اسکی آخرت کو نقصان لاحق ہوگا۔ تو اے لوگو! باقی و پائیدار چیز کے واسطے فانی دنیا پائیدار کا نقصان قبول کرو۔

اپنے بیٹے عبد الرحمن کو وصیت فرمائی کہ میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور تم کو اپنے ہی گھر میں اپنی گنجائش و بس ہونی چاہیے، (اپنے گھر میں پڑے رہنا چاہیے) اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اور اپنے گناہوں کو یاد کرکے روتے رہو۔

فرماتے تھے آدمیوں کی مدح وذم کی پروانہ کرو (تم اپنے سے قیاس کرو کہ) ایک شخص آج تم کو اچھا لگتا ہے اور کل وہی برا معلوم ہونے لگتا ہے اور جو آج بُرا معلوم ہوتا ہے وہ کل اچھا دکھائی دینے لگتا ہے۔

فرماتے تھے دو شخصوں کی وضع وقطع اور لباس وپوشاک میں اس وقت تک مشابہت پیدا نہیں ہوتی جب تک دونوں کے دل باہم مشابہ نہیں ہوتے۔

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ دُنیا تو دوست دشمن سب کو دیدیتا ہے، مگر ایمان اسی کو عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے،

فرماتے تھے جس کے سینہ میں قرآن ہو اس کو ایسا ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی رات سے پہچانا جائے جب لوگ سو رہے ہوں، اور اپنے دن سے پہچانا جائے جب لوگ روزہ سے نہ ہوں اور اپنی غمگینی سے پہچانا جائے جب لوگ خوش ہو رہے ہوں اور اپنے گریہ وزاری سے پہچانا جائے جب لوگ ہنس رہے ہوں اور اپنی خاموشی سے جب لوگ بکواس کر رہے ہوں اور اپنی مسکین مزاجی سے جب لوگ اکڑ رہے ہوں۔

فرماتے تھے میں تم میں سے کسی کو ایسا دیکھنا نہیں چاہتا کہ رات کے وقت ایک لاشۂ بے جان ہو اور دن کو قطرب ہو (قطرب وہ کالی بڑی چیونٹیاں ہیں جو دن بھر اپنی بلوں میں دانے لیجاکر اکٹھا کرتی ہیں مگر ان کے کھانے کی نوبت کم ہی آتی ہے۔ (سیر السلف)

آپ کے زریں اقوال اگر نقل کیے جائیں تو ان کے لئے ایک دفتر چاہیئے، اس لئے اسی مختصر پر اکتفا کرتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو حج کیا تھا اسکے علاوہ بھی حج کئے ہیں، صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عثمان کے ساتھ ان کے حج کا واقعہ مذکور ہے، بخاری ہی میں انکے کوفہ سے حج کے لیے آنے کا بھی ذکر ہے، جس میں انکے ساتھ عبدالرحمٰن بن یزید بن قیس بھی تھے (بخاری ص۲۲۷، ص۲۲۳/۱، ص۲۳۵/۱)

عبداللہ بن مسعود کی وفات تقریباً ۶۰ سال کی عمر میں ۳۲ھ میں ہوئی، مدینہ منورہ

میں مدفون ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہٗ عشرہ مبشرہ میں سے اور قدیم الاسلام صحابی ہیں، ہر دو ہجرتوں (ہجرت حبشہ و ہجرت مدینہ) کی سعادت حاصل کی ہے، تمام غزوات میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں رہے ہیں، غزوہ احد کے سخت خطرناک اور نازک موقع پر ایک لمحہ کے لئے جو لوگ آپ سے جدا نہیں ہوئے ان میں حضرت عبدالرحمٰن بھی تھے، انکو یہ سعادت کبریٰ بھی حاصل ہے کہ غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے ایک نماز پڑھی ہے۔

عہد نبوی کے بعد بھی اسلام میں انکے ایسے ایسے اہم کارنامے ہیں جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں اور ان کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی، حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد امت کو اختلاف سے بچا لینا انہیں کا کام تھا، اسکے علاوہ انکی فیاضی و دریادلی، اور اللہ کی راہ میں بے دریغ دولت لٹانے کے ایسے ایسے واقعات ہیں جنکی مثال دوسری قوموں میں مشکل سے مل سکے گی۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک دن میں اپنے گھر میں تھی کہ مجھے ایک شور سنائی دیا جس سے مدینہ گونج گیا تھا، میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن بن عوف کا ایک تجارتی قافلہ ملک شام سے آیا ہے اس میں سات سو اونٹوں پر ہر قسم کا مال تجارت لد کر آیا ہے، یہ سننے کے بعد میں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ "میں نے (آنحضرتؐ نے) عبدالرحمٰن کو گھٹنے گھٹنے کر جنت میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے" شدہ شدہ میری یہ بات عبدالرحمٰن تک پہونچی تو وہ میرے پاس آئے اور جو خبر ان تک پہونچی تھی اسکی تصدیق مجھ سے چاہی، میں نے جو بات حضرت کی زبان مبارک سے سنی تھی کہہ دی جب آنحضرت نے یہ سن کر مجھ سے کہا کہ جہاں تک میرے امکان میں ہوگا

میں کھڑے کھڑے جنت میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا، اور میں آپ لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ یہ سارا مال تجارت اونٹوں اور ان کے سارے ساز و سامان کے ساتھ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے۔

ایک دفعہ انھوں نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار پر بیچ کر سارا مال بنوزہرہ، اور دوسرے مسلمان محتاجوں اور ازواج مطہرات میں تقسیم کر دیا، جب حضرت عائشہ کا حصہ انکی خدمت میں آدمی لے کر پہونچا تو انھوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میرے بعد صالح لوگ تمہارے ساتھ ہمدردی کرینگے، اللہ تعالیٰ ابن عوف کو سلسبیل جنت سے سیراب کرے۔

امام زہری کا بیان ہے کہ حضرت ابن عوف نے عہد نبوی میں اپنی ساری ملکیت کا نصف اللہ کی راہ میں دیا، جو بقدر چار ہزار درہم کے تھا، پھر چالیس ہزار دینار صدقہ کیا، پھر پانچسو گھوڑے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے دیئے، پھر ڈیڑھ ہزار اونٹوں پر مجاہدوں کو فی سبیل اللہ سوار کیا ابن عوف نے تیس ہزار غلام خاندانوں کو آزاد کیا۔

ایک دن وہ روزے سے تھے شام کو انکے سامنے جب کھانا آیا تو فرمانے لگے کہ مصعب بن عمیر مجھ سے بہتر تھے وہ جب شہید ہوئے تو انکے پاس کچھ نہ تھا، ایک ایسی چادر میں وہ کفنائے گئے کہ سر چھپاؤ تو پیر کھلیں، پیر چھپاؤ تو سر کھلے، اور حضرت حمزہ بھی مجھ سے بہتر تھے، انکی شہادت ہوئی تو انکی کفن کیلئے بھی ایک چادر کے سوا دوسرا کوئی کپڑا نہ تھا، اب انکے بعد ہمارے لیے مال و دولت دنیا میں بہت پھیلاؤ عطا کر دیا گیا ہے، ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہماری نیکیوں کا دنیا ہی میں یہ معاوضہ نہ مل رہا ہو، یہ کہکر انھوں نے رونا شروع کیا اور کھانا نہیں کھایا، ایک دفعہ اور انکے سامنے کھانا آیا تو رو کر فرمانے لگے کہ آنحضرتؐ دنیا سے چلے گئے مگر کبھی آپ کو اور آپکے گھر والوں کو جَو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں ملی، اور (اب ہم کو اتنا کچھ کھانے کو مل رہا ہے تو) میں یہ کبھی نہیں سمجھ سکتا کہ ہم جو اس (کھانے پینے کے آرام کی)

حالت کے لئے باقی رکھے گئے تو یہ حالت اس حالت سے ہمارے حق میں اچھی ہوگی۔

مال و دولت کی اس فراوانی کے ساتھ جس طرح فکر آخرت سے وہ ذرہ برابر غافل نہیں تھے، اسی طرح انکے مزاج میں دولت مندی کا پندار بھی قطعاً نہیں تھا، نہ اپنی کوئی امتیازی شان رکھتے تھے، انکا حال یہ تھا کہ اپنے غلاموں کے درمیان ہوں تو کوئی پہچان نہیں سکتا تھا کہ انمیں کون آقا ہے اور کون غلام۔

ابن ابی نجیح کا بیان ہے کہ حضرت عمر اور عبدالرحمن بن عوف طواف کی حالت میں اکثر و بیشتر یہ پڑھتے تھے ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار (کنز العمال ۳۶۲/۶)

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے عہد نبوی کے بعد متعدد حج کئے ہیں، بلکہ حضرت عمر اور حضرت عثمان کے عہد خلافت میں وہی عامل علی الحج (حاکم برائے انتظامات حج) تھے۔

خلافت فاروقی میں حضرت عمر کے ساتھ انکے حج کا ذکر صحیح بخاری ۱۰۰۹/۲ میں ہے، اور صحیح بخاری ہی میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمر نے حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت عثمان کی نگرانی میں ازواج مطہرات کو حج کے لیے روانہ کیا تھا، حضرت عمر کے ساتھ انکے ایک دو حج کا ذکر استیعاب و کنز العمال وغیرہ میں بھی ہے۔

اور حضرت عثمان کے عہد میں بھی انکے حج کا ذکر صراحتہ روایات میں ہے۔

آپنے بہتر سال کی عمر میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

آپ بھی عشرہ مبشرہ میں ہیں، آپ بارگاہ نبوی سے امین ھذہ الامۃ کے لقب سے سرفراز ہوئے ہیں، بدر اور دوسرے غزوات میں شریک ہوئے، دونوں ہجرتوں کی سعادت بھی حاصل کی ہے، آپکی جاں نثاری کا یہ واقعہ یادگار روزگار ہو کر جنگ احد

میں خود (لوہے کی ٹوپی)، کی دو کڑیاں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسارِ مبارک میں چبھ گئی تھیں انکو حضرت ابو عبیدہ نے اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچا، وہ کڑیاں نکل آئیں مگر ان کے آگے کے دو دانت بھی جاتے رہے، ایک بار حضرت عمرؓ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ہر آدمی جو چاہتا ہو اسکی تمنا کرے، سب نے اپنی اپنی تمناؤں کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ میری یہ تمنا ہے کہ ابو عبیدہ جیسے آدمیوں سے یہ گھر بھر جائے، حضرت عمر جب ملک شام پہونچے اور وہاں تمام امرائے لشکر اور سر برآوردہ لوگوں سے ملاقات ہو چکی تو فرمایا کہ میرا بھائی کہاں ہے؟ لوگوں نے پوچھا کون؟ فرمایا ابو عبیدہ! لوگوں نے کہا ابھی آتے ہیں، جب وہ آئے تو حضرت عمرؓ نے سواری سے اتر کر ان سے معانقہ کیا، اور ان کے ساتھ ان کے گھر گئے، وہاں جا کر دیکھا تو گھر میں ان کی تلوار اور ڈھال اور کجاوہ کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کچھ ساز و سامان کیوں نہیں رکھ لیتے ابو عبیدہ نے جواب دیا کہ امیر المومنین اتنے میں بھی خوابگاہ (منزل قبر) تک پہونچ جاؤں گا (زیادہ کی کیا حاجت ہے)۔

نمران ابن مخمر کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت ابو عبیدہ لشکر میں چل رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ بہت سے لوگ اپنے کپڑوں کو تو اجلا بناتے ہیں مگر دین کو میلا کرتے ہیں، اور کتنے ایسے ہیں جو بظاہر اپنے نفس کی عزت و عظمت کی تدبیر کرتے ہیں مگر درحقیقت وہ اپنے نفس کو ذلیل کر رہے ہیں۔

عہد نبوی کے بعد آپ نے خلافت فاروقی میں حضرت عمر و عبد الرحمن بن عوف کے ساتھ حج کیا ہے (استیعاب ص۱)

آپ کی وفات ۵۸ سال کی عمر میں سنہ ۱۸ھ میں بمرض طاعون ہوئی، آپ کا مزار ملک شام میں ہے،

حضرت خوات بن جبیر — آپ کا شمار بدری صحابیوں میں ہے، جب بدر کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے ہیں تو خوات بھی ساتھ

روانہ ہوئے مگر مقام صفرا میں پہونچکر انکی پنڈلی زخمی ہوگئی اسلئے وہاں سے مجبوراً مدینہ واپس ہوگئے، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں انکا حصہ بھی لگایا، خوات کی وفات چورانوے سال کی عمر میں مدینہ میں ہوئی۔ حضرت خوات شعر بھی کہتے تھے، خود انکا بیان ہو کہ ایک دفعہ میں نے حضرت عمر، ابوعبیدہ وابن عوف رضی اللہ عنہم کی رفاقت میں حج کیلئے روانہ ہوا، راستہ میں رفقا نے کہا کہ ضرار کے کچھ اشعار سناؤ، حضرت عمر بولے کہ چھوڑ دو انکو اپنے اشعار سنانے دو، چنانچہ پچھلی رات تک اشعار سناتا رہا، جب سحر ہونے لگی تو حضرت عمر نے فرمایا خوات! اب بس کرو، سحر ہوگئی۔ (استیعاب ص۱۶۱ وغیرہ)

حضرت صہیب بن سنان رومی

اسلام کے سابقین اولین میں سے ہیں، غزوہ بدر اور دوسرے تمام غزوات نبوی میں شریک ہوئے ہیں، عربی النسل ہیں مگر بچپن میں رومی انکو پکڑ لے گئے تھے اسلئے رومی کہے جاتے ہیں، ابتدائے اسلام میں جن صحابہ نے کفار کے ہاتھوں سخت تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کی ہیں ان میں سے ایک آپ بھی ہیں، ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے

وفضائل صہیب وسلمان وبلال وعمار وخباب والمقداد وابی ذر لا یحیط بھا کتاب۔

(حضرت صہیب و سلمان و بلال و عمار و خباب و مقداد و عمار کے فضائل و مناقب کسی کتاب میں نہیں سما سکتے)

حضرت عمر نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ میرے بعد جب تک خلیفہ کا انتخاب نہ ہوجائے اس وقت تک صہیب امامت کریں گے، چنانچہ ان دنوں میں یہی امامت کرتے تھے اور حضرت عمر کی نماز جنازہ بھی انھیں نے پڑھائی تھی۔

حضرت صہیب کے مزاج میں فضل و تقویٰ اور اخلاق حمیدہ کے ساتھ ظرافت بھی تھی، جب وہ خدمت نبوی میں پہونچے ہیں تو اس وقت آپ قبا میں تشریف فرما تھے اور آپکے

سامنے کھجوروں کا ایک طبق رکھا ہوا تھا، صہیب کی آنکھیں آئی ہوئی تھیں، پھر بھی انھوں نے کھجوریں کھانی شروع کردیں تو حضرت نے فرمایا کہ صہیب! آشوب چشم میں کھجوریں کھاتے ہو! انھوں نے عرض کیا کہ حضرت! جدہر کی آنکھ خراب ہے ادہر سے نہیں کھاتا، یہ جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوب ہنسے۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں حضرت عمرؓ کی معیت میں مکہ سے واپس آرہا تھا، مقام بیدا میں پہونچکر حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک قافلہ کیکر کے درخت کے نیچے ٹھہرا ہوا ہے، مجھ سے فرمایا دیکھو کون لوگ ہیں میں نے دیکھ کر بتایا کہ صہیب ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جاؤ انکو بلالاؤ وہ آئے اور مدینہ تک حضرت عمرؓ کی معیت میں سفر کیا۔ اسی بنا پر جب حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور حادثہ کی خبر سن کر صہیب آئے تو واخاہ واصاحباہ (ہائے بھائی ہائے ساتھی) کہہ کر روتے تھے، حضرت صہیب کی وفات ۳۸ھ میں ہوئی، مدینہ میں مدفون ہیں۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

بارگاہ رسالت سے طلحۃ الخیر اور طلحۃ الفیاض اور طلحۃ الجود کے القاب سے نوازے گئے تھے،

قدیم الاسلام صحابی اور عشرہ مبشرہ (ان دس صحابیوں میں سے جنکا نام لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ جنتی ہیں) میں سے ہیں، جنگ احد میں فداکاری جانبازی کا جو نمونہ انھوں نے پیش کیا اس کا اعتراف نبیوں کے بعد سب سے بہتر انسان حضرت صدیق اکبر یوں کرتے تھے کہ جب کبھی اس جنگ کا ذکر آتا تو فرماتے ذالک کلہ یوم طلحۃ (یہ پورا دن طلحہ کا حصہ تھا) اس دن حضرت طلحہ ایک لمحہ کیلئے بھی حضرت سے جدا نہیں ہوئے، آپ پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور حضرت طلحہ تیروں کو اپنے ہاتھ پر روکتے تھے، اس میں انکی دو انگلیاں اسی وقت شل ہوگئیں (بلکہ کام آگئیں) بعد میں پورا ہاتھ انکا شل ہوگیا، اور وہ دنیا کے کسی کام کا نہ رہا، جب حضرت ابوبکر و حضرت ابوعبیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنبھالنے کیلئے لپکے ہوئے آئے تو آپنے ان لوگوں سے اشارہ کیا کہ طلحہ کو سنبھالو، یہ حضرات آپکو دیکھ بھال کر

طلحہ کی طرف بڑھے تو وہ ایک گڈھے میں پڑے ہوئے تھے اور جسم میں تیروں اور بھالوں اور تلواروں کے ستر زخم تھے، آنحضرت نے اسی دن آپ کو طلحۃ الخیر کے لقب سے نوازا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذات العشیرہ میں انکو طلحۃ الفیاض اور جنگ حنین میں طلحۃ الجود کہکر پکارا تھا، انکی فیاضی کا یہ عالم تھا، کہ انھوں نے اپنی ایک زمین حضرت عثمان کے ہاتھ سات لاکھ درہم کو بیچی، اتنی بڑی رقم گھر میں آئی تو کہنے لگے جو آدمی اپنے گھر میں اتنی دولت رات بھر رہنے دے وہ بڑا فریب خوردہ ہے اس کو کیا معلوم کہ رات بھر میں اللہ کا کونسا حکم آجائے گا (مرے گا یا بچے گا)، اس کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ رات بھر انکے آدمی مدینہ کی گلیوں میں آتے جاتے رہے (لوگوں کے گھروں میں تقسیم کرتے رہے) تا آنکہ سحر کے وقت تک انکے پاس ایک درہم بھی باقی نہیں رہا، انکی بی بی سعدی کا بیان ہے کہ ایک دن وہ گھر میں آئے تو انکا چہرہ نہایت غمگین تھا، میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ فرمایا میرے پاس جو مال ہے وہ بہت ہو گیا ہے اسی کیوجہ سے مجھکو بہت اضطراب ہے، میں نے کہا تو اسکی پریشانی کیا ہے اسکو تقسیم کر دیجئے، یہ سنتے ہی انھوں نے کل مال محتاجوں میں بٹوا دیا، ایک درہم بھی باقی نہیں چھوڑا، ان کے خازن کا بیان ہے کہ یہ مال چار لاکھ درہم کا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ احرام کی حالت میں گیرو کا رنگا ہوا کپڑا پہنے ہوئے تھے، حضرت عمر نے دیکھا تو فرمایا کہ یہ رنگا ہوا کپڑا کیسا؟ طلحہ نے کہا امیرالمؤمنین اس میں کچھ حرج نہیں ہے، وہ تو مٹی ہے، حضرت عمر نے فرمایا کہ اے حضرات آپ لوگ (یعنی اکابر صحابہ بالخصوص عشرہ مبشرہ) امام ہیں لوگ آپ ہی کی پیروی کرتے ہیں، کوئی جاہل یہ کپڑا دیکھے گا تو وہ کہے گا کہ حضرت طلحہ احرام کی حالت میں رنگین کپڑا پہنا کرتے تھے، لہٰذا آپ لوگ یہ نہ پہنئے۔ (کنز العمال ص۲۹۰ بحوالہ موطا وغیرہ)

عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی کا بیان ہے کہ ہم لوگ احرام باندھے ہوئے حضرت طلحہ کیساتھ

تھے ایک دن جب وہ سو رہے تھے ایک شخص نے شکار کا گوشت ہم کو ہدیہ کیا، ہم میں سے کسی نے اسکو کھایا اور کسی نے احتیاط کیا، جب حضرت طلحہ جاگے تو انھوں نے کھانے والوں کی موافقت کی۔ (کنز العمال ص ۵۲)

حضرت طلحہ جنگ جمل میں شہید ہوئے، یہ جنگ ۳۶ھ میں ہوئی۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

آپ کا لقب حواری رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے آنحضرت کے پھوپھی زاد بھائی اور قدیم الاسلام صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں انکا چوتھا یا پانچواں نمبر ہے۔ عہد نبوی کے تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں اور خوب داد شجاعت دی ہے، ان لڑائیوں میں انھوں نے جو زخم کھائے تھے انکی وجہ سے انکے جسم میں جگہ جگہ گڈھے پڑے ہوئے تھے، مکہ میں ایک دفعہ شور اٹھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصیب دشمناں قتل کر دیئے گیے، انھوں نے شور سنا تو ننگے بدن ہاتھ میں ننگی تلوار لئے ہوئے تن تنہا نکل پڑے، راستہ میں حضرت سے ملاقات ہوئی آپنے پوچھا کیا بات ہو، انھوں نے بتایا کہ ایسی ایسی خبر سنی تھی آپنے فرمایا کہ تو تم اکیلے کیا کرتے، جواب دیا مکہ والوں سے سمجھ لیتا، حضرت نے انکے حق میں دعا کی، یہ پہلی تلوار تھی جو اللہ کی راہ میں میان سے باہر ہوئی، اور اس اولیت کا شرف حضرت زبیر کو حاصل ہوا۔

غزوۂ خندق کے موقع پر رسد کی نہایت قلت، اور موسم سخت تکلیف دہ اور ہوا بڑی سرد تھی، منہ نکالنا مشکل تھا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے جو بنی قریظہ (دشمنوں) کی خبر جاکر لے آئے، حضرت زبیر فوراً کھڑے ہوگئے اور کہا میں لاؤنگا، اس وقت حضرت نے فرمایا ہر نبی کا ایک حواری (رفیق خاص اور جانباز ہمدم) ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر ہیں، اور اسی موقع پر حضرت نے ان کے حق میں یہ بھی کہا فداک ابی وامی (میرے باپ اور میری ماں تم پر فدا) حضرت زبیر کے پاس ایک ہزار غلام تھے

جو مختلف قسم کے کام کر کے آمدنی پیدا کرتے، مگر انکی آمدنی کا ایک پیسہ بھی زبیر کے خزانہ میں داخل نہیں ہوتا تھا، روز کے روز انکی کل آمدنی خیرات کر دیا کرتے تھے، اسی داد و دہش کا نتیجہ تھا کہ وفات کے وقت بڑی بھاری رقم انکے ذمہ لوگوں کی باقی تھی، اسلئے اپنے بیٹے عبداللہ کو ادائے دین کی وصیت کی اور فرمایا کہ اگر کوئی مشکل پیش آئے اور بات نہ بنے تو میرے آقا سے مدد مانگنا، انکی سمجھ میں نہیں آیا تو پوچھا آپ کا آقا کون ہے؟ فرمایا اللہ، عبداللہ کہتے ہیں کہ جب انکی وفات کے بعد میں نے لوگوں کا باقی ادا کرنا شروع کیا تو بڑی مشکلیں پیش آئیں لیکن جب ایسا وقت آتا تو میں کہتا یا مولی الزبیر اقض عنہ (اے زبیر کے مولی انکا قرض ادا کرائیے) بس مشکل حل ہو جاتی تا آنکہ انکا کل قرض ادا ہو گیا، ادائیگی کی شکل یہ ہوئی تھی کہ لڑائیوں میں مال غنیمت سے جو حصہ انکو ملتا تھا اس سے انھوں نے مختلف شہروں میں مکانات بنوائے تھے یا خریدے تھے، وہی مکانات اتنے اچھے داموں پر خدا نے بکوائے کہ انکا قرض بھی ادا ہو گیا، اور اسکے بعد اتنی کافی رقم بچی کہ انکی چار بیبیاں تھیں ہر ایک کو انکی میراث سے بارہ بارہ ہزار درہم ملے۔

حجۃ الوداع کے علاوہ انکے حج کا ذکر صحیح بخاری میں ہے، ان کے لڑکے عروہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد زبیر کے ساتھ حج کیا ہے، اور عروہ حجۃ الوداع کے وقت بلکہ عہد نبوی میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، حضرت زبیر کی شہادت جنگ جمل (۳۶ھ) میں ہوئی اور حضرت علیؓ نے اسی موقع پر یہ حدیث سنائی کہ زبیر کے قاتل کو جہنم کی "بشارت" سنا دو۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ

آپ بھی عشرہ مبشرہ اور اولین مسلمانوں میں سے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں انکا تیسرا نمبر تھا، خود فرماتے ہیں مسلمان ہونے کے بعد سات دن تک اسلام کا ایک تہائی حصہ میں تھا، آپ پہلے عرب ہیں جس نے اللہ کی راہ میں دشمن پر تیر چلایا،

حضرت کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں اور عہد خلفاء میں انکے زریں کارناموں سے تاریخ کے صفحات معمور ہیں، فاتح ایران کی حیثیت سے انکا نام آج بھی روشن ہے، حافظ ذہبی نے بہت خوب فرمایا ہے:۔

لہ مناقب جمۃ وجہاد عظیم و فتوحات کبار ووقع فی نفوس المومنین (تذکرہ ص۲۱)

ان کے مناقب بے شمار، ان کا جہاد نہایت عظیم، ان کے فتوحات بہت عظیم الشان و اہم ہیں اور مسلمانوں کے قلوب میں انکی بڑی عظمت ہے۔

جنگ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکش الٹ کر ان کے سامنے سارے تیر ڈالدئیے اور فرمایا۔ ارم سعد فداک ابی وامی (سعد! تیر چلاؤ، تم پر میرا باپ اور میری ماں قربان) نیز اسی موقع پر حضرت نے انکے حق میں دعا کی اللھم سدد رمیتہ واجب دعوتہ (خدایا انکا تیر نشانہ پر بٹھا، اور انکی دعا کو مقبول بنا) اسی دعا کا اثر تھا کہ انکی دعا کی مقبولیت میں تخلف نہیں ہوتا تھا، ایک موقع پر حضرت نے انکی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ میرے ماموں ہیں، کوئی اپنا (ایسا) ماموں میرے سامنے لائے، ایک دفعہ عبداللہ بن عمر نے ایک مسئلہ پوچھنے کے بعد اپنے والد حضرت عمر سے اسی مسئلہ کو پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ جب سعد کوئی حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کریں تو پھر کسی دوسرے سے اسکو معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

آپ بھی مسلمانوں کے اختلاف کے وقت کسی فریق کے ساتھ نہیں تھے، اور ان کی یہ روش ایسی پسندیدہ روش تھی کہ حضرت علیؓ بھی اس پر بعد میں رشک کرتے تھے، فرماتے کہ اگر بالفرض یہ کنارہ کشی گناہ بھی ہو تو معمولی گناہ ہے، لیکن اگر وہ نیکی ہے تو بہت بڑی نیکی ہے۔

حضرت سعد کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو انھوں نے صوف کا ایک پرانا جبہ منگوا کر کہا کہ مجھ کو اسی کا کفن دینا، میں نے جنگ بدر میں اسی کو پہنکر خدا کی راہ میں جہاد

کیا ہے اور اسی دن کے لئے اس کو چھپا رکھا تھا، عبد اللہ بن ابی سلمہ راوی ہیں کہ حضرت سعد نے حج کے موقع پر ایک شخص کو لبیک ذا المعارج کہتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ خدا بے شک ذو المعارج ہے لیکن ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرتے تھے تو یوں نہیں کہتے تھے (مجمع الزوائد ج۳ بحوالہ مسند احمد وغیرہ)

۵۵ھ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نہایت جلیل القدر صحابی ہیں، کتاب اللہ کے نہایت خوش آواز قاری، فقیہ اور بہت بڑے عالم تھے، ذہبی نے لکھا ہے۔

الیہ المنتہیٰ فی حسن الصوت بالقرآن روی علما طیبا مبارکا

(قرات قرآن میں خوش آوازی ان پر ختم تھی اور انھوں نے بابرکت اور پاکیزہ علم کی اشاعت کی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کے ساتھ ان کو بھی یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا، اور حکم دیا تھا کہ وہاں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں انکو کوفہ و بصرہ کا حاکم مقرر کیا، بصرہ والوں کو انھیں نے قرآن پاک پڑھایا اور فقہ کی تعلیم دی ایکدفعہ وہ نماز میں قرآن کی تلاوت کر رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر سنا اور صبح کو فرمایا کہ ہم نے رات تمھاری قرات سنی، تم کو آل داؤد کی خوش آوازی عطا کی گئی ہے۔

حضرت عمرؓ بھی ان سے قرآن پڑھوا کر سنتے تھے، فرماتے تھے ذکرنا ربنا تعالیٰ (ہم کو خدا کی یاد دلاؤ) اسکے بعد حضرت ابو موسیٰ قرآن سناتے تھے، ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ جب حضرت ابو موسیٰ نماز میں قرآن پڑھنا شروع کرتے تو ہماری آرزو یہ ہوتی تھی کہ کاش سورۂ بقرہ (یعنی خوب لمبی سورت) پڑھیں، انکے علم و فضل کا اعتراف حضرت علیؓ بھی فرماتے تھے

اسود جو اکابر تابعین میں سے ہیں، کہتے تھے کہ میں نے کوفہ میں حضرت علی وابوموسیٰ سے زیادہ علم والا نہیں دیکھا، (یعنی باستثنائے حضرت ابن مسعود) شعبی کہتے تھے کہ صحابہ میں چھ حضرات سے علم حاصل کیا جاتا تھا (یعنی انکے وفور علم واتفاق پر مزید اطمینان تھا) حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابی، حضرت ابن مسعود، حضرت زید اور حضرت ابوموسیٰ اور فرماتے تھے اس امت میں (اعلیٰ درجے کے) قاضی چار ہیں، حضرت عمر حضرت علی حضرت زید و حضرت ابوموسیٰ۔ صفوان بن سلیم کا بیان ہے کہ عہد نبوی میں چار شخص فتویٰ دیتے تھے، حضرت عمر، حضرت علی حضرت معاذ اور حضرت ابوموسیٰ۔

آپ نہایت عبادت گذار، روزہ دار، اور کثرت سے نوافل پڑھنے والے تھے، روزہ پر مداومت کی وجہ سے تنکے کی طرح ہو گئے تھے مگر جب کہا جاتا کہ ذرا استراحت کیجئے اور کچھ دنوں تک کھا پی لیجئے پھر روزہ رکھئے، تو فرماتے کہ ہیہات! مقابلہ کے دن دبلے پتلے گھوڑے ہی آگے نکلتے ہیں اور وہی سبقت لیجاتے ہیں۔

ایک بار انھوں نے ان سب لوگوں کو جمع کیا جو قرآن پڑھ چکے تھے، تو تین سو آدمی اکٹھا ہوئے، ان کے مجمع میں آپ نے قرآن کی عظمت بیان کی اور فرمایا کہ یہی قرآن تمھارے لئے موجب اجر بھی بن سکتا ہے اور یہی تمھارے اوپر بوجھ بھی ہو سکتا ہے، لہٰذا تم قرآن کی پیروی کرو اور اس کے پیچھے چلو، ایسا نہ ہو کہ قرآن تمھارا پیچھا کرے جو قرآن کے پیچھے چلے گا قرآن اسکو جنت کے باغوں میں لیجا کر اتارے گا، اور جس کا وہ پیچھا کرے گا اسکو جہنم ہی میں گرا کر چھوڑے گا۔

ایک بار خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ نیک ہم نشین تنہائی سے بہتر ہے لیکن برے ہم نشین سے تنہائی بہتر ہے، نیک ہم صحبت کی مثال عطر فروش کی ہے اس کے ساتھ رہنے میں عطر نہ ملے تو خوشبو سے دماغ معطر ہی ہوا کرے گا، اور برے ساتھی کی مثال بھٹی والے کی ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے میں تمھارا کپڑا نہ جلے تو بھی دھواں دھکڑ سے تو بچ

ہی نہیں سکتے۔

خلافت فاروقی میں حج کے موقع پر تمتع کے باب میں حضرت عمر و حضرت ابو موسیٰ کا ایک مکالمہ صحیحین میں مذکور ہے، اور نسائی کی روایت بہت صریح ہے کہ یہ گفتگو موسم حج میں ہوئی حضرت ابو موسیٰ کی وفات ۵۰ھ یا ۵۲ھ میں ہوئی۔

حضرت عمران بن حصین خزاعی رضی اللہ عنہ حضرت عمر نے انکو بصرہ کا قاضی بنا کر بھیجا تھا اور اہل بصرہ کو فقہ کی تعلیم دینے کی ذمہ داری بھی انہیں کو سونپی تھی، حسن بصری کا قول ہے کہ ہمارے لئے حضرت عمران سے بہتر کوئی صحابی بصرہ میں نہیں آیا، ذہبی نے لکھا ہے کہ کان من الباء الصحابۃ و فضلائھم (بہت زیرک و عاقل اور فاضل صحابی تھے) فرشتے انکو سلام کیا کرتے تھے۔

حضرت عمر کے زمانہ میں ایک دفعہ آپ بصرہ سے احرام باندھ کر حج کے لئے آئے تو حضرت عمر نے اس کو پسند نہیں کیا (کنز العمال ص ۳) اور فرمایا لوگ چرچا کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے دور دراز کے ایک شہر سے احرام باندھا ہو (مجمع ص ۳)

حضرت عمران کی وفات ۵۳ھ سے پہلے ہوئی۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیعت عقبہ اور جنگ بدر میں شریک ہوئے ہیں اصحاب میں نہایت زبردست عالم تھے، اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہو کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علم و فضل کو یوں سراہا ہے اعلم امتی بالحلال والحرام معاذ بن جبل (میری امت میں حلال و حرام کا سب سے زیادہ واقف کار معاذ ہے) عمر صحابہ انکی مجلس میں بیٹھتے اور استفادہ کرتے کسی بات میں اختلاف واقع ہوتا تو وہ حضرت انکی طرف رجوع کرتے، ابو بحریہ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ جب بات کرتے تھے تو ان کے منہ سے موتی جھڑتے تھے اور نور برستا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہل یمن کا حاکم بنا کر روانہ کیا ہے تو انکو سوار

کرکے خود پیدل کچھ دور تک انکو پہونچانے گئے ہیں، جب واپسی کا ارادہ کیا تو فرمایا کہ معاذ ممکن ہے اس سال کے بعد تم مجھے نہ پاؤ اور اب شائد تمھارا گذر میری مسجد اور میری قبر پر ہو، یہ سن کر حضرت معاذ جدائی کے تصور سے رونے لگے، تو حضرت نے مدینہ کی طرف منہ کرکے فرمایا کہ سب سے زیادہ مجھ سے قریب متقی لوگ ہیں، چاہے جو ہوں اور جہاں ہوں ____

صحابہ کرام جب آپس میں گفتگو کرتے تھے تو بار بار حضرت معاذ کی طرف انکی ہیبت اور علمی رعب کی وجہ سے دیکھا کرتے تھے۔

اعلیٰ درجہ کے زاہد اور تارک الدنیا تھے، ایک بار حضرت عمر نے چار سو دینار کی ایک تھیلی انکے پاس بھیجی اور آدمی سے کہدیا کہ اسکو انکے گھر میں ڈال دینا اور دیکھنا کہ کیا کرتے ہیں، آدمی نے جب اس حکم کی تعمیل کی تو اس نے دیکھا کہ انھوں نے فوراً اپنی لونڈی کو ہدایت کرنا شروع کی کہ اتنا فلاں کو دے آیا، اور اتنا فلاں کو، اندر سے بی بی صاحبہ نے آواز دی کہ بخدا ہم بھی تو مسکین ہیں، اس وقت دو دینار باقی رہ گئے تھے، حضرت معاذ نے وہی دونوں انکی طرف پھینک دیئے۔ انکی احتیاط کا یہ حال تھا کہ انکے دو بیبیاں تھیں ایک کی باری میں دوسری بی بی کے یہاں نہ وضو کرتے تھے نہ پانی پیتے تھے کہ کہیں یہ بھی عدل کے خلاف نہ ہو۔

تہجد کے وقت یہ دُعا کیا کرتے تھے:-

اللهم قد نامت العيون وغارت النجوم و انت حی قيوم اللهم طلبی للجنة بطیٔ وهربی من النار ضعيف اللهم اجعل لی عندك هدی تردّه الیٰ يوم القيامة انك لا تخلف الميعاد

اے اللہ آنکھیں سوگئیں اور تارے ڈوب گئے اور تو زندہ و برقرار ہے،

اے اللہ میرے طلب جنت کی رفتار سست ہو اور جہنم سے بھاگنا بھی میرا
پوری قوت لگا کر نہیں ہے، اے اللہ تو میرے لئے اپنے پاس راہ یابی و
ہدایت رکھ چھوڑ جس کو میری طرف قیامت کے دن لوٹا دے، بیشک
تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

ایک شخص نے ان سے کہا مجھ کو کچھ بتائیے، فرمایا تم میری بات مانوگے؟ اس نے کہا میں آپ
کی بات ماننے کا بڑا حریص ہوں، فرمایا روزہ رکھو، اور افطار کرو، نماز پڑھو اور سوؤ، کماؤ
اور گناہ نہ کرو، اور مرو تو مسلمان مرو، اور مظلوم کی بددعا سے بچو۔

اپنے بیٹے سے فرماتے تھے کہ بیٹے نماز پڑھو تو یہ سمجھ کر پڑھو کہ یہ آخری نماز ہے اسکے
بعد پھر موقع نہ ملے گا، ایک آدمی سفر پر جا رہا تھا وہ انکو سلام کرنے اور رخصت ہونے آیا
تو انھوں نے فرمایا کہ میں تم کو دو وصیتیں کرتا ہوں انکو یاد رکھو گے تو تم محفوظ رہو گے سنو دنیا
کے حصہ سے تم کو بے نیازی تو نہیں ہو سکتی لیکن تم آخرت کے حصہ کے بہت زیادہ محتاج ہو
لہذا آخرت کے حصہ کو دنیا کے حصہ پر ترجیح دو، فرماتے تھے تکلیف و مصیبت کی آزمائش
میں تو تم نے صبر کر لیا، لیکن اب خوشی اور آسائش دے کر تمہاری آزمائش ہوگی، اور میرے
نزدیک سب سے خوفناک فتنہ عورتوں کا ہے جب وہ سونے کے کنگن اور شام و یمن کے بہترین
کپڑے پہننے لگیں گی اور مالداروں کو بھی مشقت میں ڈال دیں گی اور ناداروں سے اس
چیز کی فرمائش کریں گی جو وہ بیچارہ پا نہیں سکتا۔

وفات کے وقت انھوں نے یہ کلمات کہے اے اللہ اس لمحہ سے پیشتر میں تجھ سے خائف
تھا مگر اسوقت پر امید ہوں، خدایا تو جانتا ہے کہ میں دنیا میں جینے اور زیادہ رہنے کا اس لئے
طلبگار نہیں تھا کہ نہریں کھودوں گا اور پودے لگاؤں گا بلکہ دنیا میں اسلئے جینا چاہتا
تھا کہ دوپہر کی پیاس (جہاد کے میدان یا روزہ کی حالت میں) اور رات کی گھڑیوں میں جاگنے
کی مشقت برداشت کروں اور ذکر کے حلقوں میں علماء کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھوں

میں طاعون کی بڑی سخت وبا آئی تھی اس کا نام طاعون عمواس ہے، اسی میں آپ کی وفات ہوئی، اس وقت آپ کی عمر صرف ۳۸ یا ۳۳ سال کی تھی۔

عبداللہ بن عمار کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاذ اور کعب الاحبار کی معیت میں ہمارا ایک قافلہ بیت المقدس سے عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہوا راستہ میں ایک جگہ ٹڈیوں کا ایک دل نظر آیا، کعب نے بھول کر دو ٹڈیاں پکڑ لیں اس کے بعد احرام یاد آیا تو انھوں نے انکو پھینک دیا، جب مدینہ پہونچے تو کعب نے ٹڈیوں کا قصہ حضرت عمر سے بیان کرکے حکم پوچھا حضرت عمر نے فرمایا حمیری لوگوں کو ٹڈیاں بہت پسند ہیں، پھر پوچھا تم نے ان کی قیمت کا اندازہ اپنے دل میں کیا لگایا؟ کہا دو درہم، فرمایا دو درہم سو ٹڈیوں سے بہتر ہیں جاؤ تم نے اپنے جی میں جو طے کیا ہے اسکو کر ڈالو۔ (یعنی دو درہم خیرات کر دو) (کنز العمال ص۵ ج۳)

حضرت ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ

نہایت جلیل القدر صحابی اور امت محمدیہ میں سب سے بڑھ کر قاری قرآن تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقرأهم ابیّ بن کعب (امت میں سب سے بڑھکر قاری ابیّ ہیں) ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابیّ سے کہا کہ اللہ تعالے نے مجھے حکم دیا ہے کہ سورۂ لم یکن پڑھ کر تم کو سناؤں، ابیّ نے پوچھا کیا اللہ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، ابیّ یہ سنکر (خوشی سے) رونے لگے حضرت عمر فرماتے تھے ابیّ سیّد المسلمین (ابیّ مسلمانوں کے سردار ہیں) مسروق کہتے تھے کہ صحابہ میں چھ شخص اصحاب القضا، (قاضی و مفتی) تھے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابیّ، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو موسی اشعری۔

حضرت ابیّ سب سے پہلے کاتب وحی ہیں، بیعت عقبہ اور جنگ بدر میں شریک ہوئے ہیں۔ کنز العمال میں ہے کہ ایک اعرابی (بدو) حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور کہا میں نے احرام کی حالت میں فلاں جانور کا شکار کر لیا ہے، مجھ کو کیا جزاء دینی پڑے گی، اس وقت

انکے پاس ابی بیٹھے ہوئے تھے انکی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس مسئلہ میں تمہاری کیا رائے ہے، اعرابی نے کہا میں تو آپ کو جانشین رسول جان کر آپکے پاس آیا ہوں اور آپ دوسروں سے پوچھ رہے ہیں، حضرت ابوبکر نے فرمایا اس میں اعتراض کی کیا بات ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یحکم به ذوا عدل منکم (شکار کی جزاء کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں) اسلئے میں نے اپنے ساتھی سے مشورہ لیا جب ہم کسی بات پر متفق ہو جائیں گے تو تم کو حکم دیدیں گے، (ص ۱۵) حضرت ابی کی وفات سنہ ۳۰ھ میں ہوئی۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ

قدیم الاسلام اور سابقین صحابہ میں سے ہیں، مکہ میں جن لوگوں نے سب سے پہلے اسلام کا اعلان کیا انمیں سے ایک آپ بھی ہیں، بدر و احد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں، آپکے فضائل و مناقب بہت ہیں، صحابہ میں حضرت علی و ابن عباس وغیرہما نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، حضرت عثمان کے عہد خلافت میں حضرت عثمان و حضرت علی کی رفاقت میں انکے ایک حج کا ذکر کنز العمال ص ۳۳ میں ہے، آپ کی وفات بھی اس عہد میں ہوئی۔

حضرت ابو ایوب انصاری

بیعت عقبہ اور بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے جب مدینہ تشریف لائے ہیں تو پہلے آپ ہی کے مکان میں قیام پذیر ہوئے ہیں، ابتداءً نیچے کی منزل میں آپنے قیام کیا تھا اوپر ابو ایوب رہتے تھے ایک دن کسی طرح اوپر پانی گر گیا تو ابو ایوب نے اسکو اوڑھنے والے کپڑوں میں جذب کیا کہ کہیں نیچے نہ ٹپکے اور آپ کو تکلیف نہو، پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت یہ اچھا نہیں لگتا کہ ہم اوپر رہیں، آپ اوپر تشریف لے چلیں، حضرت راضی ہو گئے اور اپنا سامان اوپر منتقل کرالیا۔

حضرت معاویہ نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے لیے جو لشکر روانہ کیا تھا اس میں آپ بھی تھے سنہ ۵۲ھ میں وہیں آپ کی وفات ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے، عیسائی قحط کے وقت

آپ کے مزار کی طرف رجوع کرتے تھے، اسکی برکت سے بارش ہوجاتی تھی، آج بھی آپکا مزار معروف ہے اور اس سے برکت حاصل کیجاتی ہے۔

سلیمان بن یسار کا بیان ہے کہ حضرت ابوایوب حج کیلئے روانہ ہوئے جب بادیہ میں پہونچے تو انکی سواریاں (کہیں چل دیں یا) گم ہوگئیں اسلئے وہ وقت پر نہ پہنچ سکے اور انکا حج فوت ہوگیا، جب دسویں تاریخ کو حضرت عمر سے انکی ملاقات ہوئی اور انھوں نے یہ قصہ بیان کیا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ عمرہ کرکے احرام سے باہر ہو جاؤ، پھر آیندہ سال حج کرنا۔

(کنز العمال ص۵۳)

حضرت عبداللہ بن عمر

طبقۂ صحابہ میں علم وعمل کے امام ومقتدا اور بقول ابن الحنفیہ حبر الامۃ تھے، افعال وآثار نبوی کے اتباع اور پیروی سنت کا انکو اہتمام بلیغ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن وعادات سے انکو جس درجہ کا عشق تھا اسکی نظیر شاید نہ مل سکے، دوسروں کو جانے دیجئے خود حضرات صحابہ کو اس کا اعتراف تھا، حضرت عائشہ فرماتی تھیں ما رأیت احدا الزم الامر الاول من ابن عمر پہلی باتوں (عہد نبوی کے طور، طریقہ) پر مضبوطی سے قائم رہنے والا ابن عمر سے زیادہ میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا حضرت عائشہ کے اس قول میں امر اول سے جس طرح ابن عمر کی بے نفسی، زہد فی الدنیا اور طلب آخرت مراد ہے اسی طرح شدت اتباع سنت بھی مراد ہے۔

صحابہ میں انکا یہ پایہ تھا کہ تحکیم کے موقع پر حضرت علی اور حضرت سعد وغیرہما کے ہوتے ہوئے خلافت کے لئے یہی سزاوار مانے گئے تھے اور لوگوں نے انکے ہاتھ پر بیعت کرنے کی درخواست کی مگر انھوں نے یہ کہکر انکار کردیا کہ میں مسلمانوں میں ذرا سی خونریزی کا سبب بھی نہیں بن سکتا۔

مسلمانوں میں جو جھگڑے ہوئے ان سے بالکل کنارہ کش رہے، سفیان ثوری کا یہ قول نہایت پسند کیا گیا ہے کہ جب مسلمان متفق ہوں تو حضرت عمر کی سنت وروش قابل اقتدا ہے اور جب آپس میں اختلاف ہوجائے تو ابن عمر کی روش اختیار کرنی چاہیے، امام مالک اپنے

مشائخ کا قول نقل کرتے ہیں کہ جس نے ابن عمر کے اقوال کی پیروی کی اس نے دین کی باتی پیروی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، علم و فضل میں امامت کے درجہ پر فائز ہونے کے باوجود کسی سوال کا جواب بغیر سوچے اور غور کئے ہوئے نہیں دیتے تھے ایک دفعہ کسی نے ایک مسئلہ پوچھا انھوں نے سر جھکا لیا اور جواب نہیں دیا اس نے سمجھا سنا نہیں تو بولا شاید آپنے میرا سوال نہیں سنا، آپنے فرمایا سنا کیوں نہیں، لیکن تم لوگ شاید یہ سمجھتے ہو کہ تم جو ہم سے پوچھتے ہو اس کی بابت خدا کے یہاں ہم سے باز پرس نہو گی ہم کو مہلت دو ہم تمھارے سوال پر غور کریں کوئی جواب ہمارے پاس ہوگا تو بتائیں گے ورنہ صاف کہدیں گے کہ ہم کو اس کا علم نہیں ہے۔

سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اکثر سوالوں کے جواب میں بے جھجک یہ کہدیتے تھے کہ میں نہیں جانتا۔ ابو مجلز کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ ابن عمر سے مسائل پوچھ رہے ہیں اور وہ فرما رہے ہیں کہ ہمارے پاس سے جاؤ بھی، ہٹو بھی، میں اپنے سے بہت بڑے بڑے نفیسوں کی صحبت میں رہا ہوں، (انکو دیکھ کر یہ خیال نہیں ہوتا تھا کہ مجھ کو بھی مسائل بتانے پڑینگے) میں اگر جانتا کہ اس وقت تک زندہ رہوں گا جب لوگ میرے محتاج ہونگے تو میں تمھارے لئے ان سے سیکھ لئے ہوتا، سچ کہا ہے ؎

بزرگاں نہ کردند بر خود نگاہ — خدا بینی از خویشتن بیں مخواہ
بزرگی بناموس و گفتار نیست — بلندی بدعوی و پندار نیست

(سعدی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار تھے، ممکن نہیں تھا کہ آپ کا ذکر آئے اور انکی آنکھیں نم نہو جائیں، حضرت کی اقامت گاہ کی طرف سے گذرتے تھے تو دل بے چین ہو جاتا تھا، آنکھیں بند کر لیتے تھے۔

اپنی چیزوں میں جو چیز انکو زیادہ مرغوب و محبوب ہوتی اسکو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیتے تھے انکی لونڈی رمیثہ انکو بہت محبوب تھی ایک دفعہ یہ آیت ذہن میں آ گئی۔

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔

(جو چیزیں تم کو محبوب ہیں جب تک انکو خرچ نہ کروگے تب تک نیکی میں
کمال حاصل نہ کرسکوگے)

بس فوراً ہی اس لونڈی کو اللہ کے لئے آزاد کر دیا، اس بات کو ان کے غلام سمجھ گیے تھے اسلیئے جس کا آزاد ہونے کو جی چاہتا تھا وہ بڑی پابندی سے مسجد کی حاضری اور اس میں دیر دیر تک رہنا شروع کر دیتا حضرت ابن عمرؓ اسکی یہ حالت دیکھ کر آزاد کر دیتے، لوگوں نے جب کہا کہ یہ دھوکا دینے کے لیئے ایسا کرتے ہیں تو فرمایا کہ جو اللہ کے واسطے سے ہم کو دھوکا دیگا ہم اس سے دھوکا کھانے کو تیار ہیں۔

ایک دفعہ جحفہ میں بیمار پڑگئے، اس حالت میں انکو مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی بڑی تلاش سے کسی طرح ایک مچھلی دستیاب ہوئی انکی بی بی نے اسکو جب پکا کر سامنے رکھا تو دروازہ پر ایک مسکین نے صدا دی، ابن عمرؓ نے کل کی کل اٹھا کر مسکین کو دیدی، بی بی نے کہا سبحان اللہ کتنی مشقت سے یہ حاصل ہوئی تھی، ہمارے ساتھ توتوشہ موجود ہے فرماتے تو اس میں سے جو کہتے دیدیتے فرمایا عبد اللہ کو یہ مچھلی ہی مرغوب و محبوب تھی۔

جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ کتنی دفعہ ایک ایک مجلس میں انھوں نے تیس تیس ہزار درہم اللہ کی راہ میں دے ڈالے، ایک مرتبہ بائیس ہزار دینار کسی نے انکی خدمت میں بھیجے اسی مجلس میں بیٹھے بیٹھے انھوں نے کل تقسیم کر دیا۔

ایک دفعہ اور ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور اس دن کل تقسیم ہو جانے کے بعد بھی کچھ مسکین آئے تو کسی سے قرض لے کر انکو دیا۔

حضرت معاویہ نے ایک سال ایک لاکھ درہم انکی خدمت میں بھیجے، سال پورا ہونے سے پہلے ہی انھوں نے کل خرچ کر دیا۔

ان کے غلام نافع (حدیث کے حافظ اور ان کے علم کے وارث) کی قیمت ابن عامر

نے تیس ہزار درہم لگائی اور کہا دیدیجئے، انھوں نے نافع سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ نافع! میں دیکھتا ہوں کہ ابن عامر کے درہم مجھ کو مفتون کرلیں گے، جا تو خدا کے لیے آزاد ہے، نافع کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر ایک ہزار غلاموں سے زیادہ آزاد کرکے دنیا سے رخصت ہوئے

انکا معمول تھا کہ جب تک ان کے دسترخوان پر کوئی یتیم موجود نہ ہوتا کھانا نہیں کھاتے تھے، کھانا بہت کم کھاتے تھے، اسلئے بہت کمزور، اور دبلے ہوگئے تھے تو لوگوں نے انکی بی بی سے کہا کہ حضرت ابن عمر کو کچھ اچھی اور زیادہ غذا دینی چاہیئے انھوں نے کہا ہمارے بس کی بات نہیں ہے ہم نے تو یہاں تک کیا کہ جن لوگوں کو وہ کھلانا چاہتے تھے ان کے گھر کھانا بھجوادیا اور چاہا کہ دسترخوان پر اکیلے بیٹھ کر کھائیں تو اس دن انھوں نے کھانا ہی نہیں کھایا، انکا ایک غلام عراق سے مدینہ آیا جب سلام کے لئے انکی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے کہا کہ میں آپکے لئے ایک ہدیہ لایا ہوں پوچھا کیا ہے اس نے کہا جوارش، فرمایا جوارش کیا چیز ہوتی ہے؟ اس نے کہا دوا ہے، کھانا ہضم کرتی ہے، فرمایا میں نے تو چالیس برس سے پیٹ بھر کھانا ہی نہیں کھایا ہے، مجھ کو جوارش کی کیا ضرورت؟

رات کو چار یا پانچ دفعہ اٹھ اٹھ کر نوافل پڑھتے، ایک دفعہ ویل للمطففین پڑھنا شروع کیا جب یوم یقوم الناس لرب العالمین پر پہونچے تو اس شدت سے گریہ طاری ہوا کہ آگے پڑھنا ناممکن ہوگیا۔

آپ کو حج سے بھی بڑا شغف تھا، حافظ ابو القاسم تیمی نے سیر السلف میں لکھا ہو کہ کان لا یفوت الحج فی کل عام یعنی کسی سال ان سے حج فوت نہیں ہوتا تھا، جمع الزوائد میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عمر ایک بڈھی اونٹنی پر جس کی قیمت دس درہم بھی نہ ہوگی، سوار ہوکر حج کے لئے چلے جارہے تھے راستہ میں کسی نے ان سے کہا کہ ایسی اونٹنی پر آپ حج کے لئے جارہے ہیں؟ کہا ہاں اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ کوئی بڈھی منڈہی اونٹنی بھی جس کی

قیمت صرف دس درہم ہو لجائے تو حج کرنا نہ چھوڑ و، بخدا اس وقت میرے پاس دوسری کوئی سواری نہیں تھی اور میں حج چھوڑ نہیں سکتا تھا اس لئے اسی پر نکل پڑا ہوں) (ص ۲۰۶/۳)

۷۳ھ میں جب انھوں نے حج کا ارادہ کیا تو لڑکوں نے درخواست کی کہ اس سال یہ ارادہ ملتوی فرمایئے، اس سال حجاج حضرت عبداللہ بن الزبیر سے لڑنے کو مکہ آرہا ہے اور لڑائی ہو کر رہے گی اور ہمارا خیال ہے کہ آپ بیت اللہ کی زیارت سے روک دیئے جائیں گے، مگر آپنے اس پر کچھ دھیان نہیں دیا اور حج کے لئے گئے[1]۔ ایسا ہی قصہ ۶۴ھ میں بھی پیش آیا تھا اس وقت بھی آپ اپنے ارادہ سے باز نہ آئے جیسا کہ صحیح بخاری کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ وہ ماُول نہو۔

واقعہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر کوہ صفا پر یہ دُعا کرتے تھے

اللھم اعصمنی بدینك وطواعیتك وطواعیة رسولك، اللھم جنبنی حدودك، اللھم اجعلنی ممن یحبك ویحب ملائکتك ویحب رسلك ویحب عبادك الصّالحین، اللھم حببنی الیك والی ملائکتك والی رسلك والی عبادك الصّالحین، اللھم یسرنی للیسری وجنبنی العسری واغفرلی فی الآخرۃ والاولی واجعلنی من ائمۃ المتقین، اللھم انك قلت ادعونی استجب لکم وانك لاتخلف المیعاد اللھم اذھدیتنی للاسلام فلا تنزعنی منہ

[1] بخاری مع فتح الباری ص ۲۵۷ ج ۳

ولا تنزعه منی حتی تقبضنی و انا علیہ ۔

وکان یدعو بھذا الدعاء مع دعاء لہ طویل علی الصفا والمروۃ وبعرفات وبجمع وبین الجمرتین وفی الطواف ۔

(ترجمہ) اے اللہ مجھے اپنے دین اور اپنی طاعت اور اپنے رسول کی اطاعت کی بدولت بچالے ، اے اللہ مجھے ممنوعات ومحرمات سے دور رکھ اے اللہ مجھے تو اپنی ، اپنے فرشتوں کی ، اپنے رسولوں کی اور اپنے نیک بندوں کی محبت دے ، اے اللہ تو مجھے اپنا ، اپنے ملائکہ کا ، اپنے رسولوں کا اور اپنے نیک بندوں کا چہیتا بنادے

اور مجھے بخشدے دنیا میں بھی آخرت میں بھی ، اور تو مجھے متقیوں کے سرداروں میں سے ایک بنادے ، اے اللہ تونے فرمایا ہے کہ مجھ سے دعا کرو ، میں قبول کروں گا اور تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ، اے اللہ جب تونے مجھے اسلام کی طرف رہنمائی کی ہے تو مجھ کو اس سے نہ کھینچ ، اور نہ اسکو مجھ سے سلب کر یہاں تک کہ تو میری روح قبض کرے تو میں اسپر قائم رہوں ۔

ان کا معمول تھا کہ اس دعا کے ساتھ ایک اور لمبی دعا صفا مروہ عرفات ، مزدلفہ ، پہلے اور دوسرے جمرہ کے درمیان اور اثناء طواف میں پڑھا کرتے تھے ۔

۲۔ حضرت ابن عمر تا حد امکان حجر اسود کا بوسہ لینے کی کوشش کرتے تھے (اور اس کوشش میں دوسروں کو اذیت تو نہ پہنچاتے مگر) بسا اوقات خود انکی نکسیر ٹوٹ جاتی تھی اسکے بعد وہ خون کو دھویا کرتے تھے ۔ (حلیۃ الاولیاء)

۳۔ مکہ و مدینہ کے راستہ میں اپنی اونٹنی کا سر پکڑ کر موڑتے اور کہتے کہ شاید میری اونٹنی کا پیر کہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے پیر کی جگہ پڑ جائے۔

۴۔ حضرت عروہ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر اور میں دونوں طواف کر رہے تھے اسی اثنا میں موقع پاکر میں نے یہ درخواست کر دی کہ مجھے اپنی دامادی میں قبول فرمالیجیے، آپ خاموش رہے اور جواب میں ایک لفظ بھی نہ بولے، میں نے دل میں کہا کہ اگر منظور ہوتا تو کچھ جواب دیتے، لہذا اب بخدا اس معاملہ میں ان سے ایک لفظ بھی دہرا کر نہ کہوں گا۔ پھر اتفاق سے وہ مجھ سے پہلے مدینہ طیبہ لوٹے ان کے بعد جب میں واپس ہوا تو مسجد نبوی میں داخل ہوا، وہاں حضرت ابن عمر موجود تھے، لہذا انکی خدمت میں حاضری دی سلام کیا، اور انکے تمام حقوق جن کے وہ مستحق تھے ادا کئے، وہ بھی بہت تپاک سے ملے، مجھ کو مرحبا کہا، اور پوچھا کب آئے؟ میں نے عرض کیا ابھی چلا ہی آرہا ہوں پھر فرمایا کہ میری لڑکی کا تم نے ذکر اس وقت کیا جب ہم طواف کر رہے تھے اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ خدا ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، حالانکہ تمھارے لئے یہ ممکن تھا کہ وہاں کے علاوہ دوسری جگہ مجھ سے ملتے، میں نے کہا ہاں وہ ایک امر مقدر تھا پھر فرمایا کہ تو اب تمھاری رائے کیا ہے؟ میں نے کہا اس درخواست کی منظوری کا زیادہ سے زیادہ جتنا حریص ہو سکتا ہوں اتنا حریص ہوں، میرا جواب سننے کے بعد آپ نے حضرت سالم، و حضرت عبداللہ دونوں صاحبزادوں کو بلایا اور اپنی صاحبزادی سودہ سے میرا عقد کر دیا۔

۵۔ نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کعبہ کے اندر داخل ہوئے تو میں نے سجدہ کی حالت میں انکو یہ کہتے سنا کہ خداوندا! تو جانتا ہے کہ خلافت و امارت کے لئے قریش کی مزاحمت (یعنی امیدواری حکومت میں انکا مقابلہ) کرنے سے جو چیز میرے لئے مانع ہے وہ صرف تیرا ڈر ہے۔ (صفۃ الصفوۃ)

۹۔ ایک بار حضرت ابن عمر مکہ سے واپس ہونے لگے تو ابن صفوان نے ایک دسترخوان جس میں میدہ کی چپاتیاں، فالودہ اور حیس تھا، تیار کر کے انکے پاس بھیجا جب دسترخوان ان کے پاس پہونچا اور انھوں نے اسکو دیکھا تو رونے لگے اور فرمایا کہ ہم ایسے نہ تھے، میں تو جب سے مسلمان ہوا ہوں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، پھر جس منزل پر یہ قصہ پیش آیا تھا وہاں کے باشندوں میں اسکو تقسیم کرا دیا، اور اپنا دسترخوان طلب فرما کر کہا کہ خیر صرف اسی میں ہے جس کا نفع کل (قیامت کے دن) باقی رہے۔

۱۰۔ حضرت ابن عمر کی وفات بھی سفر حج میں ہوئی، حجرہ کے پاس بھیڑ میں حجاج کے کسی سپاہی کا بھالا پیر کی دو انگلیوں کے بیچ میں لگ گیا تھا اور زخم اچھا ہونے کے چند ہی دنوں بعد پھر ابھر آیا اور اب کی دفعہ آپ جانبر نہ ہو سکے، ۷۳ھ میں مکہ میں وفات پائی اور مقام فخ میں ذی طوی کے پاس مدفون ہوئے، وفات کے وقت ۸۴ سال کی عمر تھی۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بحیثیت امیر موسم اور اسکے بدون بھی کثرت سے حج کئے ہیں، ایک سفر میں ابن ابی ملیکہ کو بھی شرف ہمرکابی حاصل تھا ان کا بیان ہے کہ میں مکہ سے مدینہ تک ان کے ساتھ رہا ہوں اور یہ دیکھا ہے کہ جب وہ سواری سے اترتے اور منزل کرتے تو آدھی رات کو اٹھ کر نفلیں پڑھتے، نفل میں انکی قرأت کا یہ ڈھنگ تھا کہ ایک بار انھوں نے یہ آیت پڑھی وجاءت سكرة الموت بالحق ذلك ما كنت منه تحيد تو بار بار اسکو ترتیل کے ساتھ دہراتے رہے اور اس درمیان میں سینے سے رونے کی آواز بھی بکثرت سنائی دیتی رہی۔

۲۔ ایک سال جب وہ امیر موسم تھے انھوں نے خطبہ میں سورۂ بقرہ شروع کر دی اور اسکو پڑھ پڑھ کر تفسیر فرمانے لگے، شقیق بن سلمہ حاضر مجلس تھے ان کا بیان ہے کہ میں

سن رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ایسے کسی دوسرے آدمی کا کلام نہیں نے سنا نہ دیکھا، اس کلام کو تو ایرانی (مجوسی) اور رومی (نصرانی) کو بھی سنیں تو بے تامل حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں۔

(حلیہ) حضرت ابن عباس نے بعمر ۷۰ سال بمقام طائف ۶۸ھ میں وفات پائی۔

عبداللہ بن الزبیر آپ کا کیا کہنا ہے آپ کا تو لقب ہی حمام المسجد (مسجد کا کبوتر) تھا، شب و روز مسجد حرام میں قیام و سجود میں مصروف رہتے تھے ان کا مستقر خلافت مکہ تھا، اور انکے عہد خلافت میں انکی جائے اقامت مکہ تھی اسلئے ان دنوں میں امیر حاج کی حیثیت سے وہ مناسک ادا کیا کرتے تھے، انھیں ایام میں ایک سال وہ ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ کو احرام کے لباس میں نکلے اور نہایت عمدہ کلمات کے ساتھ انھوں نے تلبیہ کہا، پھر خدا کی حمد و ثنا کے بعد انھوں نے حسب ذیل خطبہ دیا۔

اما بعد فانکم جئتم من آفاق شتی وفودا الی اللہ عز وجل فحق علی اللہ ان یکرم وفدہ فمن کان جاء یطلب ما عند اللہ فان طالب اللہ لا یخیب فصدقوا قولکم بفعل، فان ملاک القول بالفعل۔ والنیۃ والنیۃ القلوب القلوب، اللہ اللہ فی ایامکم ھذہ فانہا ایام تغفر فیہ الذنوب جئتم من آفاق شتی فی غیر تجارۃ ولا طلب مال ولا دنیا ترجون ما ھنا۔

(ترجمہ) لوگو! تم لوگ روئے زمین کے مختلف اطراف سے اللہ کے پاس وفد کی صورت میں حاضر ہوئے، اللہ پر حق ہے کہ اپنے وفد کی عزت

کرے، پس جو اس چیز کی طلب وتلاش میں آیا ہو جو اللہ کے پاس ہے، تو اللہ کا طالب نامراد نہیں ہو سکتا، لہٰذا تم اپنے قول کو عمل کے ذریعہ سچ کر دکھاؤ، اسلئے کہ قول کا ثبات وبقا فعل سے، اور نیت کا خیال رکھو نیت کا، اور دل کو سنبھالو دل کو سنبھالو، اور اللہ سے ڈرو اللہ سے، ان دنوں میں اسلئے کہ وہ دن ہیں جن میں گناہ بخشے جاتے ہیں، تم مختلف اطراف زمین سے نہ تو تجارت کے لئے آئے ہو نہ مال کی چاہت میں نہ دنیا کے لالچ میں تم تو اس چیز کی امید لے کر آئے ہو جو وہاں ہے۔

ان الفاظ کے بعد انھوں نے پھر تلبیہ کہا اور لوگوں نے بھی لبیک کہا، راوی کہتا ہے کہ (انکے اس مختصر خطبہ اور سادہ الفاظ میں وہ تاثیر تھی کہ) میں نے اس دن کے علاوہ اتنے زیادہ آدمیوں کو اس طرح روتے کبھی نہیں دیکھا

۔ حضرت ابن الزبیر کو طواف بیت اللہ سے اتنا شغف تھا کہ ان کے زمانے میں ایکبار بڑے زور کا سیلاب آیا اور سارے حرم میں پانی بھر گیا اور طواف کرنا ممکن نہ رہا تو انھوں نے تیر کر طواف کیا (تاریخ الخلفاء، وصفۃ الصفوۃ)

۔ عمرو بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے ابن الزبیر کو حطیم میں نگاہ نیچی کئے اس خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا ہے کہ ایک پتھر ان کے جسم کے کپڑے کے ایک حصہ پر گرا اور اتنا حصہ اڑ گیا، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے (صفۃ الصفوہ)

۔ ابن الزبیر مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے مکہ کے سفر میں یہ کیا کرتے تھے کہ مکہ سے روزہ شروع کیا تو مدینہ پہونچکر افطار کیا۔ اور مدینہ سے روزہ کی نیت کی تو مکہ پہونچکر افطار کیا، یعنے اس سفر میں وہ صوم وصال ہی رکھتے تھے۔

ابن الزبیر نے ۷۰ برس کی عمر میں ۷۳ھ میں وفات پائی۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ | جگر گوشۂ بتول حضرت سیدنا حسن کو بھی حج سے عشق تھا اور حج بھی پیادہ پادہ فرماتے تھے

إِنِّي لأستحيي من ربي ان القاه ولم أمش الى بيته۔

مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے کہ میں اسکے گھر کی طرف چلے بغیر اس سے ملوں۔

لہذا مدینہ سے پیدل چلکر انھوں نے بیں حج کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے پندرہ حج اس طرح کئے کہ وہ پیادہ پا تھے اور انکی بہترین اصیل اونٹنیاں خالی پیٹھ ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ حضرت حسن کی وفات ۵۰ھ یا ۴۹ھ میں ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ | بڑے عالم اور عابد و زاہد تھے، ان کو ایک ہزار حدیثیں بامثال کی یاد تھیں،

انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حدیثیں قلمبند کی تھیں اور اپنے اس صحیفہ کا نام صادقہ رکھا، انکے سفر حج کی کیفیت سلمان بن ربیعہ کی زبانی سنئے، فرماتے ہیں کہ مجھے بصرہ کے چند علماء کی معیت میں ایک سال حج کی سعادت نصیب ہوئی، تو ہم نے کہا کہ واللہ ہم اس وقت تک وطن واپس نہ جائینگے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی مقبول و پسندیدہ صحابی سے مل کر ایک حدیث نہ سن لیں، چنانچہ ہم برابر دریافت کرتے رہے تا آنکہ ہم کو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو مکہ کے نشیبی حصہ میں مقیم ہیں، جب ہم ان کی خدمت میں پہونچے تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ ایک بڑا بھاری قافلہ اور ٹھاٹ باٹ سامان ہے، تین سو اونٹنیاں ساتھ ہیں، جن میں ایک سو سواری کے لئے اور دو سو بار برداری کے لئے ہیں جن پر کھانے پینے کا سامان لدا ہوا ہے، ہم نے پوچھا کہ یہ کس کا سامان ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ عبداللہ بن عمرو کا ہے ہم نے کہا یہ سب انھیں کا ہے! ہم کو تو انکی نسبت یہ

بتایا جاتا تھا کہ وہ بخت متواضع و منکسر المزاج آدمی ہیں لوگوں نے کہا جی ہاں یہ صحیح ہے مگر یہ سواد نخیاں ان کے بھائی بند اور دوست و احباب کے لیے ہیں کو سوار کر کے ساتھ لائے ہیں اور دو سو مہانوں اور ان لوگوں کے لیے ہیں جو مختلف بلاد و امصار سے اس سفر میں ان سے ملنے کے لئے یا رفاقت کی خواہش میں آئیں گے، ہم کو بڑا تعجب ہوا ان لوگوں نے کہا کہ تعجب نہ کرو حضرت عبد اللہ بن عمرو کو اللہ نے بہت مال دیا ہے اور وہ اپنے اوپر حق سمجھتے ہیں کہ بہت زیادہ مقدار میں زاد راہ ساتھ لیں تاکہ ان سے ملنے والوں اور مہانوں کا کام چلے۔ ہم نے کہا کہ اچھا اب ہماری رہنمائی کیجے کہ وہ کہاں تشریف فرما ہیں؟ لوگوں نے کہا وہ مسجد حرام میں ہیں، ہم وہاں سے لوٹے اور انکی تلاش میں حرم پہونچے، تو ہم نے انکو کعبہ کی پشت پر اس ہیئت میں بیٹھا ہوا پایا کہ ایک چادر کا تہمد بنا رکھا ہے ایک اوڑھ رکھی ہے اور سر پر عمامہ ہے، کرتہ ندارد، اور اپنے جوتے بائیں ہاتھ میں لٹکا رکھے ہیں۔

۰۰ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی، اس میں اختلاف ہے کہ مکہ میں وفات پائی یا طائف میں یا مصر میں مگر راجح یہ ہے کہ شام میں وفات پائی۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ آپ کو مسیح الاسلام کہا جاتا ہے، جو سرکار رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کے بموجب اس زمین کے اوپر اور اس آسمان کے نیچے بڑے سچے آدمی تھے۔

امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر ایک بار فرمایا کہ لوگو! میں جندب غفاری ہوں، ایک مہربان و خیر خواہ بھائی کے پاس آؤ، یہ سنتے ہی لوگوں نے انکو گھیر لیا جب مجمع اکٹھا ہو گیا تو انھوں نے فرمایا۔

ارأيتم لو ان احدكم اراد سفرا

اليس يتخذ من الزاد ما يصلحه

ويبلغه قالوا بلى قال فان سفر طريق القيامة

ابعد ما تریدون فخذ واما یصلحکم قالوا
وما یصلحنا قال حجوا حجۃ لعظائم الامور۔
وصوموا یوما شدید احرہ لطول النشور
وصلوا رکعتین فی سواد اللیل لوحشۃ القبور
کلمۃ خیر، تقولہا او کلمۃ شر تسکت عنہا
لوقوف یوم عظیم، تصدق بمالك لعلك
تنجو من عسیرھا، اجعل الدنیا مجلسین
مجلسا فی طلب الحلال۔ ومجلسا فی طلب لآخرۃ
الثالث یضرك ولا ینفعك لا تردہ اجعل
المال درھمین درھما تنفقہ علی عیالك من
حلہ ودرھما تقدمہ لآخرتك الثالث یضرك
ولا ینفعك لا تردہ ثم نادی باعلی صوتہ
یا ایہا النّاس قد قتلکم حرص لا تدرکونہ
ابداً۔

(ترجمہ) لوگو! یہ بتاؤ کہ اگر کوئی سفر کا ارادہ کرتا ہے تو کیا وہ زادراہ کا
سامان نہیں کرتا جس سے اس کا کام چلے اور منزل تک پہونچ جائے؟ لوگوں
نے کہا ضرور کرتا ہے۔ فرمایا کہ تو قیامت کے سفر کا راستہ بڑی دور کا ہے
لہذا کارآمد سامان لے لو۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہے فرمایا بڑی باتوں
کے لیے ایک حج کرلو اور طول نشور کے لئے کسی سخت گرم دن میں روزہ
رکھ لو اور وحشت قبر کے لیے رات کی تاریکی میں دو رکعتیں پڑھ لو پھر بھلی
بات کہو، یا بری بات سے خاموش رہو اس بڑے دن کے وقوف کے لئے،

مال خیرات دو شاید اسکی سختی سے نجات مل جائے زندگی دنیا کو دو مجلسوں میں تقسیم کرو ایک مجلس حلال روزی حاصل کرنے کی، دوسری طلب آخرت کی تیسری مجلس مضر ہوگی اور نفع نہ دے گی اس کا ارادہ نہ کرو اپنے مال کے دو حصے کرو ایک حصہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو اور دوسرے کو زاد آخرت بناؤ، تیسرا مضر ہوگا نفع نہ دے گا، لہٰذا اس کا ارادہ نہ کرو، پھر پوری آواز سے چلا کر فرمایا کہ تم کو ایسی حرص نے مار ڈالا ہے کہ تم کبھی نہ پاؤ گے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صحابہ میں عمر کے لحاظ سے چھوٹے اور علم و فضل میں بہت بڑے تھے، فرائض میں یکتا اور فقہ میں امام تھے عہد نبوی میں کاتب وحی تھے، اور حضرت صدیق اکبر نے جمع قرآن کے لئے انھیں کو مامور فرمایا تھا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان اپنے اپنے عہد خلافت میں جب حج کے لئے جایا کرتے تھے تو زید بن ثابت کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر جاتے تھے حضرت عمر نے جب شام کا سفر کیا ہے اس وقت بھی انھیں کو اپنا جانشیں مقرر کیا، اور شام سے ان کے پاس خط بھیجا تو پہلے ان کا نام بعد میں اپنا نام لکھا الی زید بن ثابت من عمر بن الخطاب مسروق کہتے ہیں کہ مدینہ حاضر ہوا تو میں نے زید بن ثابت کو راسخین فی العلم میں سے پایا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں مدینہ میں حضرت عمر کے بعد لوگوں کے امام زید تھے اور ان کے بعد ابن عمر امام تھے۔ ثابت ابن عبید کہتے ہیں کہ حضرت زید گھر کے اندر بہت خوش طبع اور باہر نہایت خاموش تھے آپ کی وفات سنہ ۴۵ھ یا سنہ ۵۵ھ میں ہوئی۔

قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ زید بن ثابت احرام کی حالت میں منہ چھپاتے تھے یعنی منہ پر کپڑا ڈالنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (کنز العمال ص ۲۳۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ آپ کا نام سعد بن مالک تھا صحابہ میں حدیث نبوی کے حافظ، کثیر الروایۃ اور بڑے عالم فاضل

تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ لڑائیوں میں شریک ہوئے ہیں، ابن عمر اور زید بن ثابت جیسے حضرات ان سے احادیث روایت کرتے ہیں، آپکے والد مالک بن سنان بھی صحابی تھے، غزوۂ احد میں شہید ہوئے، حضرت ابو سعید خدری نے حضرت عمر کے ساتھ حج کیا ہے۔

(کنز العمال ص۳۵ ج۵)

آپ کی وفات ۷۴ھ میں ہوئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صحابہ میں سب سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے والے ہیں، صحابہ و تابعین کو ملا کر آٹھ سو سے زیادہ اشخاص نے آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں، جب سے مسلمان ہوئے برابر صحبت نبوی میں رہے، احادیث کے سننے اور یاد کرنے کا انکو بہت اہتمام تھا حضرت عمر نے انکو بحرین کا حاکم بھی مقرر کیا تھا، مروان کی عدم موجودگی میں مدینہ منورہ کے حاکم بھی رہے ہیں۔

آپ نے حضرت عمر اور حضرت علی کی معیت میں حج کیا ہے، (کنز العمال ص۵۴ ج۵)

آپ کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی۔

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے، حضرت عمر کی طرف سے جند (یمن) کے اور حضرت عثمان کی طرف سے صنعاء کے حاکم تھے، بڑے فیاض اور دریادل تھے، آپ نے حضرت عمر اور حضرت عثمان کے ساتھ حج کیا ہے۔ (کنز العمال ص۳۵ ج۵) جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے اور اسی جنگ میں شہید ہوئے۔

حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام صحابی ہیں، جنگ خیبر و فتح مکہ و جنگ حنین میں شریک ہوئے عہد نبوی کے بعد جہاد خراساں میں شریک ہوئے۔ انکا بیان ہے کہ فتح مکہ کے دن ابن خطل کو میں نے ہی قتل کیا تھا بصرہ میں سکونت تھی اور وہیں ۶۰ھ میں وفات پائی۔

آپ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ تھا، انھوں نے طواف کر کے دو رکعتیں

پڑھیں اور فرمایا کہ یہ دو رکعتیں ان گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں جو ان سے پہلے ہوئے ہیں۔

(کنز العمال ص۲۶۳)

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

وفات نبوی سے چالیس دن پہلے مشرف باسلام ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکی بہت عزت کرتے تھے، جب سے مسلمان ہوئے کبھی انکو حاضری سے روکا نہیں، اور ہمیشہ ہنستے ہوئے ان سے ملتے تھے، ان کے حق میں فرمایا تھا اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ (جب کسی قوم کا باعزت شخص آئے تو اس کا اکرام کرو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرستادہ کی حیثیت سے انکو ذی کلاع اور ذی رعین کے پاس بھیجا تھا۔

بت خانہ ذی الخلصہ کو برباد کرنے پر بھی یہی مامور ہوئے تھے روانہ کرنے کے وقت انکے حق میں آپ نے یہ دعا کی تھی اللھم ثبتہ واجعلہ ھادیا مھدیا حضرت عمر نے ان سے فرمایا تھا ما زلت سیدا فی الجاھلیۃ والاسلام (تم عہد جاہلیت میں بھی سردار تھے اور اسلام میں بھی) حضرت جریر کا مقولہ ہے الخرس خیر من الخلابۃ والبکم خیر من البذاء (گویائی کا فقدان دل فریب گویائی سے اور گونگا پن فحش گوئی سے بہتر ہے۔

آپ کی وفات ۵۴ھ میں ہوئی۔

انکا بیان ہے کہ ایک بار میں حج کے لئے روانہ ہوا، راستہ میں ایک ہرن سے چڑیاں شروع ہیں اور مجھ کو یہ یاد نہیں رہا کہ میں محرم ہوں میں نے انکو ذبح کر ڈالا جب یاد آیا تو حضرت عمر کے پاس آکر واقعہ بیان کیا انھوں نے فرمایا کہ دو عادلوں کے پاس جاکر فیصلہ کراؤ کہ اسکی کیا جزا ہے، میں حضرت عبد الرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کے پاس آیا اور ان سے کہا تو ان حضرات نے مجھ سے ایک بکرا دلوایا۔

(کنز العمال ص۲۶۳)

عبد الرحمٰن بن عثمان تیمی حدیبیہ یا فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔ اپنے چچا حضرت طلحہ کی معیت میں حج کیا ہے (کنز العمال ص۵۳ ج۵) ۷۳ھ میں حضرت عبد اللہ بن الزبیر کے ساتھ شہید ہوئے، حجرہ میں مدفون ہوئے تھے۔ مسجد حرام میں اضافہ ہوا تو انکی قبر بھی حرام کے اندر آگئی۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما آپ جوانانِ اہل جنت کے دو سرداروں میں سے ایک اور گلزار نبوت کے دو پھولوں میں سے ایک پھول ہیں۔ آپ کو بھی حج سے اتنا شغف تھا کہ آپنے پیادہ پا پچیس حج کئے ہیں، باوجودیکہ عمدہ اونٹنیاں ساتھ رہتی تھیں مگر آپ ان پر سوار ہونے کے بجائے پیدل راستہ طے کرتے تھے۔

آپ کی شہادت ۶۱ھ میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر شریف ۵۶ سال ۵ مہینے کی تھی۔

حضرت فضل بن عباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور عبد اللہ بن عباس کے بھائی ہیں، حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف (آپ کی سواری پر آپ کے پیچھے سوار) تھے، آپ کا بیان ہے کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج جو اپنے کان، اپنی زبان اور اپنی آنکھوں کی حفاظت کرے گا (گناہوں سے بچائے گا) وہ بخشدیا جائے گا، حضرت فضل کی وفات شام میں ۱۸ھ میں ہوئی، طاعون عمواس میں جن حضرات صحابہ کی وفات ہوئی ہے ان میں آپ بھی ہیں (سیر السلف)

حضرت معاویہ آپ جلیل القدر صحابی رسول ہیں، بیس سال امیر شام رہے اور تقریباً بیس ہی سال آپ کی خلافت کا زمانہ بھی ہے، آپنے اپنے عہد خلافت میں متعدد حج کئے ہیں از انجملہ ایک حج ۴۴ھ میں اور ایک ۵۰ھ میں آپنے کیا ہے، عہد نبوی میں بھی یہ سعادت انکو حاصل ہوئی ہے، ایک واقعہ میں انھوں نے احرام اتارنے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال بھی تراشے ہیں، آپ کی وفات ۶۰ھ میں ہوئی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

آپ حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص ہیں، جب سے آپ مدینہ تشریف لائے اس وقت سے لیکر آخر دم تک ملازم خدمت رہے ہیں، آپ احادیث کے بہت بڑے راوی ہیں، آپکے بعد خلفائے ثلثہ اور حضرت ابی بن کعب سے استفادہ کیا ہے، انکی والدہ نے انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے پیش کیا اور آپنے ان کے لئے چار چیزوں کی دُعا کی۔

اللھم اکثر مالہ وولدہ واطل عمرہ واغفر ذنبہ

(اے اللہ انکو مال اور اولاد زیادہ دے، اور انکی عمر دراز کر، اور اس کے گناہ بخشدے۔)

اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ دوسروں کے درخت سال میں ایک بار پھلتے تھے تو ان کے دو دفعہ پھلتے تھے، اولاد کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ انکے ایک سو بیس سے زیادہ لڑکے لڑکیاں انکی زندگی ہی میں فوت ہو چکے تھے، زندگی اتنی پائی کہ خود فرماتے تھے کہ اب میں زندگی سے تنگ آگیا ہوں اور حضرت کی چوتھی دعا (مغفرت) کا امیدوار ہوں۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے تھے کہ انس کے نماز پڑھنے کا طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھا، ان کا معمول تھا کہ مغرب کی نماز کے بعد نوافل میں مشغول ہوتے تو پھر کسی کی رسائی ان تک نہیں ہو سکتی تھی، بہت کم بات چیت کرتے تھے، جب قرآن پاک ختم کے قریب ہوتا تو اپنے بچوں اور سب گھر والوں کو اکٹھا کر کے ختم کرتے اور دعا کرتے۔

ایک بار ان کے کارندہ نے زمین میں پانی کی کمی کی شکایت کی۔ انھوں نے پانی کی دُعا مانگی، اسکے بعد ایک بدلی نمودار ہوئی اور انکی زمین کے اوپر چھاگئی اور اتنا برسی کہ گڈھے بھر گئے، برسنے کے بعد انھوں نے اپنے غلام کو بھیجا کہ دیکھ کہاں تک پانی برسا ہے اس نے انکو بتلایا کہ صرف آپ کی زمین پر پانی برسا ہے۔

ایک مرتبہ مسجد کے کسی حصہ میں کھنکھار ڈال دیا تھا اور اسکو بھول کر چلے آئے تھے، گھر پہونچکر یاد آیا تو آگ کا ایک شعلہ لے کر مسجد میں آئے اور اسکو تلاش کر کے بہت نیچے دفن کیا۔

صحابہ میں آپ کی وفات سب کے بعد ہوئی۔ ۹۹ برس کی عمر پائی، سنہ ۹۱ھ یا سنہ ۱۰۳ھ میں انکی وفات ہوئی۔

ہلال بن یسار تابعی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت انس کے ساتھ حج کیا ہے۔

(مجمع الزوائد صفحہ ۲۲۵ ج ۳)

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ

بارگاہ نبوی میں آپ کی حیثیت وہ تھی جو شاہی پولیس کی ہوتی ہے۔ آپ بڑے نامور صحابی اور خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ کے خلف ارشد اور خود بھی صحابی تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مہاجرین وانصار کا ایک لشکر حضرت ابو عبیدہ کی سرکردگی میں روانہ کیا، ان میں حضرت قیس بھی تھے، لشکر کے ساتھ سامان رسد بہت کم تھا جب وہ ختم ہوگیا اور لوگ فاقوں کی سخت تکلیف میں مبتلا ہوگیے تو حضرت قیس نے اعلان کیا کہ کوئی کھجوروں کے عوض اپنا اونٹ بیچنے کو تیار ہے؟ میں اونٹ یہاں لوں گا اور کھجوریں مدینہ پہونچکر دوں گا، حضرت عمر نے سنا تو فرمایا یہ عجیب لڑکا ہے اس کے پاس مال کہاں ہے جو اُدھار لے رہا ہے مگر ایک آدمی تیار ہوگیا اور اس نے کہا میں خوب جانتا ہوں، یہ کہکر اس نے انکے ہاتھ فی اونٹ دو وسق کھجوروں کے عوض پانچ اونٹ بیچ دیئے۔ اور کہا کہ کسی کی گواہی ہونی چاہیئے، انھوں نے کہا جس کو چاہو گواہ بنالو، اس نے حضرت عمر کو گواہ بنانا چاہا تو انھوں نے کہا مال تو اس کا نہیں اس کے باپ کا ہے میں گواہی نہیں کروں گا، بیچنے والے نے کہا مجھ کو یہ (قیس کا) چہرہ بھلا نظر آرہا ہے اور انکے باپ اتنی کھجوروں کے معاملہ میں انکی بات رد نہ کریں گے اس نے اونٹ حوالہ کردیئے، اور انھوں نے تین موقعوں پر تین اونٹ ذبح کر کے کھلائے چوتھے کی باری آئی تو حضرت ابو عبیدہ نے منع کردیا، قیس نے ان سے کہا کہ میرے باپ

سارے لوگوں کا قرض ادا کرتے ہیں اور ہر کس و ناکس کا بوجھ اپنے سر لیتے پھرتے ہیں، قحط کے زمانہ میں لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں تو وہ میرا قرض ادا نہ کرینگے؟ اور وہ بھی وہ قرض جو مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے میں نے کیا ہے، جب مدینہ لوٹ کر گئے تو یہ سارا قصہ اپنے باپ کو سنایا انھوں نے اپنے ایسے چار باغ انکے نام لکھدیے جن میں کم از کم پچاس وسق کھجوریں پیدا ہوتی تھیں، اسکے بعد وہ آدمی آیا تو اس کا پورا مطالبہ ادا کیا اور اسکو سواری اور کپڑے بھی دیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی، تو آپنے فرمایا انہ فی بیت الجود (وہ فیاضی کے گھرانے سے ہے) (صفۃ الصفوہ صفحہ ۳۰۲)

مجمع الزوائد میں ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے حج کا ارادہ کرنے کے بعد اپنے سر میں کنگھی کرنا شروع کی ابھی آدھے سر میں کنگھی کی تھی کہ انکی ہدی کے جانوروں کی گردنوں میں قلادے ڈال دیے گیے، انھوں نے یہ دیکھ کر لبیک پڑھا اور آدھا سر ویسا ہی رہنے دیا۔ (صفحہ ۲۲۴) آپ کی وفات حضرت معاویہ کی خلافت کے آخر میں ہوئی۔

اویس قرنی آپ کی مقبولیت کی شہادت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان نے دی ہے اور آپ کو خیر التابعین کے لقب سے عزت بخشی ہے ۔۔۔

صحیح مسلم میں ہے کہ جب یمن کی جماعتیں آتی تھیں تو حضرت عمر پوچھا کرتے تھے کہ تم لوگوں میں اویس بن عامر نام کا تو کوئی آدمی نہیں ہے؟ آخر ایک بار انکو ان جماعتوں میں اویس ملگئے تو اُن سے کہا تم اویس ہو؟ کہا ہاں، پوچھا قبیلۂ مراد کی اس شاخ سے جس کو قرن کہتے ہیں؟ کہا ہاں، پوچھا تم کو سفید داغ کی بیماری تھی جو جاتی رہی مگر ایک درہم کے برابر سفید داغ اب بھی باقی ہے؟ کہا ہاں، پوچھا تمھاری ماں زندہ ہے؟ کہا ہاں، تب فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے فرماتے تھے کہ تمھارے پاس یمن کی جماعتوں میں اویس بن عامر آئیں گے، وہ مراد کی شاخ قرن سے ہوں گے، انکے بدن کا سفید داغ قدر درہم کے سوا سب مٹ چکا ہوگا، وہ اپنی ماں کے نہایت فرمانبردار ہوں گے، وہ ایسے مقبول خدا ہوں گے

کہ اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ انکی قسم پوری کردے گا، تم سے ہو سکے تو ان سے مغفرت کی دعا کرانا، لہذا میرے لئے مغفرت کی دعا کرو، اویس نے دعا کی۔ (صحیح مسلم ص۔)

کنزل العمال، طبقات ابن سعد، سیر السلف اور صفة الصفوہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ ہر سال حج کے موقع پر منیٰ وغیرہ میں اویس کو تلاش کیا کرتے تھے، دس سال تک جستجو کرنے کے بعد انکو موسم حج میں پایا اور ان سے دعا کرائی بعض روایتوں میں ہے کہ وہ یمنی حاجیوں کے اونٹ چراتے تھے، اور بظاہر بہت تنگ حال تھے، مگر حضرت عمر نے انکو کچھ دینا چاہا تو انھوں نے کہا کپڑا لے کر کیا کروں گا میرے بدن پر صوف کی ایک چادر اور صوف کا ایک تہمد ہے، آپ جانتے ہیں یہ دونوں کب پھٹیں گے، میرے پیر میں جوتے بھی ہیں نہ جانے وہ کب پرانے ہوں گے اور اونٹ چرانے کی اجرت چار درہم میں نے پائی ہے خدا جانے اس کو کب کھا کر ختم کروں گا تو ایسی حالت میں کچھ لے کر کیا کروں گا، امیر المومنین! ہمارے اور آپکے آگے ایک نہایت دشوار گذار چڑھائی ہے، اسکو کوئی دبلا پتلا، اور ہلکا پھلکا ہی آدمی پار کر سکتا ہے، ہرم بن حیان ان آٹھ بزرگوں میں ہیں جن پر زہد ختم تھا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اویس کی تعریف سنی تو مجھ کو انکی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوا، چنانچہ میں کوفہ آکر ان سے ملا اور موقع پا کر ان سے درخواست کی کہ مجھ کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنائیے۔ فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر میری ماں اور باپ قربان ہوں مجھ انکی صحبت کا شرف حاصل نہیں ہوا ہاں میں نے آپکے صحابہ کی زیارت کی ہے لیکن میں اپنے اوپر اس بات کا دروازہ نہیں کھولنا چاہتا کہ محدث یا قاضی یا واعظ بنوں۔ مجھ کو بہت کام کرنا ہیں۔ پھر انھوں نے کچھ نصیحتیں کیں اور فرمایا کہ اب ہم سے نہ ملنا۔ تنہائی بہت بہتر چیز ہے، ہم تم کو یاد رکھیں گے، تم ہمارے لئے دعا کرنا ہم تمھارے لئے دعا کرتے رہیں گے۔

حضرت اویس عہد نبوی میں موجود تھے، مگر اصبغ بن زید کا بیان ہے کہ صرف

ماں کی خدمت گذاری میں لگے رہنے کی وجہ سے خدمت نبوی میں حاضر نہیں ہوئے۔ ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اویس سے ہمارا سلام کہنا۔

صفۃ الصفوہ میں ہے کہ جب شام ہوتی تھی تو اویس کے پاس جتنا کچھ کھانا کپڑا ہوتا تھا سب صدقہ کر دیتے تھے پھر کہتے تھے کہ اے اللہ کوئی بھوک سے مرے تو مجھ سے مواخذہ نہ کیجیے گا، اور کوئی عریانی کیوجہ سے ہلاک ہو تو اسکی بازپرس بھی مجھ سے نہو۔ یہ بھی مذکور ہے کہ جب شام ہوتی تو کہتے آج سجدہ کی رات ہے اس کے بعد سجدہ میں سر رکھتے تو صبح ہی کو سر اٹھاتے اور کسی دن کہتے کہ آج رکوع کی رات ہے پھر نماز شروع کرتے اور رکوع ہی میں صبح کر دیتے (سیر السلف)

اویس قرنی بعض اوقات بدن کے کپڑے بھی خیرات کر دیتے تھے، اور عریانی کی وجہ سے کھجور رکھنے کے بڑے برتن میں جا بیٹھتے تھے۔

اویس قرنی نے مرسلاً یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے صحابیوں کے باب میں میرا لحاظ رکھو، قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ امت کے پچھلے لوگ اگلوں کو برا کہیں گے، اس وقت زمین اور زمین والوں پر اللہ کی ناخوشنودی و ناراضی نازل ہو جائے گی۔

اویس قرنی کی وفات حضرت علی کے عہد خلافت میں ہوئی۔

احنف بن قیس طبقہ اولی کے تابعین میں ہیں، اور کمال عقل و دانائی، زہد و عبادت اور بے نفسی میں ضرب المثل ہیں، حضرت عمر، حضرت علی اور ابو ذر سے حدیثیں روایت کی ہیں، حضرت عمر نے ان کو ایک سال اپنے پاس رکھ کر فرمایا کہ میں نے تمہاری خوب جانچ کر لی ہے، میں نے بھلائی کے سوا کوئی بات نہیں دیکھی۔ تمہارا ظاہر بہت اچھا ہے اور مجھے امید ہے کہ تمہارا باطن بھی بہتر ہی ہوگا، حضرت عمر نے

ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھکر بھیجا کہ احنف کو اپنے نزدیک رکھئے۔ اُن سے مشورہ لیجئے اور ان کی بات سنیئے، حضرت عمر نے ایک موقعہ پر بنو تمیم کا سردار بھی انکو کہا ہے۔

احنف کا سب سے بڑا سرمایۂ شرف و وسیلۂ نجات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا نام لے کر ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی ہے، ابن سعد، استیعاب، اور صفۃ الصفوہ میں خود احنف کا بیان مذکور ہے کہ میں حضرت عثمان کے عہد خلافت میں ایکبار خانۂ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ ایک شخص نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ میں تم کو ایک خوشخبری سناؤں؟ میں نے کہا ضرور، اس نے کہا تمھیں یاد ہے جب مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھاری قوم بنو سعد (بن زید مناۃ بن تمیم) کی طرف اسلام کی دعوت دینے کو بھیجا اور میں نے انکو دعوت دینا شروع کی تو تم نے کہا تھا کہ تم اچھی بات کی دعوت دے رہے ہو اور میں عمدہ بات سن رہا ہوں، اس کے بعد جب میں خدمت اقدس میں واپس ہوا اور میں نے تمھاری بات نقل کی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللھم اغفر للاحنف (اے اللہ تو احنف کو بخشدے) احنف کہتے ہیں کہ میری نجات کا سب سے بڑا سہارا یہی ہے۔

کسی نے خالد بن صفوان سے پوچھا کہ احنف اس درجہ پر کیسے پہونچے، خالد نے کہا کہ تم چاہو تو تین لفظوں میں بتاؤں یا کہو تو دو میں یا چاہو تو ایک لفظ میں، اس نے کہا تین کیا ہیں، خالد نے کہا کان لایشرہ ولایحسد ولا یمنع حقا (وہ لالچی نہیں تھے، کسی پر حسد نہیں کرتے تھے، اور کسی کا حق نہیں روکتے تھے) اس نے کہا اچھا دو کیا ہیں، خالد نے کہا، کان موفقا للخیر معصوما من الشر (وہ مؤید من اللہ تھے بھلائی کی توفیق ادھر سے ملتی تھی۔ اور برائی سے بچائے جاتے تھے) اس نے کہا اور ایک کیا ہے، خالد نے کہا کان من اشد الناس سلطانا علی نفسہ (وہ اپنے نفس پر پورا پورا قابو رکھتے تھے)۔

احنف فرماتے ہیں کہ میرے پاس سے جو کوئی اٹھ گیا میں نے کبھی اس کی برائی نہیں

بیان کی، ان کے بھتیجے نے ان سے اپنے دانت کے درد کی تکلیف کا شکوہ کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میری تو چالیس برس ہوئے آنکھ کی روشنی جاتی رہی ہے مگر میں نے کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا، کسی نے ان سے کہا کہ آپ امراء کے پاس نہیں جاتے تو انھوں نے ایک ٹوٹا ہوا گھڑا نکالا اور اسکو الٹ دیا اس میں سے روٹی کے کچھ ٹکڑے گرے، ان ٹکڑوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جس کو یہ ٹکڑے کفایت کرتے ہوں وہ ان کے پاس جاکر کیا کرے گا۔

کسی نے ان سے کہا کہ آپ میں اطمینان و آہستگی بہت زیادہ ہے فرمایا میں تو اپنے کو تین باتوں میں بہت جلد باز پاتا ہوں، نماز کے باب میں جب اس کا وقت آجائے اور جنازہ کے باب میں جب تک اس کو دفن نہ کرلوں، اور لڑکی کو بیاہنے کے باب میں جب اس کا کفو مل جائے۔ انکی رات کی عبادت زیادہ تر دعا تھی، کبھی کبھی وہ چراغ کے پاس جاکر اپنی انگلی چراغ کی لو پر رکھتے اور جلنے لگتی تو حس حس کہکر ہٹا لیتے اور کہتے کہ احنف! تو نے فلاں دن یہ کیوں کیا اور فلاں دن وہ کیوں کیا؟

احنف کی وفات کوفہ میں اس وقت ہوئی جب مصعب بن الزبیر وہاں کے حاکم تھے۔

عبد الرحمٰن بن یزید بن قیس نخعی

اکابر صحابہ مثلاً حضرت عثمان، ابن مسعود، سلمان فارسی حذیفہ اور ابو موسیٰ اشعری وغیرہم کے صحبت یافتہ ہیں، اور ان حضرات سے حدیثیں روایت کرتے ہیں، حضرت ابن مسعود سے خاص تعلق تھا، انکی معیت میں حج بھی کیا ہے، اور حضرت ابن مسعود نے جس طرح مناسک حج ادا کیے ہیں ان کو بغور دیکھا اور لوگوں کو بتایا ہے، یہ روایتیں صحیح بخاری میں بھی مذکور ہیں۔

کسی نے امام شعبی سے ان کے بھائی اسود بن یزید کا حال دریافت کیا تو فرمایا کہ اسود نے زاہل گذار بڑے روزہ دار اور بکثرت حج کرنے والے تھے، اور اس خاندان والے یعنی لوگ یعنی علقمہ، اسود، اور عبد الرحمٰن جنت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں (سیر السلف)

عبد الرحمٰن کی وفات سنہ ۷۳ھ میں ہوئی۔

شیخ الاسلام محمد بن المنکدر مدنی

حضرات ابن عمر، ابن عباس، جابر اور حضرت عائشہ سے بکثرت حدیثیں سنی اور روایت کی ہیں، امام مالک انکو سید القراء کہا کرتے تھے، علم و عمل میں ان کا تفوق مسلم تھا، اپنی ماں کے بڑے خدمت گذار تھے، اور اسکو سب سے بڑا سرمایہ سعادت سمجھتے تھے، فرماتے تھے کہ میرے بھائی عمر رات بھر نماز پڑھتے رہے اور میں رات بھر اپنی ماں کے پیر دباتا رہا تو مجھے اسکی خواہش نہیں ہوئی نہ میں اس پر راضی ہوں کہ انکی رات (کا ثواب) مجھ کو اور میری رات (کا ثواب) انکو مل جائے۔ فرماتے تھے کہ میں نے چالیس سال تک مشقت برداشت کی اور اپنے نفس سے لڑا ہوں تب جاکر میرا نفس ٹھیک ہوا ہے، فرماتے تھے کہ فقیہ (مفتی) اللہ اور اسکے بندوں کے درمیان واسطہ بنتا ہے تو اسکو خوب سمجھ بوجھ کر واسطہ بننا چاہیئے، فرماتے تھے کہ مومن کامل کی بدولت اسکی اولاد اور اولاد کی اولاد بلکہ اسکے خاندان اور محلہ ٹولہ کے لوگوں کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے اور انکے ساتھ رعایت برتی جاتی ہے، وہ جب تک انمیں ہوتا ہے وہ سب حفظ و عافیت میں رہتے ہیں۔ ایک بار کسی ایسے آدمی کی نماز جنازہ پڑھائی جس کو لوگ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے اسلئے کسی نے پوچھا کہ آپنے اسکی نماز جنازہ پڑھادی، فرمایا کہ مجھ کو حق تعالیٰ سے شرم آئی کہ اسکی نماز نہ پڑھکر اپنی جانب سے اس پر یہ ظاہر کردوں کہ اسکی رحمت تنگ ہے۔

یعقوب ماجشون فرماتے تھے کہ محمد بن المنکدر کے صرف دیدار سے مجھ کو دین کا نفع ہوتا ہے۔

محمد بن سوقہ کہتے ہیں کہ انکا یہ حال تھا کہ مقروض ہوتے تھے جب بھی حج کیا کرتے تھے، اور کسی نے اس پر ٹوکا تو فرمایا الحج اقضی للدین (حج کرنے سے تو قرض اور ادا ہوتا ہے۔) (سیر السلف)

آپ کی وفات سنہ ۱۳۰ھ میں ہوئی۔

امام نافع بن جبیر

حضرت جبیر بن مطعم بن عدی صحابی کے صاحبزادے ہیں حضرت عباس و زبیر و علی و عائشہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ انکی روایتیں صحاح ستہ میں ہیں، ابن خراش نے کہا ہے ثقۃ مشہور احد الائمہ (مشہور مستند امام ہیں) حضرت زید بن ثابت کے ان ممتاز شاگردوں میں سے جو انکے مذہب پر فتوی دیتے تھے، ابن حبان نے لکھا ہے۔

کان من خیار الناس کان یحج ماشیا وناقتہ تقاد (تہذیب)

بہت بہتر آدمی تھے، سواری ساتھ ہوتی تھی اور پیادہ پا حج کرتے تھے۔ انکی وفات سنہ ۹۹ھ میں ہوئی۔

علقمہ بن قیس نخعی

حضرت عبداللہ بن مسعود کے نہایت ممتاز و نامور شاگرد تھے۔ حضرت عبداللہ فرماتے تھے کہ مجھ کو جتنا علم قرآن پاک کے معانی و مبانی کا ہے وہ سب علقمہ کو حاصل ہو گیا ہے، علقمہ بہت خوش آواز تھے اسلئے حضرت ابن مسعود انکو بلوا کر ان کی زبان سے قرآن پاک سنا کرتے تھے، جب یہ پڑھکر فارغ ہوتے تو فرماتے تھے زدنا فداک ابی وامی (اور سناؤ میری ماں اور باپ تم پر قربان) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اچھی آواز قرآن کی زینت ہے حضرت ابن مسعود کی نسبت صحابہ کا اعتراف ہے کہ وہ طور وطریقہ نشست و برخاست، رفتار و گفتار اور وقار و متانت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنے زیادہ مشابہ تھے، اتنا مشابہ کوئی دوسرا نہ تھا اور تابعین کا اعتراف ہے کہ ان باتوں میں علقمہ ہو بہو ابن مسعود معلوم ہوتے ہیں یہاں تک کہ ابو المثنی کہتے تھے کہ تم نے علقمہ کو دیکھ لیا تو تم کو کچھ ضرر نہیں کہ عبداللہ ابن مسعود کو نہیں دیکھا، علقمہ حضرت ابن مسعود کے ان چھ شاگردوں میں سے ہیں

جو انکے جانشین کی حیثیت سے لوگوں کو قرآن پڑھاتے اور سنت کی تعلیم دیتے تھے اور لوگوں کو انکی رائے سے تشفی اور اطمینان حاصل ہوتا تھا۔ علقمہ علم و فضل میں ایسے ممتاز تھے کہ بہت سے صحابی بھی ان سے فتوی لیتے اور علم کی بات پوچھتے تھے۔

مرۃ بن شراحیل کا قول ہے کہ علقمہ ربانی عالم تھے، ابراہیم کہتے ہیں کہ وہ پانچ دن میں قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے۔ اور ایک رات میں بھی انھوں نے پورا قرآن ختم کیا ہے، اپنی شہرت و تعظیم کو بہت ناپسند کرتے تھے، لوگ کہتے تھے کہ کسی مناسب و ممتاز جگہ چل کر بیٹھئے اور حدیث و قرآن کی تعلیم دیجئے، تو فرماتے تھے کہ میں اسکو ناپسند کرتا ہوں کہ میرے پیچھے بھیڑ چلے اور انگلیاں اٹھیں کہ یہ علقمہ جارہے ہیں۔ کسی نے کہا کہ حکام وقت سے آپ ملتے تو آپ کو فائدہ ہوتا، فرمایا کہ میں جتنی انکی دنیا لوں گا اتنا میرا دین وہ لے لیں گے اپنے گھر میں رہتے تھے اور اپنے ہاتھ سے اپنی بکریوں کو گھاس وغیرہ دیتے تھے۔

علقمہ نے متعدد حج کیے ہیں۔ ایک بار وہ حج کو جانے لگے تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے اپنے ہدی کے جانور انکے ساتھ کر دیے اور فرمایا کہ ذبح کے بعد گوشت کے تین حصے کرنا ایک حصہ تم اور تمہارے ساتھی کھالیں اور ایک حصہ خیرات کر دینا اور ایک حصہ میرے بھائی عتبہ کے پاس بھجوا دینا، سفیان نے فرمایا ہے کہ یہ نفلی قربانی تھی (مجمع الزوائد ص۲۲۵/۳) انھوں نے حضرت ابن مسعود کی رفاقت میں بھی حج کیا ہے جیسا کہ بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے ازانجملہ ایک روایت مجمع الزوائد ص۲۲۵/۳ میں ہے، ایک حج انھوں نے اور ان کے بھتیجے اسود نے حضرت عمر کے ساتھ کیا ہے (کنز العمال ص۳۹/۳)

حضرت علقمہ، اسود بن یزید اور عبدالرحمن بن یزید کے چچا تھے، اور یہ پورا خاندان علم و عمل میں نہایت ممتاز تھا جیسا کہ سیر السلف میں مصرح ہے۔

علقمہ کی وفات ۶۲ھ میں ہوئی۔

(صفۃ الصفوۃ و تہذیب التہذیب)

ابو وائل شقیق بن سلمہ اسدی

تابعین کے طبقہ اولی میں انکا شمار ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا مگر دیدار وصحبت کا شرف حاصل نہ ہو سکا حضرت عبداللہ بن مسعود کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے بلکہ ابو عبیدہ کے خیال میں انکی احادیث کے سب سے بڑے عالم تھے، ابراہیم نخعی لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ شقیق کی صحبت اور شاگردی اختیار کرو اس لئے کہ جب صحابہ وتابعین کی کثرت تھی اس وقت بھی لوگ انکو بہترین شخص سمجھتے تھے، کوفہ کے ممتاز عابدوں میں سے ایک وہ بھی تھے، دنیا سے بہت بے رغبت تھے، جتنے سے کسی طرح کام چل جائے اس سے زیادہ دنیا کی چاہت انکو نہ تھی، نرکل یا بانس کا بنا ہوا ایک چھپر تھا اسی میں خود بھی رہتے تھے اور اسی میں انکا گھوڑا بھی بندھا رہتا تھا جب جہاد میں شرکت کے لئے روانہ ہوتے تو اس کو بھی اجاڑ کر خیرات کر دیتے تھے پھر جب واپس آتے تو دوسرا بنا لیتے تھے۔ خوف وخشیت کا یہ عالم تھا کہ ابراہیم تیمی ان کے گھر میں وعظ کہتے تو انکے بدن میں جھرجھری پیدا ہو جاتی اور چڑیوں کی طرح پھریری لینے لگتے تھے، جب گھر میں تنہا ہوتے تو تسبیح پڑھتے اور اگر کوئی ساری کائنات پیش کرتا اور کہتا کسی کے سامنے تسبیح پڑھیں تو وہ ہرگز نہ کرتے، نماز پڑھتے تو انکی گھگی بندھ جاتی، عاصم کہتے ہیں کہ میں نے انکو سجدہ میں یہ دعا کرتے ہوئے سنا۔

رب اغفر لی رب اعف عنی ان تعف عنی
تعف عنی تطولا من فضلك وان تعذبنی
تعذبنی غیر ظالم لی۔

(ترجمہ) اے اللہ مجھ کو بخشدے، اے اللہ مجھ سے درگذر فرما، اگر تو درگذر فرمائے گا تو محض اپنے فضل واحسان سے درگذر فرمائے گا، اور اگر عذاب دے گا تو ظالم نہ ہوگا (اسلئے کہ میں اس کا مستحق ہوں)۔

اس کے بعد انھوں نے رونا شروع کیا تو میں مسجد کے پیچھے سے ان کے رونے کی آواز سن رہا تھا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی معیت میں حج کیا ہے، مثلاً ایک روایت میں انکا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعود نے کنکری مارنے کے وقت تک لبیک پڑھا، کنکری مارنے کے بعد تلبیہ ختم کر دیا۔ (مجمع الزوائد ص ۲۲۴/۳)

شقیق کی وفات سنہ ۸۲ھ کے بعد ہوئی۔

عکرمہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہ

تفسیر، مغازی اور فقہ کے امام تھے، حضرت ابن عباس کے غلاموں میں بلکہ ان کے شاگردوں میں سب سے اعلم (زیادہ علم والے) تھے، قتادہ کہتے تھے کہ تابعین[1] میں چار شخص سب سے زیادہ علم والے ہیں عطاء، سعید بن جبیر، عکرمہ اور حسن بصری اور ان میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم عکرمہ ہیں، جس وقت وہ غزوات نبوی کا بیان کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان لڑائیوں میں وہ خود شریک تھے۔

تین سو سے زیادہ انکے شاگرد تھے، ان میں ستر سے زیادہ بہترین تابعی حضرات تھے۔

انھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ (جگر گوشۂ رسول) کی معیت میں حج کیا ہے خود ان کا بیان ہے کہ میں مزدلفہ سے حضرت حسین کے ساتھ منیٰ آیا وہ برابر لبیک پڑھتے رہے تا آنکہ جمرہ عقبہ پر کنکری ماری، میں نے اسکی نسبت ان سے سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں اپنے والد کے ساتھ مزدلفہ سے منیٰ آیا تو انکو ایسا کرتے دیکھا اور وہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے،

---

[1] وہ تابعین مراد ہیں جو ابن عباس کے شاگرد یا شاگردوں کے طبقہ میں تھے۔

عکرمہ کہتے ہیں کہ حج سے واپسی کے بعد میں نے حضرت ابن عباس سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ حضرت حسین نے ٹھیک کہا (مجمع الزوائد ص ۲۲۵)

عکرمہ کی وفات مدینہ میں سنہ ۱۰۴ھ میں ہوئی۔

عبداللہ بن شقیق البصری تابعین بصرہ کے طبقہ اولی میں ہیں، حضرت عمر و عثمان و علی و ابوذر وغیرہم سے حدیثیں سنی اور روایت کی ہیں، مجاب الدعوات تھے جریری کا بیان ہے کہ جب بدلی نظر آتی تو کہتے خدایا فلاں مقام سے آگے نہ بڑھے، بدلی جب تک وہاں برس نہ لیتی آگے نہ بڑھتی۔ انھوں نے حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں حج کیا ہے، اور تمتع کے مسائل میں جو مکالمہ حضرت عثمان و حضرت علی کے درمیان ہوا ہے اسکو انھوں نے سنا ہے۔

انکی وفات سنہ ۱۰۸ھ میں ہوئی (تہذیب و کنز ص [illegible])

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ مدنی انکی ولادت عہد نبوی میں ہوئی، حضرت عمر و عثمان و عبدالرحمن بن عوف وغیرہم سے حدیثیں سنی اور روایت کی ہیں، کبار تابعین میں انکا شمار ہے، صحاح ستہ میں انکی حدیثیں منقول ہیں۔

انھوں نے حضرت عمر و عبدالرحمن بن عوف کی معیت میں حج کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ ہم مکہ جا رہے تھے، راستہ میں آدھی رات کے وقت حدی خوان نے اونٹوں کو تیز کرنے کے لئے رجز پڑھنا شروع کیا، اسکی آواز حضرت عمر کے کان میں پڑی تو وہ اپنی سواری کو تیزی سے ہنکا کر آئے اور آکر دیکھا تو وہ حدی خوان عبدالرحمن بن عوف کے ساتھ تھا، اس وقت تو کچھ نہیں بولے، جب صبح صادق طلوع ہوئی تو فرمایا اب لبی گزر، اب چپ رہو، اب اللہ کو یاد کرو۔

(مجمع الزوائد ص ۲۱۹ بحوالہ مسند احمد)

عبداللہ بن عامر بن کریز بن ربیعہ

حضرت عثمان غنی کے ماموں زاد بھائی تھے، انکی ولادت بھی عہد نبوی میں ہوئی ہے، جب یہ پیدا ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیے گئے، حضرت نے ان کو دیکھکر فرمایا کہ ہمارے مشابہ ہے، اسکے بعد حضرت ان کے حق میں دعا وتعوذ فرمانے اور انکے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالنے لگے تو یہ آپ کا لعاب چوسنے اور نگلنے لگے، تب حضرت نے فرمایا کہ یہ سیراب ہوگا، اس ارشاد کا یہ اثر ہوا کہ وہ جس زمین کو بھی کام میں لانا چاہتے تھے اس میں پانی نکل آتا تھا، نہر ابن عامر انھیں کی کھدوائی ہوئی ہے۔

ابن عامر بڑے دریا دل، اور بہادر تھے، حضرت ابوموسی اشعری کے بعد ۲۹ھ میں انکو حضرت عثمان نے بصرہ کا گورنر مقرر کیا، پھر فارس کا حاکم بھی انھیں کو بنایا انھوں نے اپنے زمانۂ حکومت میں، پورا خراسان اور سجستان وکرمان فتح کیا، انکی فتوحات کا سلسلہ غزنہ کے اطراف تک پہونچ گیا تھا۔

جس وقت خراسان فتح ہوا اس وقت انکو ایسی مسرت ہوئی کہ انھوں نے کہا کہ اس خوشی کے شکریہ میں یہیں (نیشاپور) سے احرام باندھکر حج کے لیے جاؤں گا، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، جب حضرت عثمان کے پاس پہونچے تو انھوں نے ان کو ملامت کی کہ نیشاپور سے احرام نہ باندھنا چاہیئے تھا، (حضرت عمر وحضرت عثمان میقات کے پہلے سے احرام باندھکر آنے کو پسند نہیں فرماتے تھے)

ابوعمر فرماتے ہیں کہ ابن عامر اپنے ساتھ بہت زیادہ مال لائے تھے، سب کو قریش و انصار میں تقسیم کردیا۔ ابن عامر ہی پہلے شخص ہیں جس نے عرفات میں حوض بنوائے اور چشموں کا پانی وہاں پہونچایا (تہذیب ص۲۷۳) مرآۃ الحرمین میں ہے کہ دس چشموں کا پانی حضرت معاویہ نے زمین دوز نالیوں کے ذریعہ مکہ تک پہونچایا تھا اور اہل مکہ کے لیے بے انتہا سہولت پیدا کردی تھی، جب ابن عامر حج[1] کو آئے تو انھوں نے ان سب نالیوں کو ملاکر ایک

[1] ابن عامر کا یہ حج اس حج کے علاوہ ہے جو انھوں نے حضرت عثمان کے زمانہ میں کیا تھا ۱۲ منہ

نہر میں انکا پانی گرایا اور اسکو عرفات تک پہونچا کر حوضوں میں پانی جمع ہونے کا انتظام کیا اس کی وجہ سے مکہ اور عرفات دونوں میں پانی کی بڑی سہولت پیدا ہو گئی اور لوگوں کو بڑا آرام ملا۔ لیکن سنہ ۱۳۲ھ میں یہ نہریں خراب ہو گئیں اور پھر لوگ کنوؤں کا پانی استعمال کرنے لگے اور دوبارہ تکلیف میں مبتلا ہو گئے تا آنکہ ہارون رشید عباسی کی بیوی نے سنہ ۱۷۰ھ اور سنہ ۱۹۳ھ کے درمیان نہر زبیدہ کھدوائی۔

عبداللہ بن عامر کی وفات سنہ ۵۹ھ میں ہوئی۔

عبدالرحمٰن بن عبدالقاری

ایک قول کی بنا پر وہ صحابی صغیر ہیں۔ اور یہ تو بالکل یقینی ہے کہ وہ اکابر تابعین میں سے ہیں امام مسلم وغیرہ نے انکا ذکر مدینہ کے طبقہ اولی کے تابعین میں کیا ہے وہ مدینہ کے اجلۂ علماء میں سے ہیں حضرت عمر، ابوطلحہ، ابوایوب، ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں سنی اور روایت کی ہیں صحاح ستہ کے مستند رجال میں سے ہیں، خلافت فاروقی میں بیت المال کے والی تھے،

عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر کے ساتھ فجر کی نماز کے بعد خانۂ کعبہ کا طواف کیا جب حضرت عمر طواف ختم کر چکے تو انھوں نے مشرق کی طرف دیکھا، آفتاب نظر آیا اسلئے وہ سوار ہو کر روانہ ہو گیے جب مقام ذی طوی میں پہونچے تو انھوں نے وہاں طواف کے بعد کی دو رکعتیں ادا کیں۔ (موطا و کنز العمال ص ۳۶ ج ۳)

عبدالرحمٰن کی وفات سنہ ۸۰ھ میں ہوئی۔

حبیب بن صہبان کوفی

تابعین میں سے ہیں حضرت عمر و عمار بن یاسر سے حدیثیں روایت کرتے ہیں، انکا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر کو طواف کرتے دیکھا ہے وہ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان اور کعبہ کے گرد برابر ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار پڑھتے تھے اسکے سوا انکا اور کوئی کام نہ تھا۔

سوید بن غفلہ

اکابر تابعین میں سے ہیں، بارہ گاہ نبوی میں حاضری کے ارادہ سے چلے مگر جب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ ہوئے اس وقت مدینہ پہونچے، حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و ابن مسعود و بلال و ابی بن کعب و ابوذر و ابو الدرداء رضی اللہ عنہم سے حدیثیں سنی ہیں، اور خلفائے اربعہ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے ہیں، دنیا سے بڑے بے نیاز اور نہایت متواضع تھے، ابن المدینی فرماتے ہیں کہ میں احمد بن حنبل کے گھر میں داخل ہوا تو اسکو ویسا ہی پایا جیسا لوگ سوید کے گھر کا حال بتاتے ہیں، ایک سو تیس برس کی عمر میں بھی تراویح میں کھڑے ہوکر قرآن سنایا کرتے تھے، ایک سو تیس برس کی عمر میں ۸۰ھ میں وفات پائی، حج سے بھی بہرہ اندوز ہوئے ہیں خود انکا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر کو دیکھا ہے کہ انھوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور سینہ سے لگایا اور فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو (بذات خود) کوئی نفع وضرر نہیں پہونچا سکتا مگر میں نے ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تجھ سے بہت وابستہ پایا ہے۔ (کنز ص ۳۵)

ان سے کوئی بیان کرتا کہ فلاں کو اتنا مال ملا یا فلاں آدمی حاکم بنا دیا گیا تو فرماتے حسبی کسرتی وملحی (مجھ کو میری روٹی کا ٹکڑا اور میرا نمک بس ہے) فرماتے تھے کہ جب جنازہ روانہ ہوتا ہے تو فرشتے آگے چلتے ہیں اور یہ پوچھتے ہیں کہ اس نے آگے کیا بھیجا ہے اور لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ اس نے اپنے پیچھے کیا چھوڑا ہے؟ (صفۃ الصفوۃ)

حارث بن عبد اللہ بن ربیعہ

حضرت عبد اللہ بن الزبیر نے انکو بصرہ کا حاکم مقرر کیا تھا حضرت عمر وغیرہ سے احادیث روایت کرتے ہیں، انھوں نے حضرت عمر کے عہد میں حج کیا تھا، فرماتے ہیں کہ ایک شخص وسط ایام تشریق میں حضرت عمر کے پاس آیا اور کہا کہ میرا حج فوت ہوگیا ہے آپ نے فرمایا کہ جاؤ خانۂ کعبہ کا طواف اور سعی کر کے احرام اتار ڈالو اور آئندہ سال حج کرو۔ (کنز العمال ص ۵۴)

قبیصہ بن جابر فقہائے کوفہ کے طبقہ اولیٰ میں انکا شمار ہے، حضرت معاویہ کے رضاعی بھائی ہیں، حضرت عمر و طلحہ و ابن عوف و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ابن خراش نے کہا ہے جلیل من نبلاء التابعین (کہ وہ بڑے باعظمت تابعی ہیں) وہ کہتے تھے کہ میں بتاؤں میں نے کن لوگوں کی صحبت اٹھائی ہے، میں حضرت عمر کی صحبت میں رہا ہوں میں نے ان سے زیادہ کتاب اللہ کا سمجھنے والا نہیں دیکھا، اور حضرت طلحہ کی صحبت سے فیض یاب ہوا ہوں میں نے ان سے زیادہ داد و دہش والا نہیں دیکھا، پھر میں حضرت عمرو ابن العاص کی صحبت میں رہا ہوں میں نے ان سے زیادہ ظریف انسان نہیں دیکھا، اور حضرت معاویہ کی صحبت بھی اختیار کی ہے، میں نے ان سے زیادہ حلیم و بردبار نہیں دیکھا اور میں حضرت مغیرہ کے پاس بھی رہا ہوں انکا حال یہ تھا کہ اگر کسی شہر میں متعدد دروازے ہوں اور کسی دروازے سے بھی بغیر کسی خفیہ تدبیر کے نکلنا ممکن نہو تو مغیرہ ہر دروازے سے نکل سکتے تھے۔

انھوں نے حضرت عمر کے زمانہ میں اپنے حج کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جو کنزالعمال ص۲۹ میں مذکور ہے، انکی وفات ۶۹ھ میں ہوئی۔

حضرت محمد بن الحنفیہ حضرت علی کے صاحبزادے تھے، حضرت ابوبکر یا حضرت عمر کی خلافت میں پیدا ہوئے، بچپن میں حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور حضرت عثمان و علی و عمار رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، افاضل اہل بیت میں سے تھے، ایک قول ہے کہ انکی ماں سندی تھیں انکا ارشاد ہے کہ جس کو اپنی ذات عزیز ہو گی اسکی نگاہ میں دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہو گی، اور فرماتے ہیں کہ اللہ نے تمھاری جانوں کی قیمت جنت قرار دی ہے، لہذا اسکے سوا کسی دوسری چیز کے عوض اپنی جانوں کو نہ بیچو۔

فرماتے ہیں کہ جس چیز سے اللہ کی رضا مندی مطلوب نہ ہوگی وہ مضمحل ہو کر رہیگی

انھوں نے ایک بار حضرت علی و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے ساتھ حج کیا اور سب لوگ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تو اس کے اندر نماز نہیں پڑھی (کنز العمال ص ۹۳ ج ۳) آخری حج انھوں نے اس سال کیا جس سال حضرت عبداللہ بن الزبیر شہید ہوئے ہیں اور واپسی کے صرف تین دن بعد خود انکا انتقال ہوگیا، جیسا کہ ابوحمزہ کا بیان ہے حضرت عبداللہ بن الزبیر کی شہادت سنہ ۷۳ھ میں ہوئی ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ محمد بن الحنفیہ کی وفات سنہ ۸۱ھ میں ہوئی۔

کعب الاحبار اصلاً یمنی ہیں، اسلام کے بعد شام میں سکونت اختیار کر لی تھی، تابعین شام کے طبقۂ اولیٰ میں انکا شمار ہے، حضرت ابوبکر یا حضرت عمر کے عہد میں اسلام لائے، اسلام سے پہلے بہت بڑے یہودی عالم تھے، حضرت ابوالدرداء فرماتے تھے کہ ابن الحمیری (کعب) کے پاس بہت علم ہے، حضرت معاویہ بھی انکی حکمت و دانائی کے قائل تھے، تابعین کے علاوہ بعض صحابہ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔

انھوں نے حضرت عمر کے زمانہ میں حضرت معاذ بن جبل وغیرہ کی معیت میں حج کیا تھا۔

ایک سو چار برس کی عمر میں بمقام حمص سنہ ۳۲ھ میں وفات پائی۔

عباد عصری بصرہ کے تابعین کے طبقۂ اولیٰ میں تھے، انکا بیان ہے کہ عرفات میں ہمارے خیموں کے پاس کھڑے ہو کر حضرت عمر نے پوچھا کہ یہ کس کے خیمے ہیں لوگوں نے کہا قبیلۂ عبدالقیس کے، حضرت عمر نے انکے حق میں دعائے مغفرت کی اور فرمایا یہ یوم الحج الاکبر ہے اس دن کوئی روزہ نہ رکھے۔ (ابن سعد وغیرہ ص ۹ ج ۷)

عبداللہ بن حارث بن نوفل انکی ولادت عہد نبوی میں ہوئی، طبقۂ اولیٰ کے تابعین میں سے ہیں، حضرت عمر اور حضرت عثمان وغیرہما سے حدیثیں روایت کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن الزبیر کی طرف سے بصرہ کے

والی تھے، حضرت عثمان کے عہد میں ان کے حج کا ایک واقعہ کنز العمال ص۳۲۳ میں مذکور ہے
حضرت عثمان کے زمانہ میں وہ والی مکہ بھی تھے، ام حبیبہ ام المومنین کی بہن ہند کے بیٹے
اور حضرت معاویہ کے بھانجے تھے، ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ فقہائے مدینہ میں سے تھے
جب یہ بچے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن انکے منہ میں ڈالا تھا
اور انکے لیے دعا کی تھی، بہت سی حدیثوں کے راوی اور صحاح ستہ کے رجال
میں سے ہیں ۷۸ھ میں وفات پائی۔

عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب

آپ کا شمار کم سن صحابیوں میں ہے، جب حضرت
جعفر نے اپنی بی بی اسماء بنت عمیس کو لے کر حبشہ کی
طرف ہجرت کی تھی تو وہیں آپ کی پیدائش ہوئی، ہجرت حبشہ کے بعد اس ملک
میں سب سے پہلا مسلمان بچہ جو پیدا ہوا وہ آپ ہی تھے، سخاوت و فیاضی میں بے مثل
تھے، اسلئے آپ کا لقب بحر الجود اور قطب السخا تھا، ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ اسلام
میں ان سے بڑھ کر کوئی سخی نہیں ہوا۔ ایک بار نصیب شاعر نے انکی مدح میں ایک
قصیدہ سنایا تو آپنے اس کو بہت سے گھوڑے، اونٹ، کپڑے اور دینار و درہم دے
ڈالے، کسی نے کہا آپ اس سیاہ فام کو اس قدر دے رہے ہیں تو فرمایا کہ ہاں، وہ کالا
ہے مگر اسکے شعر صاف و سپید ہیں، وہ اس سے بھی زیادہ کا مستحق ہے، ہم نے جو کچھ
اس کو دیا ہے وہ فنا ہو جانے والا ہے مگر اسکے اشعار زندۂ جاوید ہیں۔ ان کے اس
طرح کے واقعات بکثرت منقول ہیں، حضرت معاویہ انکا بیحد اکرام کرتے تھے، جب
جاتے تھے تو انکو اپنے گھر میں ٹھہراتے تھے اور فرماتے تھے کہ بنی ہاشم میں (اسوقت)
یہ ایک ہی آدمی ہیں اور وہ ہر شرف کے اہل تھے، ایک دفعہ وہ حج کے ارادہ سے
روانہ ہوئے تو مقام سقیا میں پہونچکر معلوم ہوا کہ حضرت حسین بھی مکہ جا رہے تھے مگر یہاں
پہونچکر بیمار ہو گئے ہیں اسلئے آپ انکی تیمار داری کے لئے وہیں رک گئے حضرت حسین

کی بیماری طول پکڑ گئی اور اب مزید رکنے میں حج کے فوت ہو جانے کا اندیشہ تھا اسلئے آدمی بھیج کر مدینہ سے حضرت علی اور اسماء بنت عمیس کو بلوایا اور خود مکہ روانہ ہو گئے۔

(کنز العمال ص۵۴ ج۳)

کنز العمال ص۵۶ ج۳ میں حضرت عمر کے عہد خلافت میں بھی ان کے حج کا ایک واقعہ مذکور ہے آپ کی وفات عام الجحاف ۸۰ھ میں ہوئی۔ اس سال مکہ معظمہ میں ایسا زبردست سیلاب آیا تھا کہ بہت سے حجاج اور لدے ہوئے اونٹ بہہ گئے تھے اسلئے اس سال کو عام الجحاف کہتے ہیں۔

عمیر بن الاسود کبار تابعین میں سے ہیں، حضرت عمر، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل اور عبادہ بن الصامت وغیرہم سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ وہ بالاتفاق ثقہ عالم تھے، اور ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ شام کے عابد و زاہد بزرگوں میں سے تھے، ایک بار حضرت عمر کا گذر انکی طرف سے ہوا تو ان کو دیکھ کر فرمایا کہ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روش دیکھنی ہو وہ اس (عمیر) کی روش دیکھ لے، مجاہد فرماتے تھے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بعد عمیر سے بڑھ کر عالم نہیں دیکھا۔

انکے حج کی تصریح نظر سے نہیں گذری مگر ملک شام سے ان کا مدینہ آنا ثابت ہے اور کنز العمال ص۵۵ ج۳ میں انکا بیان مذکور ہے کہ میں نے حضرت عمر سے پوچھا کہ محرم موزے پہن سکتا ہے یا نہیں تو فرمایا کہ جس کے پاس جوتے نہوں اسکے لئے چمڑے کے موزے ہی جوتے ہیں۔

عمیر بن الاسود کی وفات حضرت معاویہ کے عہد خلافت میں ہوئی۔

مسروق بن سوید تابعین کوفہ کے طبقہ اولیٰ میں ہیں، حضرت عمر، ابوذر، عبداللہ بن مسعود وغیرہم سے حدیث روایت کرتے ہیں، بہت کثیر الحدیث تھے، صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں، ایک سو بیس برس سے زیادہ عمر پائی تھی،

انھوں نے حضرت عمر کے زمانہ میں حج کیا تھا۔ (کنز العمال ص۱۴۴ ج۳)

میمون بن مہران طبقہ اولی کے تابعین میں بڑے فقیہ و مجتہد تھے۔ عمر بن عبد العزیز کے دور خلافت میں جزیرہ کے قاضی تھے، ابو الملیح رقی کہتے ہیں کہ میں نے میمون سے افضل انسان نہیں دیکھا، عمرو بن میمون کا بیان ہے کہ ہمارے والد بہت زیادہ روزہ نماز نہیں کرتے تھے مگر خدا کی نافرمانی انکو سخت ناپسند تھی، کسی نے ان سے کہا کہ جب تک آپ زندہ ہیں اس وقت تک لوگ خیریت سے رہیں گے تو فرمایا کہ جاؤ اپنا کام کرو لوگ جب تک اللہ سے ڈرتے رہیں گے خیریت سے رہیں گے۔

میمون نے سترہ دن میں سترہ ہزار رکعتیں پڑھی تھیں۔

انکا مدینہ آنا اور سعید بن المسیب سے مسائل پوچھنا ثابت ہے، حج کی تصریح ابتک نظر سے نہیں گذری، کنز العمال ص۱۵ ج۳ میں حضرت ابوبکر سے جو انکی روایت منقول ہے وہ مرسل ہے، انکی وفات سنہ ۱۱۷ھ میں ہوئی۔

اسلم مولی عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر کے جلیل القدر غلام اور خادم تھے، حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کرتے ہیں، عہد صدیقی میں جب حضرت عمر امیر الحج ہو کر گئے تھے تو اسی سال انھوں نے اسلم کو خریدا تھا، حضرت اسلم کبار تابعین میں سے ہیں اور صحاح ستہ میں انکی روایات مروی ہیں، انکے بیٹے زید اور پوتے عبد الرحمن بھی اکابر اہل علم میں سے ہیں، مسجد نبوی میں زید بن اسلم کا ایک حلقہ قائم تھا جس میں امام زین العابدین بھی ان سے استفادہ کے لیے آیا کرتے تھے ایک بار نافع بن جبیر نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں کے سردار اور افضل ہیں اسکے باوجود اس غلام کے پاس جاتے ہیں اور اسکے ساتھ بیٹھتے ہیں تو فرمایا کہ علم جہاں بھی ہو اسکی پیروی کرنی چاہیے اور ایک روایت میں ہے کہ آدمی کو اسی کے پاس بیٹھنا چاہیے جس سے دین کا نفع ہو۔

اسلم نے حضرت عمر کے ساتھ حج کیے ہیں۔ (کنز العمال ص۱۵۲) انکی وفات ۸۰ھ اور ۹۰ھ کے درمیان ہوئی۔

طارق بن شہاب کبار تابعین اور حضرت ابن مسعود کے اصحاب میں سے ہیں، صحاح ستہ میں انکی روائتیں ہیں، انھوں نے حضرت عمر کے ساتھ حج کیا ہے۔

(کنز العمال ص۹ و ص۱۵۲ و ص۵۵۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت کا شرف انکو حاصل ہے۔ ۸۲ھ میں اُن کی وفات ہوئی۔

ربیعہ بن عبد اللہ محمد بن المنکدر کے چچا ہیں عہد نبوی میں پیدا ہوئے اور حضرت ابو بکر وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، بہت بزرگ آدمی تھے، کبار تابعین میں انکا شمار ہے، حضرت عمر کے عہد میں انھوں نے حج کیا ہے۔ (کنز العمال ص۵۵۲)

۹۳ھ میں انکی وفات ہوئی۔

عبد الرحمٰن بن حاطب ابن معین نے انکا ذکر مدینہ کے تابعین و محدثین کے سلسلہ میں کیا ہے اور زہری نے مدینہ کے فقہا میں انکو شمار کیا ہے تابعین کے طبقہ اولی میں تھے، رویت نبوی کا شرف انکو حاصل تھا، انھوں نے حضرت عثمان کے ساتھ عمرہ کیا ہے۔ (کنز العمال ص۵۲)

امام مسروق رحمۃ اللہ عالم ربانی حضرت مسروق ہمدانی، حضرت عمر و علی و عبداللہ بن مسعود اور حضرت عائشہ وغیرہم کے شاگرد رشید اور کبار تابعین میں سے تھے

علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ ابن مسعود کے شاگردوں میں کسی اور کو میں مسروق سے آگے نہیں بڑھا سکتا۔

ان کے باب میں مذکور ہے کہ حج کے لیے نکلے تو روانگی سے لیکر واپسی تک ایک رات بھی پیٹھ زمین سے نہیں لگائی، سجدہ میں رات گذارتے تھے اور پہلو کے بجائے پیشانی زمین

پر رکھ کر سجدہ کرتے تھے۔

مسروق کی وفات کوفہ میں سنہ ۶۳ھ میں ہوئی۔

امام اسود بن یزید رحمۃ اللہ آپ شیخین و حضرت علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے تلمیذ و صحبت یافتہ تھے، رمضان میں ہر دوسرے دن قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے، حج سے انکو عشق تھا، ذہبی نے لکھا ہے۔

کان من العبادۃ والحج علی امر کبیر (تذکرہ)

(ترجمہ) حج اور عبادت کے بارے میں انکا معاملہ بڑا عظیم الشان تھا۔

انھوں نے اسّی حج اور اسّی عمرے الگ الگ کیے تھے۔

یزید بن زریع کہتے ہیں کہ حضرت اسود اپنی اونٹنی پر بیٹھتے اور حج کو نکل جاتے وہ راستہ کے میدانوں میں چر لیا کرتی تھی اور خود اس کے دودھ پر بسر کر لیا کرتے تھے، یہ پورا سفر اسی صورت سے کرتے اور اسی طرح واپس آتے (سیر السلف)

کوفہ میں سنہ ۷۵ھ میں وفات پائی۔

آپ کے بیٹے عبد الرحمن نے بھی اسّی حج اور اسّی عمرے کئے تھے (تذکرہ)

مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر حضرت عثمان و علی و ابی و ابوذر رضی اللہ عنہم سے حدیثیں سنی ہیں، بصرہ کے مشہور بزرگوں میں ہیں، طاعون جارف کے بعد انکی وفات ہوئی، طاعون جارف سنہ ۸۷ھ میں ہوا تھا، اور ایک قول یہ ہے کہ انکی وفات سنہ ۹۵ھ میں ہوئی۔

مطرف حج کرنے گئے تو عرفات میں یہ دعا کرتے تھے ــــ اللّٰھم لا ترد الجمیع من اجلی (خداوندا! میری وجہ سے ان سب کو مردود نہ قرار دینا)

بزرگوں کے تواضع و کسر نفس اور خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ اپنے کو سب سے بڑا قصور

کرتے تھے۔

ابو الشعثاء جابر بن زید حضرت ابن عمر و ابن عباس کے شاگرد تھے، علم میں یہ پایہ تھا کہ حضرت ابن عباس ان کے مداح تھے۔

جابر بن زید فرماتے تھے کہ میں نے نیکی کے کاموں کو بغور دیکھا تو یہ سمجھ میں آیا کہ نماز میں صرف جسم کو کچھ مشقت ہوتی ہے، مال نہیں خرچ ہوتا، اور روزے کا بھی یہی حال پایا ہاں حج بیشک ایسی چیز ہے جس میں مالی وجسمانی دونوں قربانیاں ادا کرنی پڑتی ہیں، اسلئے میں نے حج کو ان سب سے افضل پایا۔[۱]

منقول ہے کہ جابر بن یزید تین چیزوں میں مول تول نہیں کرتے تھے۔

(۱) مکہ جانے کے لئے سواری کے کرایہ میں۔

(۲) آزاد کرنے کے لئے جن غلاموں کو خریدتے تھے، انہیں

(۳) اور قربانی کے جانوروں میں،

حاصل یہ کہ جس چیز سے اللہ کی قربت حاصل کرنا مقصود ہوتا اسکے کرایہ یا قیمت میں مول تول کے قائل نہ تھے۔

فرماتے تھے کہ فرض حج ادا کرنے کے بعد نفل حج کرنے کے مقابل میں میرے نزدیک یہ زیادہ پسندیدہ ہے۔ کہ کسی یتیم یا مسکین کو ایک درہم خیرات دوں۔

ایک بار طواف کی حالت میں ان کی ملاقات حضرت ابن عمر سے ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ جابر تم بصرہ کے فقہاء میں سے ہو اور تم سے لوگ مسائل پوچھیں گے تو تم قرآن ناطق سے یا اس سنت سے فتوی دینا جس پر عمل درآمد ہو، اسکے خلاف کروگے تو خود بھی ہلاک ہوگے دوسروں کو بھی ہلاک کروگے۔

---

[۱] حج کو ایک خاص حیثیت سے افضل قرار دینا مراد ہو، مطلقاً نہیں، یا نفلی حج کو نماز نفل سے افضل سمجھتے تھے، ۱۲ منہ

مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جابر میرے پاس تشریف لائے، میں نے ان سے امامت کرنے کو کہا تو انھوں نے انکار کیا اور فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جن میں سے ہر ایک کا مالک ہی اس کا زیادہ مستحق ہے، گھر والا اپنے گھر میں امامت کا زیادہ حقدار ہے، اور جہاں آدمی جس فرش پر بیٹھتا ہے اسکے صدر مقام کا وہی زیادہ مستحق ہے، نیز سواری کا مالک آگے بیٹھنے کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔

جابر بن زید کی عادت تھی کہ کوئی کھوٹا درہم انکے ہاتھ میں پڑ جاتا تو وہ اس کو کاٹ دیتے تھے تاکہ کسی دوسرے مسلمان کو دھوکا نہو۔

مذکور ہے کہ جب انکی وفات کا وقت قریب آیا تو وہ رونے لگے، کسی نے پوچھا آپ روتے کیوں ہیں؟ فرمایا شب بیداری اور راتوں کے گریہ وزاری سے جی سیر نہیں ہوا۔

(سیر السلف)

ایک بار خانہ کعبہ کے اندر ان کی ملاقات حضرت ابن عمر سے ہوئی اور انھوں نے آپ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کی ٹھیک جگہ معلوم کی (تذکرہ ۹۳)

جابر بن زید کی وفات ۱۰۳ھ میں ہوئی۔

بکر بن عبد اللہ مزنی انھوں نے حضرت ابن عمر و حضرت جابر و حضرت انس وغیرہم سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

انھوں نے اور مطرف نے (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے) ایک ساتھ حج کیا تھا، عرفات میں مطرف نے یہ دعا کی کہ خداوندا! آج ان سب لوگوں کو میری وجہ سے رد کر نہ دینا اور بکر نے کہا کہ:

ما اشرفہ من مقام و ارجاہ لولا انی فیہم

دیکھے شرف کی اور کتنی امید کی یہ جگہ ہے، اگر میں ان لوگوں میں نہ ہوتا۔

یعنی میں اتنا برا ہوں کہ میری وجہ سے دوسرے محروم ہوں تو بعید نہیں ورنہ اس

سرزمین سے بڑا شرف حاصل ہوتا ہے اور بڑی بڑی امیدیں پوری ہوتی ہیں، ع

خاک آپ کو سمجھنا اکسیر ہے تو یہ ہے

بکر بن عبداللہ کی وفات سنہ ۱۰۶ھ یا سنہ ۱۰۸ھ میں ہوئی۔

حضرت ثابت بنانی

وہ حضرت انس کے شاگرد باختصاص تھے، اور ابن عمرو ابن الزبیر و عبداللہ بن مغفل سے بھی حدیثیں سنی ہیں ان سے عطاء، قتادہ اور سلیمان تیمی نے حدیثیں روایت کی ہیں، صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں۔ حضرت انس کی صحبت میں چالیس سال رہے ہیں، بڑے عبادت گذار تھے، روزانہ ایک ختم قرآن پاک پڑھتے تھے، اور صائم الدہر تھے، سنہ ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔

فرماتے تھے کہ ہم جبل عرفات پر دسویں ذی الحجہ کو وقوف میں تھے کہ دو جوانوں پر ہماری نگاہ پڑی، ایک نے دوسرے سے کہا دوست! اس نے کہا ہاں دوست!! پہلے نے کہا یہ تو بتاؤ کہ ہم نے جس کی رضا جوئی کے لیے آپس میں محبت کی ہے وہ کل بروز قیامت ہم کو عذاب دے گا؟ اسکے جواب میں ایک منادی بولا جو کسی کو دکھائی نہیں دیا مگر اسکی آواز کانوں نے سنی کہ نہیں! وہ ایسا نہ کرے گا!!

بکر بن عبداللہ کہتے تھے کہ ہم نے ان سے زیادہ عبادت گذار آدمی نہیں دیکھا۔

ہشام کہتے ہیں کہ راتوں کو جاگنے، اور بہت لمبی نماز پڑھنے پر ثابت سے بڑھ کر صابر و ثابت قدم ہم نے کسی کو نہیں پایا، ایک بار سفر حج میں مکہ تک میرا انکا ساتھ ہوا تو ان کا یہ حال تھا کہ اگر کسی منزل میں ہم رات کو اترتے تو وہ سواری سے اتر کر نماز شروع کر دیتے، اور اگر ہم منزل نہ کرتے تو رات بھر یا تو انکے رونے کی آواز سنائی دیتی تھی یا تلاوت کرنیکی۔

افضل التابعین سعید بن المسیب

آپ نے حضرت عمر و حضرت عثمان اور دوسرے اکابر صحابہ کو دیکھا اور ان سے حدیثیں سنی ہیں، امام احمد کے قول کے مطابق وہ افضل التابعین اور ابن المدینی کی نظر میں اجل التابعین

اور تابعین میں سب سے وسیع علم والے تھے ، امام حسن بصری کو کوئی اشکال پیش آتا تھا تو خط لکھ کر ابن المسیب سے اس اشکال کو حل کراتے تھے ۔ بلکہ حضرت ابن عمر بھی آدمی بھیجکر حضرت عمر کے بعض اقوال و احوال کی نسبت ان سے معلومات حاصل کرتے تھے اسلئے کہ انھوں نے بڑے اہتمام سے پوچھ پوچھ کر حضرت عمر کے فتاوی و احکام اور حالات کا علم حاصل کیا تھا اور خوب حاوی ہو گئے تھے ، حضرت ابوہریرہ کے داماد تھے اور تابعین میں سب سے زیادہ باعظمت ۔

یہ تو ان کے علمی کمالات تھے عملی سرگرمی کا یہ حال تھا کہ چالیس سال تک کبھی جماعت فوت نہیں ہوئی بلکہ ایک روایت میں ہے کہ پچاس برس تک کبھی تکبیرۂ اولی فوت نہیں ہوئی ، عبدالملک بن مروان نے حاکم مدینہ کو حکم بھیجا کہ اہل مدینہ سے ولید و سلیمان (عبدالملک کے دونوں لڑکوں) کے لیے بیعت لی جائے تو ابن المسیب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بیعتوں سے منع کیا ہے ، اس جرم میں انکو کوڑے لگائے گئے اور بازار میں انکی تشہیر کی گئی تشہیر کے بعد واپس لائے جا رہے تھے تو لوگ مسجد نبوی سے عصر کی نماز پڑھ کر نکل رہے تھے ، اس وقت انھوں نے بڑی حسرت سے کہا کہ چالیس برس سے میں نے مسجد سے نماز پڑھ کر واپس ہونے والوں کا منہ نہیں دیکھا تھا ، (اس لیے کہ وہ جماعت سے بہت پہلے مسجد میں حاضر رہتے تھے ۔) ان کی روزہ داری کا یہ حال تھا کہ مسلسل روزے رکھتے تھے ۔

اور حج کی نسبت خود ان کا بیان ہے کہ میں نے چالیس حج کئے ہیں ۔

جس وقت ان کے مخلصوں کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ ان پر حکومت سختی کرے گی تو یہ مشورہ دیا کہ آپ عمرہ کرنے کے لیے مکہ چلے جائیں تو انھوں نے جواب دیا کہ جس کام میں نیت نہ ہو یعنی خالص خدا کی رضا جوئی کے لیے نہ ہو اس کے لیے میں نہ اپنا مال خرچ کر سکتا ہوں نہ اپنے بدن کو مشقت میں مبتلا کر سکتا ہوں ، انھیں ایام میں کسی نے یہ مشورہ دیا کہ چند دن گھر

میں بیٹھے رہیے اور مسجد میں نہ آیئے تو فرمایا کہ حی علی الفلاح کی آواز میرے کانوں میں آئے اور میں نہ آؤں یہ نہیں ہوسکتا۔

دیانت وخیر خواہی کا یہ عالم تھا کہ جب حکومت کی طرف سے ممانعت ہوگئی کہ کوئی ان کے پاس نہ بیٹھے تو اس زمانہ میں ایک بیرونی آدمی ان کے پاس آکر بیٹھ گیا، آپ نے اس سے کہا کہ بھائی میرے پاس بیٹھنے کی ممانعت ہے، اس نے کہا میں پردیسی ہوں آپ نے فرمایا ہاں مگر میں نے چاہا کہ تم کو بتادوں اور حقیقت حال سے باخبر کردوں۔ اس پردیسی کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی وہ برابر کہدیا کرتے تھے کہ حکومت نے مجھ کو کوڑے لگوائے ہیں اور میرے پاس بیٹھنے سے منع کردیا ہے۔

فرماتے تھے کہ مصیحف اور مسیجد (بصیغۂ تصغیر) خدا کے لیے جو چیز بھی ہے وہ باعظمت اور حسین وجمیل ہے، کسی نے پوچھا عبادت کیا ہے فرمایا اللہ کے امر میں غور وفکر کرنا حرام سے بچنا اور خدا کے فرائض ادا کرنا، اور ایک روایت میں دین کی سمجھ پیدا کرنے کا بھی ذکر ہے، فرماتے تھے کہ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز پنجگانہ پر محافظت ومداومت کرے اس نے خشکی وتری کو عبادت سے بھر دیا۔

آپ کی وفات ۱۰۵ھ میں یا اس سے پہلے ہوئی۔ (تذکرہ، حلیہ)

فقیہ مدینہ سلیمان بن یسار

مدینہ کے مشہور وممتاز فقیہ اور بڑے عالم تھے۔ سعید بن المسیب کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تھا تو وہ اس کو سلیمان کے پاس بھیجدیتے تھے، محمد بن الحنفیہ کے بیٹے حسن فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے نزدیک سعید بن المسیب سے زیادہ فہیم تھے، حضرت عائشہ، ابوہریرہ اور زید بن ثابت وغیرہم کے شاگرد تھے۔

ابوحازم کا بیان ہے کہ جب سلیمان حج کو جارہے تھے تو مقام ابواء میں قافلہ رکا، سلیمان اپنے خیمہ میں تھے کہ ایک نہایت حسین وجمیل عورت خیمہ میں گھس آئی، اور اس

نے اسکو فریفتہ کرنا چاہا، انھوں نے انکار کیا، مگر وہ ان کے اور قریب آگئی تو یہ اسکو وہیں چھوڑکر بھاگ کھڑے ہوئے، سلیمان فرماتے ہیں کہ جب میں مکہ پہونچا، اور طواف وسعی سے فارغ ہوکر حطیم میں گیا تو وہاں تھوڑی دیر کے لیے مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی، اسی حالت میں میں نے خواب میں ایک نہایت خوبصورت، خوش پوشاک شخص کو دیکھا، اسکے جسم سے خوشبو آرہی تھی، میں نے پوچھا خدا آپ پر رحم کرے آپ کون ہیں؟ جواب ملا، میں یوسف بن یعقوب ہوں، میں نے کہا یوسف صدیق، فرمایا ہاں! میں نے عرض کیا آپ کا اور زلیخا کا قصہ بڑا عجیب ہے، فرمایا کہ ابوا والی عورت کا قصہ اس سے بھی عجیب ہے۔ (سیر السلف)

بعض روایات میں یہ واقعہ سلیمان بن یسار کے بڑے بھائی عطاء کی طرف منسوب ہے مگر حافظ ابو القاسم اصفہانی نے سیر السلف (قلمی) اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اسکو سلیمان ہی کے تذکرہ میں لکھا ہے، سلیمان بن یسار کی وفات سنہ ۱۰۷ھ میں ہوئی۔

امام ربانی عطاء بن یسار

سلیمان مذکور کے بھائی، اور حضرت ابن مسعود، عائشہ، اسامہ بن زید اور ابو ہریرہ کے شاگرد تھے، فقیہ اور واعظ تھے اپنے زمانہ میں صف اول کے علماء میں شمار کیے جاتے تھے، عطاء وسلیمان دونوں بھائی حافظ حدیث تھے، سلیمان بن یسار کے سفر حج میں ان کے رفیق تھے، سنہ ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔ (صفۃ الصفوۃ)

عمرو بن میمون

آپ بھی جلیل القدر تابعی تھے، حضرت عمر، علی وابن مسعود سے شرف تلمذ حاصل تھا، آپ کی وفات سنہ ۷۴ھ میں ہوئی، آپ نے سو حج اور عمرے کئے، اور ایک روایت میں ہے دونوں کی مجموعی تعداد ساٹھ مذکور ہے انھوں نے حضرت عمر کی معیت میں بھی حج کیا ہے۔ (کنز العمال جلد ۳)

علی بن الحسین

آپ کا لقب زین العابدین ہے، بہت خدا ترس، اور بہت عبادت گذار تھے، حضرت حسین کے صاحبزادہ اور حضرت علی مرتضیٰ کے پوتے

تھے، دلوں میں انکی ایسی عظمت و وقعت اور نگاہوں میں ایسا احترام تھا کہ ہشام بن عبدالملک اپنی ولیعہدی کے زمانے ایک بار حج کو آیا تھا، اسی سال علی بن الحسین بھی حج کو آئے تھے، اتفاق سے طواف میں ساتھ ہو گیا، اور ہشام ان سے پہلے حجر اسود کے پاس پہونچا، اس نے انتہائی کوشش کی کہ حجر اسود کا بوسہ نصیب ہو جائے مگر کسی طرح ممکن نہ ہوا۔ اسکے بعد علی بن الحسین وہاں پہونچے تو سارے لوگ اپنی اپنی جگہ ٹھٹک گئے اور جو حجر کے پاس تھے وہ وہاں سے ہٹ گئے اور انھوں نے باطمینان حجر اسود کو چوما۔

ہشام کے آدمیوں نے اس سے پوچھا کہ یہ کون آدمی ہے؟ اس نے کہا میں نہیں پہچانتا اس موقع پر فرزدق شاعر موجود تھا اس نے نہایت جرأت سے کہا میں انکو پہچانتا ہوں، یہ علی بن الحسین ہیں اور اپنا وہ مشہور قصیدہ پڑھا جس کے ابتدائی شعر یہ ہیں۔

هذا ابن خير عباد الله كلهم — هذا التقي النقي الطاهر العلم

هذا الذي تعرف البطحاء وطأته — والبيت يعرفه والحل والحرم

سفیان سے مروی ہے کہ ایک بار انھوں نے حج یا عمرہ کا ارادہ کیا اسکی اطلاع انکی بہن سکینہ کو ہوئی تو سکینہ نے ایک ہزار درہم خرچ کر کے ان کے لیے دسترخوان تیار کیا، اور تیاری کے بعد انکی خدمت میں بھجوایا، انھوں نے قبول کر لیا، لیکن حرہ پہونچکر سب کا سب مسکینوں کو بانٹ دیا، آپ نے ۵۰ برس کی عمر میں ۹۴ھ یا ۹۲ھ میں رحلت فرمائی، اور بقیع مدینہ میں مدفون ہوئے۔

محمد بن علی آپ کا لقب باقر ہے، بڑے عالم اور امام و پیشوائے دین، اور علم و عمل میں اپنے پدر بزرگوار امام زین العابدین کے جانشین تھے۔

انکے غلام افلح کا بیان ہے کہ میں سفر حج میں انکا ہمرکاب تھا، وہ جب مکہ پہونچکر مسجد حرام میں داخل ہوئے اور بیت اللہ پر انکی نگاہ پڑی تو چیخ چیخ کر انھوں نے رونا شروع کیا، میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ

رہے ہیں، ورا آہستہ آہستہ رو دیے، فرمایا افلح! تیری خرابی، میں کیوں نہ روؤں، ممکن ہے حق تعالیٰ اپنی رحمت کی ایک نگاہ مجھ پر ڈال دے تو کل قیامت کے دن اسی ایک نگاہ سے اس کے پاس میرا کام چل جائے گا. اس کے بعد انھوں نے خانۂ کعبہ کا طواف کیا پھر مقام ابراہیم کے پاس آکر طواف کی دو رکعتیں پڑھنا شروع کیں، جب سجدہ سے انھوں نے سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ سجدہ کی جگہ ان کے آنسوؤں سے تر ہے، اپنی وفات کے وقت انھوں نے وصیت کی کہ مجھے میرے اس کرتے میں کفنایا جائے جس کو پہن کر میں نماز پڑھا کرتا تھا. آپ کی وفات ۷۳ برس کی عمر میں ہوئی سال وفات سنہ ۱۱۷ھ یا سنہ ۱۱۶ھ یا سنہ ۱۱۴ھ ہے.

صفوان بن سلیم زہری بڑے باخدا، اور زُہّاد تابعین میں سے ہیں، امام احمد کا قول ہے کہ انکی باتوں سے یا انکی مرویات سے شفا حاصل ہوتی ہے اور ان کی یاد کو وسیلہ بناکر بارش کی دعا مانگی جاتی ہے.

عبدالعزیز بن ابی حازم کہتے ہیں کہ میرا اور انکا مکہ تک ساتھ ہوا اور ایک اونٹ پر محمل میں ایک طرف میں اور دوسری طرف وہ تھے، تو میں نے دیکھا کہ مدینہ لوٹنے سے پہلے انھوں نے اپنا پہلو محمل میں نہیں رکھا، یعنی لیٹے نہیں.

مدینہ منورہ میں سنہ ۱۳۲ھ میں انکی وفات ہوئی.

حضرت جعفر صادق آپ باپ کی طرف سے حضرت علی کی اور ماں کی طرف سے صدیق اکبر کی یادگار، اور خانوادہ فاطمی کے چشم و چراغ تھے اور علم و فضل میں یادگار روزگار تھے، آپکے حج کا ایک واقعہ امام لیث بن سعد نے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں سنہ ۱۱۳ھ میں حج کے ارادہ سے مکہ حاضر ہوا، اور عصر کی نماز پڑھ کر جبل ابو قبیس پر چڑھ گیا، وہاں جو جاکر دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا دعا کر رہا ہے میں ہمہ تن اسکی طرف متوجہ ہو گیا، اس نے یارب یارب اتنی دفعہ کہا کہ اسکی سانس رک گئی

پھر یا رباہ کہنا شروع کیا تو اس کو بھی اسی قدر کہا، اسکے بعد پھر یارب یارب کی رٹ لگانا شروع کی تو جب تک سانس نہ رکی لگاتا رہا، پھر یا حی یا حی کہنا شروع کیا تو اسکو بھی اتنی ہی دیر کہتا رہا اسکے بعد یا رحیم کا ورد شروع کیا تو اسکو بھی اتنی ہی دیر جاری رکھا پھر یا ارحم الراحمین کی تکرار شروع کی تو اسکو بھی اتنی دیر تک دُہراتا رہا اسکے بعد کہا کہ اے اللہ مجھے انگور کی خواہش ہے، تو مجھے انگور کھلادے۔ اے اللہ میری دونوں چادریں بوسیدہ ہو گئی ہیں، یہ کلمات ابھی پورے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ خدا کی قسم میں کیا دیکھتا ہوں کہ انگوروں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری سامنے رکھی ہے، حالانکہ وہ انگور کا موسم نہ تھا اور چادریں بھی موجود ہیں، اب انھوں نے انگور کھانے کا ارادہ کیا تو میں نے کہا کہ میں بھی آپ کا شریک ہوں، انھوں نے کہا آگے بڑھ آؤ اور کھاؤ لیکن کچھ لے نہ جانا۔ میں نے آگے بڑھ کر کھانا شروع کیا، میں نے ایسے انگور کبھی نہیں کھائے تھے، ان انگوروں میں بیج نہ تھے، میں کھا کے سیر ہو گیا، مگر ٹوکری جوں کی توں پُر تھی، اس کے بعد انھوں نے فرمایا ان چادروں میں جو تم کو زیادہ پسند ہو لے لو، میں نے کہا چادر کی تو مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے، انھوں نے کہا اچھا تو ذرا آڑ میں ہو جاؤ میں انھیں پہن لوں چنانچہ میں ہٹ گیا تو انھوں نے ایک کو بجائے تہمد کے استعمال کیا اور دوسری کو اوڑھ لیا۔ اور جو چادریں ان کے جسم پر تھیں ان کو اتار کر اپنے کندھے پر رکھا اور پہاڑ سے اترنے کا ارادہ کیا میں بھی پیچھے پیچھے چلا جب مسعی میں پہونچے تو وہاں ایک آدمی ملا جس نے کہا کہ اے فرزند رسول مجھے کپڑے پہنائیے خدا آپ کو کپڑے پہنائے گا۔ انھوں نے وہ دونوں چادریں اس کو دے دیں، جب یہ سائل ان کو لے کر چلا تو آگے بڑھ کر میں اس سے ملا اور پوچھا یہ کون بزرگ تھے اس نے کہا جعفر صادق تھے۔ لیث فرماتے ہیں اب جو لوٹ کر میں نے ان کو تلاش کیا وہ مجھے نہیں ملے، ملتے تو ان سے حدیثیں سنتا۔ جعفر صادق کی وفات مدینہ میں ۱۴۸ھ میں ہوئی۔

عبداللہ عمری اور ہارون الرشید

خلیفہ ہارون الرشید مشہور عباسی خلیفہ ہیں، اور عبداللہ عمری حضرت عمر کی اولاد میں مذہب کے مشہور عالم اور عابد و زاہد ہیں۔ ایک سال یہ حج کو گئے ہوئے تھے اتفاق سے اسی سال ہارون الرشید نے بھی حج کیا تھا، جب ہارون صفا مروہ کی سعی کے لیے مسعیٰ میں پہونچے تو وہ ان کے لیے بالکل خالی کر دیا گیا، کسی نے عین اسی وقت عبداللہ عمری سے اس کا ذکر کیا، یہ سنتے ہی وہ اٹھے اور سعی کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہونچے تو ہارون مروہ کی طرف سے آرہے تھے، انھوں نے چلا کر کہا کہ اے ہارون! اس نے انکی طرف دیکھا اور کہا ہاں چچا! انھوں نے کہا ذرا صفا پر چڑھو، وہ چڑھے تو کہا کہ ذرا اپنی نظر بیت اللہ کی طرف دوڑاؤ، انھوں نے کہا کہ ہاں میں نے دیکھا، عمری نے پوچھا کتنا مجمع ہوگا، ہارون نے کہا ان کو کون گن سکتا ہے؟ عمری نے کہا خلق خدا میں اتنی اتنی تعداد اور کتنی ہوگی؟ ہارون نے کہا انکو خدا کے سوا کوئی شمار نہیں کرسکتا، عمری نے کہا کہ اچھا اب سن لو کہ یہ سب کے سب تو صرف اپنی اپنی ذات کے ذمہ دار ہیں اور ان سے تنہا ان کی بابت سوال ہوگا لیکن تم کو ان سب کی طرف سے جواب دہی کرنی پڑے گی تو سوچ لو تمھارا کیا حال ہوگا، ہارون یہ سن کر رونے لگے اور بیٹھ گیے اور خدام نے یکے بعد دیگرے آنسو پونچھنے کے لیے رومال دینا شروع کئے

اسکے بعد عمری نے کہا کہ ایک بات اور بھی ہے ہارون نے کہا چچا فرمائیے! انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم ایک شخص اپنے مال میں صرف بیجا شروع کرتا ہے تو اسکو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔ پھر جو شخص مسلمانوں کے مال میں صرف بیجا کرے اسکے ساتھ کیا ہونا چاہیے یہ فرمایا اور ہارون کو روتا چھوڑ کر چلدیے، اس کے بعد ہارون کہا کرتے تھے کہ خدا میرا دل تو چاہتا ہے کہ میں ہر سال حج کروں مگر حضرت عمر کی اولاد میں ایک شخص ہے اسکی وجہ سے نہیں جاتا کہ وہ پھر مجھ کو کھری کھری سنائے گا۔

عمری کی وفات مدینہ میں ۱۸۴ھ میں ہوئی۔ اور ہارون نے ۱۹۳ھ میں انتقال کیا۔

عطاء بن ابی رباح

فقہ وحدیث کے جلیل القدر امام تھے، امام ابو حنیفہ ان کے شاگرد تھے، مسجد حرام میں افتاء کا حلقہ حضرت ابن عباس کے بعد انکے حصہ میں آیا تھا گویا یہ ان کے جانشین تھے، حضرت ابن عمر مکہ آئے اور لوگوں نے ان سے مسائل پوچھنا شروع کیے تو انھوں نے فرمایا کہ اہل مکہ! تم لوگ میرے پاس مسائل جمع کرکے لاتے ہو حالانکہ تم میں ابن ابی رباح موجود ہیں، بڑے عبادت گذار تھے، بیس برس تک مسجد کا فرش انکا بچھونا تھا۔

ایک سو برس کی عمر پائی اور ستر حج کیے، ۱۱۴ھ یا ۱۱۵ھ میں وفات پائی۔

محمد بن طارق مکی

حضرت ابن عمر کے شاگرد اور تابعی ہیں، ابن عیینہ وثوری کے استاد ہیں، حدیث کے ثقہ راوی ہیں، خانہ کعبہ کے مجاور ہو گیے تھے۔ دن رات میں وہ جس قدر طواف کرتے تھے اگر اتنا راستہ چلتے تو دس فرسخ کی مسافت طے ہوتی، یعنی تیس میل۔

ایک دوسرے راوی کا بیان ہے کہ وہ دن رات میں ستر طواف کرتے تھے۔

وہیب بن الورد

انکی سکونت مکہ میں تھی، حدیث کے ثقہ راوی ہیں، انکا امتیازی وصف تجرد و ترک دنیا تھا، ابن المبارک فرماتے ہیں کہ وہ جب کلام کرتے تھے تو آنکھوں سے آنسو کے قطرے ٹپکتے جاتے تھے، امام ثوری جب درس حدیث سے فارغ ہوتے تو شاگردوں سے فرماتے کہ اب طیب (پاکیزہ ومقدس) کے پاس چلو یعنی وہیب کے پاس۔ وہ ابن المبارک وفضیل کے استاد تھے،

بشر حافی کا ارشاد ہے کہ چار شخصوں کو اللہ نے حلال لقمہ کی وجہ سے اونچا کیا۔

(۱) وہیب بن الورد (۲) ابراہیم بن ادہم (۳) یوسف بن اسباط (۴) مسلم خواص۔

ابن ابی رداد کا بیان ہے کہ ایک شخص کو میں نے مقام ابراہیم کے پیچھے سجدہ کی

حالت میں گڑگڑا کر دعا کرتے دیکھا اسکے بعد میں نے طواف شروع کر دیا طواف سے فارغ ہو کر دیکھا جب بھی وہ اس حالت میں تھا پھر میں اسکے قریب ہی رات بھر کھڑا رہا جب صبح قریب ہوئی تو میں نے ایک آواز سنی کہ لے وہیب بن الورد اپنا سر اٹھا تیری مغفرت ہو گئی، میں نے ادھر ادھر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا، جب صبح روشن ہوئی تو وہیب نے اٹھایا اور روانہ ہو گیے، میں پیچھے پیچھے چلا تھوڑی دور چلکر میں نے کہا کہ آپنے وہ آواز سنی انھوں کہا کون سی آواز! جب میں نے بتایا تو انھوں نے فرمایا کہ اسکی خبر کسی کو نہ دینا، چنانچہ میں نے انکی وفات سے پہلے کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا، کسی نے ان سے دریافت کیا کہ جو خدا کی نافرمانی کرتا ہے اسکو عبادت کا مزا مل سکتا ہے یا نہیں تو فرمایا کہ نہیں! بلکہ جو گناہ کا منصوبہ باندھے اسکو بھی عبادت کا مزا نہیں مل سکتا۔

وہیب کی وفات سنہ ۱۵۳ھ میں ہوئی۔

قاسم بن محمد

آپ حضرت ابوبکر کے پوتے تھے یحییٰ ابن سعید فرماتے تھے کہ ہم نے مدینہ میں ایسا کوئی عالم نہیں پایا جس کو قاسم پر فضیلت دے سکیں، عمر بن عبدالعزیز کہتے تھے کہ میرے ہاتھ میں اختیار ہوتا تو میں قاسم کو خلیفہ نامزد کر دیتا، آپ جب حج کو گئے تو منی میں لوگوں نے مسائل پوچھنا شروع کیے، کتنے مسائل میں انھوں نے بے تکلف یہ فرمایا کہ میں نہیں جانتا اور فرمایا واللہ ہم کو ساری باتوں کا علم نہیں اور علم ہوتا تو ہم کو چھپانا حلال نہیں تھا۔

آپ حج یا عمرہ کے لیے مکہ گیے تھے، راستہ ہی میں آپ کی وفات ہوئی، وفات کے وقت اپنے لڑکے کو وصیت کی کہ تم ہمارے مرنے کے بعد یہ کہنا کہ میرے باپ ایسے تھے ویسے تھے، آپ کی وفات سنہ ۱۱۲ھ یا سنہ ۱۰۸ھ میں ہوئی۔

سالم بن عبداللہ

آپ حضرت عمر کے پوتے اور حضرت عبداللہ بن عمر کے نہایت محبوب بیٹے تھے، ایک صاحب کا بیان ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں

ے دیکھا ہے کہ حضرت سالم حج کے لیے آئے تو عشا کے بعد باب بنی ہاشم کی طرف ایک گوشہ میں نفلیں پڑھنا شروع کیں اور صبح صادق تک برابر پڑھتے رہے کبھی داہنی طرف کو جھکے ہوتے کبھی بائیں طرف کو۔

سفیان کا بیان ہے کہ ہشام بن عبد الملک (خلیفہ اموی) کعبہ میں داخل ہوا تو وہاں اس کو سالم مل گیے، اس نے ان سے کہا کہ کوئی حاجت ہو تو کہیئے، آپنے کہا مجھے اللہ کے گھر میں غیر اللہ سے سوال کرتے ہوئے شرم آتی ہے، جب باہر نکلے تو وہ بھی پیچھے نکلا اور کہا کہ اب تو آپ خدا کے گھر سے باہر آگیے، اب کوئی حاجت پیش کیجئے، انھوں نے پوچھا دنیا کی یا آخرت کی، اس نے کہا دنیا کی، آپنے فرمایا کہ دنیا کی حاجت تو جو دنیا کا مالک ہے اس سے بھی میں نہیں مانگتا پھر جو اس کا مالک نہیں ہے اس سے کیسے مانگوں۔

سالم کی وفات ۱۰۶ھ یا ۱۰۸ھ میں ہوئی۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

آپ کی ذات تعریف و تعارف سے مستغنی ہے، آپ جب حج کے لیے جاتے تھے تو شب و روز طلب آخرت، اور نجات اخروی کی فکر میں منہمک رہتے تھے، ابن ابی رواد کا بیان ہے کہ میں نے دس دن تک ابو حنیفہ کو خیال کر کے دیکھا تو میں نے نہ ان کو رات میں سوتے دیکھا اور نہ دن میں ایک لحظہ آرام کرتے پایا، بس ہمہ وقت طواف یا نماز، یا تعلیم میں مصروف دیکھا، نیز وہ فرماتے ہیں طواف کرنے، نفل پڑھنے اور مسائل بتانے میں ابو حنیفہ سے زیادہ صابر (یعنی نہ اکتانے والا) میں نے کسی کو نہیں پایا (خیرات حسان)

خارجہ کہتے ہیں کہ کعبہ کے اندر ایک رکعت میں چار شخصوں نے قرآن ختم کیا ہے ان میں سے ایک امام ابو حنیفہ ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنے آخری حج میں کعبہ کے اندر ایک پیر پر کھڑے ہو کر نصف قرآن اور دوسرے پیر پر دوسرا نصف پڑھا اس کے بعد

دعائی کہ یارب میں نے اپنی بساط کے موافق تجھ کو خوب پہچان لیا لیکن تیری عبادت کا حق ادا نہ کرسکا، لہٰذا کمال معرفت کے عوض نقصان خدمت سے درگزر فرمایا، بیت اللہ کے ایک گوشہ سے آواز آئی کہ تم نے اچھی طرح پہچانا، اور خالص خدمت کی، ہم نے تمہاری اور تمہارے بے تبعین کی مغفرت فرمائی۔ (خیرات حسان)

ابو مطیع کا بیان ہے کہ میں رات کے جس حصے میں بھی مطاف میں پہونچا ہوں تو ابو حنیفہ اور سفیان کو طواف کرتے ہوئے پایا ہے۔ (خیرات حسان)

سفر حج میں سلف صالح کا ایک التزام یہ بھی تھا کہ دوسرے شہروں کے اہل علم سے ملاقات کرتے تھے، اور ان سے علمی مذاکرات کرتے یا حدیثیں سنتے تھے، چنانچہ خیرات حسان وغیرہ میں مذکور ہے کہ امام اوزاعی نے مکہ میں امام ابو حنیفہ سے ملاقات کی اور چند مسائل میں مذاکرہ کیا، جب الگ ہوگئے تو ابن المبارک سے فرمایا کہ مجھ کو اس شخص (ابو حنیفہ) کی کثرت علم اور وفور عقل پر رشک ہوتا ہے، نیز یہ بھی مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ مدینہ منورہ پہونچے، تو امام مالک سے ملنے گیے، امام مالک نے انکو اونچی جگہ بٹھایا، اور جب چلے آئے تو انکی بڑی تعریف کی، اور "انتقاء" میں ہے کہ امام ابو حنیفہ نے امام محمد باقر کی بھی زیارت کی اور ان سے چند مسائل پوچھے، جب چلے گیے تو امام باقر نے فرمایا ما احسن ھدیہ وسمتہ وما اکثر فقہہ (انکی چال ڈھال اور وقار کس قدر اچھا ہے اور وہ کتنے زیادہ فقیہ ہیں) اور مجاہد بن رومی کا بیان ہے کہ حکم بن عتیبہ کا فضل وکمال اس وقت ظاہر ہوتا تھا جب ہر جگہ کے عالم منیٰ کی مسجد میں جمع ہوتے تھے اس وقت معلوم ہوتا تھا کہ سب علماء حکم کے عیال (محتاج) ہیں (تذکرہ)

ائمہ متقدمین کا یہ معمول بھی تھا کہ جب اس سفر کا ارادہ کرتے تو اپنے اکابر سے ملاقات کرتے اور ان سے نصیحت کی درخواست کرتے، اور اکابر کا معمول تھا کہ وہ اپنے لئے دعا کرنے کو کہتے، یا کسی عالم کو سلام کہلواتے، چنانچہ حماد بن زید نے جب حج کا ارادہ

کیا تو ایوب سختیانی سے ملنے اور الوداع کہنے آئے، جب رخصت ہونے لگے تو ایوب نے کہا کہ میں نے سنا ہے فقیہ اہل کوفہ ابو حنیفہ بھی حج کا ارادہ کر رہے ہیں، لہذا جب تم ان سے ملاقات کرنا تو میرا سلام کہنا، اور حاجی سے دعا کی خواہش کرنا خود حدیث نبوی میں مذکور ہے، ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک بار حضرت عمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ یا اخی اشرکنا فی صالح دعائك ولا تنسنا، میرے بھائی! اپنی نیک دعا میں مجھ کو بھی شریک رکھنا اور مجھے بھول نہ جانا اور صحیح مسلم میں ہے کہ صفوان بن عبدالرحمٰن ملک شام آئے تو حضرت ابوالدرداء کے مکان پر حاضر ہوئے مگر وہ موجود نہ تھے، انکی بی بی ام الدرداء موجود تھیں، انھوں نے صفوان سے پوچھا کہ کیا اس سال تم حج کا ارادہ کر رہے ہو، صفوان نے کہا ہاں! تو ام الدرداء نے کہا کہ ہمارے لیے بھی دعائے خیر کرنا۔ (صحیح مسلم)

علی بن المدینی کا واقعہ ان کے حال میں پڑھیے۔

امام ائمۃ الشام شیخ الاسلام ابو عمرو عبدالرحمٰن اوزاعی

آپ اصلا سندی تھے، بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، بیوہ ماں نے پرورش کی اور انکو ساتھ لے کر شہر بشہر پھریں اور تعلیم دلائی، خدا کی قدرت دیکھیے کہ یتیمی و بے سر و سامانی کے باوجود آپ کی ذاتی محنت اور ماں کی توجہ سے انکو بہترین تعلیم حاصل ہوئی کہ شاہان وقت بھی اپنی اولاد کو ویسی تعلیم نہ دلا سکے، ولید بن مزید بیروتی اس بات کا ذکر نہایت تعجب کے ساتھ کرتے تھے اور کوئی دوسری چیز اس سے زیادہ حیرت انگیز انکو نہیں معلوم ہوتی تھی۔

علم و عمل میں امام و مقتدا تھے، ان کے زمانہ میں ذہن و ذکاوت اور فہم و فراست میں کوئی بادشاہ یا وزیر یا تاجر ان سے بڑھ کر نہ تھا۔ زہد و تقوی، خیر خواہی خلائق، علم و فضل اور حلم و وقار میں بھی وہ یکتائے روزگار رہتے، جو لفظ ان کے منہ سے نکلتا تھا اس قابل

ہوتا تھا کہ سننے والا اسکو قلم بند کرے۔

تابعین کی ایک جماعت سے انھوں نے علم حاصل کیا اور ان سے امام مالک، سفیان ثوری اور زہری (باوجودیکہ زہری اوزاعی کے شیخ تھے) نے حدیثیں روایت کی ہیں۔

انکی امامت وعلو مرتبت، عبادت وحق گوئی، فقاہت وفصاحت، اور تقویٰ و اتباع سنت پر علماء کا اتفاق ہے، ائمہ اربعہ کی طرح وہ بھی امام متبوع تھے، انکے فقہی مسلک پر ملک شام میں دو سو بیس برس تک اور اندلس میں تیسری صدی کے اوائل تک عمل ہوتا تھا

ابن معین کا قول ہے کہ عالم تو بس چار شخص ہیں (۱) امام ثوری (۲) امام ابو حنیفہ (۳) امام مالک (۴) امام اوزاعی۔

امام اوزاعی علمی جلالت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے عبادت گذار بھی تھے، ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ محنت وکوشش سے عبادت کرنے والا انسان نہیں دیکھا، فرماتے تھے کہ جو شخص رات کی نماز میں لمبا قیام کرے گا حق تعالےٰ میدان حشر کا قیام اسکے لیے آسان کر دے گا۔

امام اوزاعی نے جب سفر حج کیا تو سواری پر کبھی نہیں سوئے، برابر نماز میں مصروف رہتے تھے جب نیند کا بہت غلبہ ہوتا تھا تو پالان کی لکڑی سے ذرا ٹیک لگا لیتے تھے۔

فرماتے تھے سلف کے آثار کی پیروی کرو، چاہے تم کو لوگ چھوڑ دیں، نیز فرماتے تھے کہ سنت پر جمے رہو اور صحابہ وخیار تابعین جہاں رکے ہیں وہاں تم بھی رک جاؤ، وہ جس بات کے قائل ہوں اسکے تم بھی قائل ہو اور جس بات سے باز رہے ہوں اس سے باز رہو، اور انھوں نے جتنے پر اکتفا کیا ہے اتنے ہی پر تم بھی اکتفا کرو،

فرماتے تھے کہ حضرت عثمان وحضرت علی دونوں کی محبت کسی مومن ہی کے دل میں جمع ہو سکتی ہے۔ امام اوزاعی نہایت فیاض اور سخی بھی تھے، ان کے پاس خلفاء کی اور حکام کے عطاء وحشر خیلہ، دینار ونقد تھے مگر انھوں نے نہ کوئی جائداد بنائی نہ کچھ اپنے پاس

رکھا، سب فقراء مساکین کو اور اللہ کی راہ میں بانٹ دیا، انتقال کے وقت صرف سات دینار بچ گیے تھے جو ان کے کفن دفن میں صرف ہوئے۔

فرماتے تھے کہ پہلے تو ہم لوگ کچھ ہنستے کھیلتے تھے مگر جب سے لوگوں نے ہم کو پیشوا بنالیا ہے اور ہماری اقتدا کرنے لگے ہیں تو ہم کو مسکرانے کی بھی گنجائش نہیں دکھائی دیتی۔

ایک دن مسجد سے نکلے تو دیکھا ایک شخص پیاز بیچ رہا ہے اور کہہ رہا ہے یا بصل احلی من العسل (شہد سے میٹھی پیاز لو) تو بڑے تعجب سے دوبار سبحان اللہ کہا اور فرمایا کیا یہ سمجھتا ہے کہ کوئی جھوٹ مباح بھی ہے!

فرماتے تھے ایک زمانہ آئے گا کہ اس میں تین چیزیں نہایت کمیاب ہونگی (۱) کوئی مونس و غمخوار برادر دینی (۲) حلال پیسہ (۳) سنت پر عمل۔

فرماتے تھے کہ عافیت کے دس حصوں میں سے نو حصے خاموشی اور کم گوئی میں ہیں اور ایک حصہ لوگوں سے دور رہنے میں۔

فرماتے تھے کہ قیامت کے دن انسان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے سامنے پیش ہوگا۔ اور جو لمحہ ایسا ہوگا کہ اس میں خدا کی یاد سے وہ غافل رہا ہے تو اس پر بے حد حسرت و افسوس کرے گا، لہذا سوچو کہ اگر مسلسل کئی کئی دن اور کئی کئی مہینے غفلت میں گذرے ہوں تو انکی پیشی پر کیا حال ہوگا۔

ایک دفعہ ایک عیسائی نے شہد کا ایک گھڑا ہدیہ میں انکے سامنے پیش کیا اور کہا کہ ایک سفارشی خط بعلبک کے حاکم کے نام لکھ دیجئے، امام اوزاعی نے فرمایا کہ اگر خط لکھواتے ہو تو شہد نہیں لے سکتا اور اگر شہد دیتے ہو تو خط نہیں لکھ سکتا، مجبوراً اس نے پہلی صورت منظور کی اور امام اوزاعی نے شہد واپس کر کے خط لکھ دیا۔

امام اوزاعی رات بھر جاگتے تھے، اور پوری رات نماز پڑھنے، تلاوت کرنے

اور رونے میں بسر ہوتی تھی۔

ایک دن پڑوس کی کوئی عورت امام اوزاعی کی بیوی سے ملنے گئی تو دیکھا کہ چٹائی بھیگی ہوئی ہے اس نے کہا کہ شاید بچہ نے اس پر پیشاب کر دیا ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ نہیں، رات میں شیخ اس پر نماز پڑھتے ہیں اور یہ ان کے آنسوؤں سے تر ہے۔

ایک بار امام سفیان ثوری حج کے لیے مکہ آئے ہوئے تھے، اسی سال امام اوزاعی بھی حج کے لیے روانہ ہوئے جب سفیان کو اطلاع ملی تو انھوں نے مقام ذی طوی تک جا کر ان کا استقبال کیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب امام اوزاعی مکہ میں داخل ہوئے تو امام ثوری ان کے اونٹ کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور امام مالک اونٹ کو ہنکا رہے تھے۔ امام ثوری کہتے جا رہے تھے کہ شیخ کے لیے جگہ دو، تا آنکہ ان دونوں اماموں نے ان کو کعبہ کے پاس لا کر بٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھ کر استفادہ کیا۔

میں لکھ چکا ہوں کہ سفر حج کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ مختلف بلاد کے اہل علم باہم ملتے تھے اور ان میں علمی مذاکرات ہوتے تھے، چنانچہ منی کی مسجد خیف میں امام اوزاعی اور امام ثوری کا مذاکرہ یا مناظرہ مسئلہ رفع یدین میں ہوا تھا۔

اور مدینہ منورہ میں امام اوزاعی اور امام مالک میں ایک بار ظہر کے بعد سے علمی مذاکرہ شروع ہوا تو عصر تک جاری رہا پھر عصر کے بعد مغرب تک ہوتا رہا، اور اس مذاکرہ سے یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ مغازی میں امام اوزاعی بڑھے ہوئے ہیں اور فقہ میں امام مالک کو فی الجملہ فوقیت حاصل ہے۔

ملک شام میں امام اوزاعی کو وہ مقبولیت حاصل تھی اور ان کا ایسا دبدبہ تھا کہ ان کا حکم بادشاہ کے حکم سے بڑھ کر قابل احترام سمجھا جاتا تھا، ایک دفعہ کسی حاکم نے انکو دھمکی دی تو ان کے شاگردوں میں سے ایک نے اس سے کہا کہ یہ حرکت نہ کرو، ورنہ اگر وہ شام والوں کو حکم دیدیں گے کہ تم کو قتل کر دیں تو وہ تم کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔

ان کے دفن میں ارسلان حاکم ساحل بھی شریک تھا جب لوگ دفن سے فارغ ہوئے تو اس نے کہا کہ اے ابوعمرو! خدا آپ پر رحم فرمائے، جس نے مجھ کو حاکم بنایا تھا میں اس سے بھی اتنا نہیں ڈرتا تھا جتنا آپ سے ڈرتا تھا۔

امام اوزاعی کی جرأت حق گوئی کا ایک واقعہ جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے میں نے اپنی کتاب نصرۃ الحدیث صـ۲۴۲ میں نقل کیا ہے، وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

امام اوزاعی کی وفات ۱۵۷ھ میں ہوئی، اور بیروت میں آپ مدفون ہیں — وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کوئی ایسی چیز بتائیے جس سے اللہ کا قرب نصیب ہو، آپ نے فرمایا کہ میں نے وہاں علم سے بڑھ کر کسی چیز کا درجہ نہیں دیکھا اس نے کہا اس کے بعد کن لوگوں کا درجہ ہے فرمایا کہ ان کا جو اپنی کوتاہیوں پر ہر وقت غمگین اور چشم پرنم رہتے ہیں۔ (یہ تمام واقعات محاسن المساعی سے لیے گیے ہیں۔)

امام اعمش آپ کا لقب علامۃ الاسلام ہے، حدیث و روایت کے بے مثل امام تھے، پابندی شریعت و سنت کا یہ حال تھا کہ ستر برس تک کبھی تکبیر اولی فوت نہیں ہوئی، بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک درہم کے محتاج تھے مگر اغنیا و سلاطین انکی مجلس میں جس قدر خوار نظر آتے تھے اتنے خوار کہیں نظر نہ آتے تھے۔

اس علمی و عملی عظمت کے باوجود جب حج کے ارادہ سے نکلے اور مقام حیرہ میں پہونچے تو اپنے شاگرد علی بن مسہر سے کہا کہ جاؤ امام ابوحنیفہ سے ہمارے لئے مناسک حج لکھوا لاؤ (انتقار) اور فرماتے تھے کہ تم لوگ ابوحنیفہ سے دریافت کرکے مناسک حج لکھ لو۔ اسلئے کہ حج کے فرائض و نوافل کا ان سے زیادہ واقف کار کوئی نہیں ہے۔

(خیرات حسان)

مسائل سے واقفیت کے ساتھ حج کرنے کا اہتمام اس طرح کیا جاتا تھا، امام اعمش

کی وفات سنہ ۱۴۰ھ میں ہوئی۔

امام سفیان ثوری

فقہ وحدیث کے جلیل القدر امام اور امام ابوحنیفہ کے معاصر تھے وہ اس سادگی سے حج کرتے تھے کہ علی بن ثابت نے انکو مکہ کے راستہ میں دیکھا، اور جتنی چیزیں انکے جسم پر تھیں انکی قیمت کا اندازہ لگایا تو انکا بیان ہے کہ ان سب کی قیمت صرف ایک درہم اور چار دانق تھی نیز انہیں کا بیان ہے کہ اگر کوئی مکہ کے راستہ میں سفیان کو دیکھے اور انکو پہچانتا نہو اور اس کے پاس دو پیسے ہوں جنکو خیرات کرنا چاہتا ہو تو وہ یقیناً سفیان کے ہاتھ میں دونوں پیسے رکھدے گا۔

ایک بار اس مبارک سفر میں وہ امام ابوحنیفہ کے رفیق تھے، تو انکا معمول تھا کہ امام صاحب کو راستہ چلنے میں ہمیشہ آگے رکھتے اور خود انکے پیچھے چلتے، ان دونوں بزرگوں سے کوئی آدمی مسئلہ پوچھنے آتا تو سفیان کبھی جواب نہ دیتے بلکہ امام صاحب کو جواب دینے پر مجبور کرتے (خیرات حسان) اور اگر کبھی امام صاحب کی عدم موجودگی میں سفیان نے کوئی جواب دیا اور سائل نے کہا کہ مگر امام ابوحنیفہ تو اس باب میں یہ فرماتے تھے، تو بے تامل سفیان نے رجوع کرلیا اور کہا کہ بات وہی ہے جو امام ابوحنیفہ نے فرمائی ہے (انتقاد) امام سفیان کی وفات سنہ ۱۶۱ھ میں ہوئی۔

حضرت سعید بن جبیر

اتنے بڑے عالم تھے کہ عمرو بن میمون اپنے باپ کا قول نقل کرتے ہیں کہ جس وقت سعید بن جبیر کی شہادت ہوئی ہے تو روئے زمین پر کوئی ایسا نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہو، آپ کا معمول تھا کہ ہر سال دو دفعہ مکہ جایا کرتے تھے، ایک بار حج کے لیے اور ایک بار عمرہ کے ارادہ سے، چنانچہ ہلال بن خباب کہتے ہیں کہ میں رجب کی کسی تاریخ میں ان کے ساتھ چلا، انھوں نے کوفہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ کرکے لوٹ آئے، اس کے بعد ذی القعدہ کا نصف مہینہ گزر گیا تو انھوں نے حج کا احرام باندھا۔

خصیف کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت سعید بن جبیر نے مقام ابراہیم کے پاس نماز صبح سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں، میں آیا اور ان کے پہلو میں میں نے بھی دو رکعتیں پڑھ کر ان سے ایک آیت کی نسبت کچھ پوچھا، انھوں نے کچھ جواب نہیں دیا جب فجر کا فرض پڑھ چکے تو فرمایا کہ جب صبح صادق ہوجائے تو اسکے بعد سوائے اللہ کے ذکر کے کوئی دوسری بات نہ کرو۔

حماد کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر نے کعبہ کے اندر پورا قرآن ایک رکعت میں پڑھا اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھا۔

معاویہ بن اسحاق کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے میضاۃ[1] کے پاس سعید بن جبیر سے ملاقات کی

[1] وضو خانہ ہے

تو دیکھا کہ انکی زبان بھاری ہوگئی ہے۔ میں نے عرض کیا آپ کی زبان کیوں بھاری ہوگئی ہے فرمایا میں نے آج رات کو قرآن پاک کا اڑھائی ختم کیا ہے۔

سعید بن جبیر کی شہادت ۹۵ھ میں ہوئی۔

ابو حیان تیمی ان کا نام یحیی بن سعید ہے کوفہ کے عابدوں میں ان کا شمار ہے صحاح ستہ کے ثقہ راوی ہیں شعبہ و ثوری و ابن مبارک کے استاد ہیں۔ عبداللہ بن ادریس فرماتے ہیں کہ ابو حیان کے لئے رات نہایت آسان اور ہلکی تھی (یعنی راتوں کو جاگنا اور نفلیں پڑھنا) ایک بار ہم نے ان کے ساتھ مکہ تک سفر کیا تو ہم نے دیکھا کہ جہاں رات ہوئی بس اُن کی حالت ان بھڑوں کی سی ہوجاتی تھی جن کے چھتوں میں ڈھیلا مار دیا جائے (یعنی رات بھر دھیمی آواز سے نماز میں قرآن پڑھتے رہتے تھے) (صفہ ص ۶۶/۳) ۱۴۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

خلف بن حوشب کوفہ کے مشہور عابد تھے امام شعبہ و مسعود و ابن عیینہ نے اُن سے حدیثیں سُنی ہیں روایت میں ثقہ مانے گئے ہیں۔ عبدالسلام بن حرب کا بیان ہے کہ راتوں کو جاگنے پر خلف سے زیادہ صابر میں نے کسی کو نہیں دیکھا، میں نے ان کے ساتھ مکہ تک سفر کیا ہے، جانے کے دن سے بیکر واپسی کے دن تک کبھی میں نے ان کو رات کو سوتے نہیں دیکھا، ۱۴۰ھ تک بقید حیات تھے،

وکیع بن الجراح وکیع فقہ و حدیث کے امام تھے، صائم الدھر، و قائم اللیل تھے، امام احمد نے فرمایا ہے کہ ان کے جیسا کوئی دوسرا آدمی میری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ حسین بن ابی زید کا بیان کہ میں مکہ تک ان رفیق سفر رہا ہوں، اس مدت میں کبھی میں نے ان کو ٹیک لگاتے نہیں دیکھا نہ کجاوہ پر ان کو سوتے پایا۔ وکیع کی وفات بھی سفر حج ہی میں ہوئی ہے ۱۹۶ھ میں حج کے لئے گئے تھے

واپسی میں مقام فید پہونچکر محرم ۱۹۷ھ میں انتقال کیا

تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ وکیع موٹے تازے آدمی تھے جب وہ مکہ آئے اور فضیل سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے پوچھا کہ آپ تو عراق کے راہب (تارک الدنیا) ہیں پھر یہ موٹاپا کیسا ہے؟ وکیع نے جواب دیا کہ مسلمان ہونے کی خوشی میں پھول گیا ہوں، اس جواب نے فضیل کو خاموش کر دیا۔

امام طاؤس

آپ کبار تابعین میں ہیں، خود ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس صحابیوں کی زیارت کی ہے، حضرت ابن عباس کے خاص شاگردوں میں ان کا شمار ہے۔

طاؤس کو حج سے شغف تھا، انھوں نے چالیس حج کئے تھے، ایک مرتبہ حج کو جا رہے تھے ایک جگہ پہونچے تو معلوم ہوا کہ کسی شیر نے راستہ روک رکھا ہے اس پریشانی میں قافلہ کا کوئی آدمی رات بھر سو نہ سکا جب سحر ہوئی تو شیر چلا گیا اور سب لوگ ادھر اُدھر پڑ کر سو رہے صرف طاؤس تھے جنھوں نے نماز پڑھنا شروع کر دی، ان کے لڑکے نے کہا آج تو بڑی تکلیف اُٹھائی ہے آپ نہ سوئیں گے؟ طاؤس نے جواب دیا سحر کے وقت بھی کوئی سویا کرتا ہے؟ ایک بار مکہ حاضر ہوئے تو اسی سال کوئی حاکم بھی حج کے لئے آیا ہوا تھا لوگوں نے اس کی تعریف شروع کی اور کہا کہ آپ بھی اس سے مل لیجئے، فرمایا مجھکو اس سے کچھ کام نہیں ہے لوگوں نے کہا نہ ملنے میں ضرر کا اندیشہ ہے طاؤس نے کہا پھر وہ ایسا نہیں ہے جیسا تم لوگ بیان کرتے ہو۔

طاؤس کی وفات مکہ ہی میں ہوئی ۱۰۶ھ میں حج کے لئے آئے ہوئے تھے کہ ساتویں ذی الحجہ کو انتقال ہو گیا، خلیفہ ہشام بن عبد الملک بھی اس سال حج کو آیا تھا اسی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔

مغیرہ بن حکیم آپ بھی تابعی ہیں، حضرت ابن عمر وحضرت ابوہریرہ سے حدیثیں سنی ہیں انھوں نے صنعا، (یمن) سے مکہ تک پچاس دفعہ ننگے پاؤں، احرام باندھے ہوئے روزہ کی حالت میں سفر کیا ہے اور سفر میں پچھلی رات کو نماز کبھی ترک نہیں کی ہے، جہاں سحر ہوئی کہ سواری سے اتر کر نماز میں مشغول ہو جاتے اور قافلہ آگے روانہ ہوجاتا، جب صبح ہو جاتی اور نماز فجر سے فارغ ہو لیتے تو پیدل چل کر قافلہ میں شامل ہو جاتے چاہے جتنی دور بھی چلنا پڑے۔

ایوب سختیانی آپ بقول شعبہ سید العلما، تھے، آپ نے چالیس حج کئے تھے، ابن الجوزی اور امام ذہبی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایوب حج کے لئے جا رہے تھے، مکہ کے راستہ میں ایک منزل پر پانی نہیں ملا، اور سارا قافلہ پیاس سے تڑپنے لگا اور لوگوں کی جان پر آبنی تو ایوب نے لوگوں سے عہد لیا کہ کہیں تذکرہ تو نہ کروگے جب لوگوں نے وعدہ کیا تو انھوں نے زمین پر ایک دائرہ کھینچ کر دعا کی وہاں سے پانی کا ایک چشمہ ابلنے لگا، تمام قافلہ، پانی پیکر سیراب ہوگیا، اور اونٹوں کو بھی پلا چکے تو ایوب نے اس مقام پر اپنا ہاتھ پھیرا، وہ پھر پہلے کی طرح ہوگیا۔ وعدہ کرنے والوں نے ایوب کی وفات سے پہلے کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا۔

ایوب کی وفات ۱۳۱ھ میں ہوئی۔

سفیان بن عیینہ اپنے وقت کے امام تھے، ثوری وشعبہ واعمش جیسے ائمہ نے ان سے روایت کی ہے، مکہ میں ان کا قیام تھا، ایک روایت میں خود ان کا بیان ہے کہ وہ اسّی بار موقف (عرفات) میں حاضر ہوئے اور ان کے بھتیجے کا بیان ہے کہ ۱۹۷ھ میں سفیان نے آخری حج کیا، میں بھی ان کے ساتھ تھا، جب ہم مزدلفہ پہونچے، تو سفیان نے وہاں پہونچکر نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہوکر لیٹ گئے اور کہا کہ میں یہاں ستر سال سے برابر آرہا ہوں اور ہر سال کہتا ہوں کہ اے اللہ اس جگہ کی یہ

آخری حاضری نہ ہو، لیکن اب مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ کب تک یہ سوال کئے جاؤں، اس کے بعد مناسک پورے کر کے واپس آ گئے اور اگلے سال (یعنی ۱۹۵ھ) رجب کے مہینہ میں انتقال فرما گئے۔

حضرت فضیل بن عیاض آپ کا شمار مشاہیر اولیاء کرام میں ہے۔ شوقِ عبادت کے غلبہ سے پہلے حدیث سے بھی اشتغال تھا۔ آپ کے مناقب میں ابن الجوزی کی ایک مستقل تصنیف ہے، ائمہ فقہ و حدیث ان کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے تھے، بڑے متواضع اور خدا ترس تھے۔

مہران کا بیان ہے کہ میں نے ان کو عرفہ کی شام کو موقف میں دیکھا، کہ وہ دعا کے لئے کھڑے ہیں مگر شدتِ گریہ کی وجہ سے دعا کر نہیں پاتے، اس وقت میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا واسوأتاہ وافضیحتاہ وان عفوت (وائے رسوائی، وائے فضیحت، اگرچہ تو بخش دے اور درگزر فرما دے)

آپ کی وفات ۱۸۷ھ میں ہوئی۔

ابو القاسم زنجانی آپ اپنے عہد میں شیخ الحرم تھے۔ جب حرم میں آتے تھے تو لوگ مطاف ان کے لئے خالی کر دیتے تھے اور ان کے ہاتھ چومتے تھے، انھوں نے جب مکہ میں اقامت و مجاورت کا ارادہ کیا تو مجاہدہ و عبادت کے قسم کی بائیس باتوں کا عہد کیا اس کے بعد چالیس برس وہاں رہے اور کسی میں بھی کوئی کوتاہی نہیں ہونے دی۔ ۴۷۱ھ میں وفات ہوئی

حضرت امام عبداللہ بن مبارک شیخ الاسلام، فخر المجاہدین، قدوۃ الزاہدین، یہ وہ القاب ہیں جن کے ساتھ حافظ ذہبی نے ان کا ذکر شروع کیا ہے، پھر ان کے ساتھ اپنی گرویدگی اور عقیدت مندی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

واللہ انی لاحبہ فی اللہ وارجو الخیر بحبہ لما منحہ اللہ من التقوی، والعبادۃ والاخلاص، والجہاد، وسعۃ العلم، والانفاق والمواساۃ، والفتوۃ والصفات الحمیدۃ

(تذکرہ ص ۲۵۴/۱)

(خدا کی قسم میں ان سے خدا کے لئے محبت رکھتا ہوں اور اس محبت سے میں اہل خیر کا امیدوار ہوں۔ ان کی ان خوبیوں کی وجہ سے جو اللہ نے ان کو عطا فرمائی تھیں یعنی تقوی، عبادت اخلاص، جہاد، علم کی وسعت اور اس کا استحکام، غمخواری وہمدردی، جوانمردی، اور دیگر پسندیدہ اوصاف۔

بلاشبہ ابن مبارک کی برگزیدہ ہستی ان ہستیوں میں سے ہے جن کی نظیر اسلام میں کبھی کم پیدا ہوئی ہے۔ فقہ وحدیث کے مسلم الثبوت امام ہونے کے علاوہ نحو ولغت اور شعر و فصاحت میں بھی ان کو اونچا مقام حاصل تھا اور ان کے کمالات کے ساتھ وہ ایک پرجوش مجاہد، ایک مرتاض عابد وزاہد، ایک کامیاب تاجر (جن کی ساری دولت محتاجوں کی امداد واعانت، رفیقوں کے ساتھ سخاوت وایثار پیشگی اور کار خیر کے لئے وقف تھی)، رات میں تہجد گذار اور دن میں شہسوار بھی تھے۔ علم وعمل دونوں میں وہ اپنی نظیر آپ تھے ابن مہدی نے کہا کان نسیج وحدہ۔ (وہ اپنی مثال آپ تھے) اور فضیل بن عیاض نے فرمایا ورب هذا البیت ما رأت عینای مثل ابن المبارك (اس گھر۔ خانہ کعبہ۔ کے مالک کی قسم میری آنکھوں نے ابن مبارک کی مثال نہیں دیکھی)

آپ کو شوق جہاد کے ساتھ ساتھ حج سے بھی بڑا شغف تھا، امام ذہبی نے لکھا ہے

افنی عمرہ فی الاسفار حاجا ومجاهدا وتاجرا (ص ۲۵۳/۱)

(انھوں نے حج یا جہاد یا تجارت کی غرض سے ساری عمر سفر میں گذاری۔)

سوید بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کو دیکھا کہ انھوں نے چاہ

زمزم سے پانی نکالا پھر کعبہ کی طرف مُنھ کر کے کہا۔

اللھم ان ابن ابی الموالی حدثنا عن محمد بن المنکدر عن جابر عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ قال ماء زمزم لما شرب لہ، وھذا اشربہ لعطش یوم القیامۃ

(اے اللہ! ابن ابی الموالی نے مجھ سے بیان کیا، ان سے محمد بن المنکدر نے، اُن سے جابرؓ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ زمزم کا پانی جس مقصد کیلئے پیا جائے وہ پورا ہوگا، تو میں اس کو قیامت کی تشنگی سے بچنے کے لئے پیتا ہوں۔)

یہ کہہ کر انھوں نے زمزم کا پانی پیا۔

ان کے سفر حج کی شان بھی بالکل نرالی تھی جب حج کا زمانہ قریب آتا توان کے دوست احباب ان کے پاس آتے اور کہتے ہم بھی آپ کی رفاقت میں چلیں گے وہ اس کو منظور کر لیتے اور ہر ایک سے اس کے مصارف سفر وصول کر کے ایک صندوق میں رکھ کر اس کو مقفل کر دیتے اس کے بعد سب کے لئے مرو سے بغداد تک کرایہ کی سواریوں کا انتظام کر کے روانہ ہوتے اور راستہ بھر ان کو عمدہ عمدہ کھانا اور حلوا کھلاتے۔ کھانے کے سوا بھی ان پر جو خرچ ہوتا اس کو خود برداشت کرتے، بغداد پہونچکر سب کو عمدہ پوشاک اور بہترین حلیت میں کر کے مدینہ کے لئے روانہ ہوتے مدینہ پہونچکر ہر ایک سے فرداً فرداً پوچھتے کہ تمھارے گھر والوں نے مدینہ کا کیا کیا تحفہ خریدنے کو کہا ہے جو رفیق جو بتاتا وہ اس کے لئے خریدتے، پھر جب مکہ آتے اور مناسک سے فارغ ہو کر روانگی کی تیاری کرتے تو پھر ہر ایک سے پوچھتے کہ مکہ سے کیا کیا لانے کی فرمائش گھر والوں نے کی تھی اس کے بعد ہر ایک کے لئے سوغات کی چیزیں خرید کر وطن روانہ ہوتے اور واپسی میں بھی رفقاء کے سارے اخراجات کی خود کفالت فرماتے پھر وطن پہونچکر تین دن کے بعد ان سب کی دعوت کرتے، اور کپڑے پہناتے اس کے بعد رفقاء کے

مصارف سفر والا مقفل صندوق منگوا کر ہر ایک کی رقم جو الگ الگ تھیلی میں ہوتی جس پر مالک کا نام لکھا ہوا ہوتا نکالکر بجنسہ اس کو واپس کر دیتے ان کے خادم کا بیان ہے کہ انھوں نے حج کے آخری سفر کے بعد جو دعوت کی تھی اس میں فالودہ کے پچیس دستر خوان لوگوں کے سامنے تھے۔

وہ حضرت فضیل سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم لوگ (یعنی وہ لوگ جو عبادت گذاری اور یاد الٰہی کے لئے ایسے وقف ہیں کہ کسب معاش کبھی نہیں کرتے) نہوتے تو میں تجارت میں نہ پھنستا۔ ایک واقف کار کا بیان ہے کہ فقرا و محتاجین پر سالانہ ایک لاکھ درہم وہ خرچ کرتے تھے۔

ایک شخص سات سو درہم کا مقروض تھا اس نے ابن مبارک سے درخواست کی کہ مجھکو اس بار سے سبکدوش فرما دیجئے، انھوں نے ایک خط لکھکر اس کو دیا کہ میرے وکیل کے پاس لیجاؤ، وکیل نے خط پڑھا تو اس میں بجائے سات سو کے غلطی سے سات ہزار لکھا ہوا تھا۔ اس نے خط لکھکر اس کی اطلاع کی اور لکھا کہ سات ہزار دینے سے تو ساری موجودہ آمدنی ہی فنا ہو جائے گی۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ تحریر میں بے شک غلطی ہو گئی ہے مگر اب تو جو کچھ لکھ گیا ہے وہی دیدو۔ باقی اگر آمدنی فنا ہو جائے گی تو عمر بھی فنا ہی ہو چکی ہے، رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان سے اس کے بھائی کو اچانک بلا وہم و گمان کوئی مسرت و شادمانی حاصل ہو جائے تو اس مسلمان کی مغفرت ہو جائے گی، لہذا میں چاہتا ہوں کہ اس مقروض کو مجھ سے ایک نہیں بلکہ دو غیر متوقع مسرتیں حاصل ہوں۔

اسماعیل بن عیاش کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے اصحاب نے بیان کیا کہ ہم مصر سے مکہ تک ابن المبارک کے رفیق سفر رہے ہیں، اس پوری مسافت میں وہ ہم کو خبیص (ایک قسم کا حلوا) کھلاتے رہے اور خود مسلسل روزے رکھتے رہے (صفۃ الصفوہ)

عبداللہ بن سنان کہتے ہیں کہ ایک بار ابن المبارک مکہ آئے تو میں وہاں موجود تھا میں نے دیکھا کہ جب وہ واپس ہونے لگے تو ابن عینیہ اور فضیل بن عیاض ان کو رخصت کرنے کے لئے تھوڑی دور ان کے ساتھ چلے جب الوداع کہہ چکے تو ایک نے کہا ھذا فقیہ اھل المشرق (یہ اہل مشرق کے فقیہ ہیں) تو دوسرے نے کہا وفقیہ اھل المغرب (اور اہل مغرب کے بھی یہ فقیہ ہیں)

مگر علم وعمل کے اس بلند مقام پر پہونچنے کے بعد ان کی فروتنی اور بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار ان کی کتاب المناسک ان کے سامنے پڑھی جا رہی تھی، پڑھتے پڑھتے ایک حدیث کے خاتمہ پر قاری نے یہ پڑھا کہ "ابن المبارک نے کہا کہ اسی کو ہم بھی لیتے ہیں (یعنی یہی ہمارا قول بھی ہے) یہ سن کر وہ ایک دم چونک پڑے پوچھا یہ کس نے لکھدیا کہا گیا جس کاتب نے یہ نسخہ لکھا ہے اسی نے یہ لکھا ہے پھر انھوں نے کتاب خود لے لی اور اتنی عبارت کو رگڑ رگڑ کر مٹا ڈالا اور فرمایا کہ میں کون ہوتا ہوں کہ میرا قول بھی لکھا جائے

ایک دفعہ کوفہ میں سقایہ کے پاس پانی پینے گئے، وہاں اور بھی بہت سے لوگ پانی پی رہے تھے ان کو کوئی وہاں پہچانتا نہ تھا جب پانی کے قریب گئے تو خوب دھکا کھایا۔ جب وہاں سے چلے تو فرمایا کہ بس زندگی یونہی گذرنی چاہئے کہ نہ کوئی پہچانے نہ تعظیم وتوقیر کرے۔

فرماتے تھے کہ میں مرو سے اسی لئے تو بھاگ کر کوفہ آیا ہوں کہ وہاں بڑی شہرت تھی کوئی بھی بات آپڑتی تو لوگ میرے پاس آتے کوئی مسئلہ پیش آتا تو سب یہی کہتے کہ ابن المبارک سے پوچھو۔ یہاں بہت عافیت سے ہوں کہ نہ تو کوئی آتا ہے نہ جاتا ہے۔

آپ کی وفات ۱۳۔ رمضان ۱۸۱ھ کو ہوئی۔

ہشیم بن بشیر اپنے زمانہ کے نامور محدث اور کبار حفاظ حدیث میں سے تھے، شعبہ، ویحییٰ قطان اور امام احمد وغیرہ کے استاد تھے۔ اور ایسے باہیبت تھے کہ امام احمد چار سال تک ان کی خدمت میں رہے مگر کبھی ان سے سوال کی جرأت نہیں ہوئی فرماتے تھے کہ اس مدت میں صرف دو بار میں نے ان سے کچھ پوچھا ہے۔ ان کی عادت تھی کہ حدیث سنانے کے درمیان بہت کھینچ کر لا الہ الا اللہ کہا کرتے تھے۔

وہ جب حج کے لئے مکہ گئے تو اسی موقع پر انھوں نے ایام حج میں زہری، ابو الزبیر اور عمرو بن دینار سے حدیثیں سنی ہیں (تذکرہ) ۱۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔

شیخ الاسلام ابو بکر بن عیاش قرات میں امام کسائی وغیرہ کے اور حدیث میں ابن المبارک اور امام احمد وغیرہما کے استاد تھے۔ ان کے صلاح وتقویٰ کی بڑی شہرت تھی۔

ان کا خود بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت میں نے چاہ زمزم سے ایک ڈول پانی نکالا تو پانی کے بجائے ڈول میں شہد اور دودھ بھرا ہوا تھا۔

ان کی وفات ۱۹۳ھ میں ہوئی۔

امام حافظ ابو عمرو عیسیٰ بن یونس حافظ حدیث اور نہایت باوقار عالم تھے، دنیاوی دولت وعزت کی کوئی قدر وقیمت ان کی نگاہ میں نہ تھی، سلاطین وامرا، سے بالکل بے نیاز تھے۔ ہارون رشید کی طلب پر بھی امین ومامون کو حدیث سنانے نہیں آئے آخر ہارون نے شاہزادوں کو خود ان کی خدمت میں بھیجا، جب وہ حدیثیں سُنا چکے تو شاہزادہ مامون نے حکم دیا کہ آپ کی خدمت میں دس ہزار درم بطور نذرانہ پیش کئے جائیں مگر انھوں نے

یہ کہکر لینے سے انکار کر دیا کہ میں ایک چلو پانی بھی قبول نہیں کر سکتا۔

ایک بار دولت عباسیہ کے وزیر جعفر نے ایک لاکھ درہم ان کی خدمت میں پیش کئے تو یہ کہکر واپس کر دیا کہ واللہ میں اہل علم کو یہ کہنے کا کبھی موقع نہیں دے سکتا کہ عیسیٰ نے تعلیم و روایت حدیث کی قیمت وصول کر کے کھایا ہے۔

ان کا معمول تھا کہ ایک سال جہاد میں جاتے اور ایک سال حج کے لئے سفر کرتے اس طرح انھوں نے پینتالیس لڑائیوں میں شرکت کی اور پینتالیس حج کئے۔

سنہ ۱۸۷ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

شیخ الاسلام قاضی القضاۃ یحییٰ بن سعید انصاری

امام مالک کے استاد وہم وطن تھے، اور یحییٰ قطان کی رائے میں امام مالک کے استاد زہری سے ان کا درجہ آگے تھا خلیفہ منصور عباسی کی دعوت پر بغداد آئے اور قضاء کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

مروان بن محمد کے زمانے میں مکہ میں یہ اعلان ہوا کرتا تھا کہ حاجیوں کو تین شخصوں کے سوا کوئی فتویٰ نہ دے (۱) یحییٰ بن سعید انصاری (۲) عبید اللہ بن عمر (۳) اور مالک بن انس۔

یحییٰ کی وفات سنہ ۱۴۳ھ میں ہوئی۔ اور عبید اللہ بن عمر مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں، نافع کے شاگردوں میں ان کا مرتبہ امام مالک سے بھی اونچا مانا گیا ہے ان کی وفات سنہ ۱۴۷ھ میں ہوئی

اور امام مالک کی جلالت و امامت آفتاب کی طرح روشن ہے، مروان بن محمد کے زمانہ سنہ ۱۲۷ھ تا سنہ ۱۳۲ھ میں ان کی عمر ۳۰ ـ ۳۵ برس کے درمیان تھی، اس کے بعد سنہ ۱۳۰ھ میں جب بنو عباس حکمراں تھے اس وقت عالم مصر ابن وہب حج کو آئے تھے تو انھوں نے یہ منادی سنی تھی کہ سوائے مالک اور عبد العزیز بن الماجشون کے کوئی

دوسرا فتویٰ نہ دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک مروان کے زمانہ میں اور عباسیوں کے عہد میں بھی حج کے لئے آیا کرتے تھے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ابن الماجشون نے ۱۴۵ھ میں حج کیا تھا، ابن الماجشون مدینہ کے ائمہ فقہا میں شمار ہوتے تھے اور عالم ربانی اور صاحب تصانیف تھے، خلیفہ مہدی عباسی نے ان کو دس ہزار دینار انعام دیا تھا۔ ان کی وفات ۱۶۴ھ میں ہوئی۔

امام ہمام لیث بن سعد مصری

آپ دیار مصر کے امام و شیخ تھے، عوام و خواص میں ان کو بڑی مقبولیت اور عظمت حاصل تھی، ان کا دبدبہ تھا کہ مصر کا حاکم اور قاضی بھی گویا ان کا ماتحت تھا ان کی بات خلیفہ وقت بھی نہیں ٹال سکتا تھا، انھوں نے خلفاء عباسیہ میں سے منصور، مہدی اور ہارون تینوں کا زمانہ پایا تھا منصور نے ان کو مصر میں اپنا نائب (مصر کا گورنر) مقرر کرنا چاہا تھا مگر انھوں نے منظور نہیں کیا،

اس عظمت و شان کے ساتھ خدا نے ان کو مال و دولت کی بھی فراوانی عطا فرمائی تھی اسی ہزار درہم ان کی سالانہ آمدنی تھی، مگر جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ کبھی زکوٰۃ ان پر واجب نہیں ہوئی ان کا شمار اسخیائے اسلام میں ہے۔ انھوں نے ایک بار امام مالک کے پاس ایک ہزار دینار بھجوائے اور ابن لہیعہ محدث مصر کے گھر میں آگ لگ گئی تو ان کو بھی ایک ہزار دینار دیے۔ منصور بن عمار واعظ کو بھی ایک ہزار دینار ہبہ کیا ایک بار ایک عورت مٹی کے ایک دیے میں شہد مانگنے آئی تو اس کو شہد کا برتن ہی مسلم اٹھا کر دیدیا ایک بار امام مالک نے ان کو لکھا کہ میں مقروض ہوں تو انھوں نے پانچسو دینار ان کے پاس بھجوائے، اور ابن وہب کا بیان ہے کہ وہ امام مالک کو سالانہ سو دینار دیا کرتے تھے۔

ان کی پوشاک اور ساز و سامان بھی ان کی دولت مندی کے مناسب تھا۔ ایکبار سلیمان بن حرب نے بیان کیا کہ ہم نے امام شعبہ کی سواری اور اس کی زین اور لگام کی قیمت کا اندازہ لگایا تو اٹھارہ درہم سے بیس درہم تک تھی۔ اس پر محمد بن معاویہ بولے کہ ایک دن امام لیث گھر سے نکلے تو ہم نے ان کی پوشاک، سواری اور انگشتری کی قیمت کا اندازہ کیا تو ہمارے اندازہ میں اٹھارہ ہزار درہم سے کم نہ تھی۔

اس شان و شوکت اور مال و دولت کے ساتھ ساتھ وہ علم کی دولت سے مالامال تھے، علما کی صف میں وہ بڑے بڑوں سے بہت آگے تھے، تم کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ امام شافعی کو ان کے نہ پانے کا بڑا افسوس اور قلق تھا وہ اس افسوس کا اظہار کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ امام مالک سے بھی زیادہ فقیہ تھے مگر ان کے شاگردوں نے ان کو اونچا نہیں اٹھایا۔ اور یحییٰ بن بکیر بھی کہتے تھے کہ لیث امام مالک سے فقہ میں بڑھے ہوئے ہیں مگر قسمت نے امام مالک کی یاوری کی ہے۔ اور سعید بن ابی ایوب کہتے تھے کہ اگر مالک و لیث کسی مجلس میں یکجا ہو جائیں تو مالک ان کے سامنے گونگے ثابت ہوں گے اور لیث مالک کو نیلام میں بیچ ڈالیں گے۔

امام لیث نے انیس برس کی عمر میں ۱۱۳ھ میں حج کیا تھا۔ ان کی وفات ۱۷۵ھ میں ہوئی (تذکرہ)

امام ابن وہب مصری آپ کا شمار بھی مصر کے کبار ائمۂ فقہ و حدیث میں ہوتا ہے۔ امام مالک و امام لیث کے شاگرد تھے، امام مالک ان کو خط لکھتے تو مفتی اہل مصر کے لقب سے ان کو یاد کرتے، یہ لقب انھوں نے اپنے کسی دوسرے مصری شاگرد کو عطا نہیں کیا۔ انھوں نے موطا نام کی ایک بڑی کتاب تصنیف کی ہے، اس کے علاوہ ان کی ایک کتاب احوال القیامہ بھی ہے ان کمالات کے ساتھ بڑے عبادت گذار اور خدا ترس بھی تھے۔

انھوں نے ۶۰ حج کئے تھے، کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنی عمر کا ایک تہائی حصہ حج کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ اور غالباً پہلا حج انھوں نے ۱۴۵ھ یا ۱۴۶ھ میں کیا ہے اس لئے کہ ان کا بیان ہے کہ میں نے ہشام بن عروہ کو مسجد میں بیٹھا ہوا دیکھا (مگر وہاں ان سے نہیں ملا بلکہ) ان کے گھر ملاقات کو گیا تو معلوم ہوا کہ سو رہے ہیں اس کے بعد میں حج کے لئے روانہ ہو گیا جب فارغ ہو کر لوٹا تو معلوم ہوا کہ اُن کی وفات ہو گئی۔ اور ہشام کی وفات ۱۴۶ھ میں ہوئی۔

ابن وہب کی وفات ۱۹۶ھ میں ہوئی۔

محمد بن واسع

اولیائے کرام کے اونچے طبقہ میں آپ کا شمار ہے، محدث بھی تھے، آپ کی ایک روایت صحیح مسلم میں بھی ہے، اپنے زمانہ میں بصرہ کے سب سے افضل بزرگ گنے جاتے تھے، حضرت انس کے شاگرد تھے جہاد کے شوق میں قتیبہ بن مسلم کی فوج میں بھرتی ہو کر آپ خراسان گئے تھے۔ ایک دن قتیبہ نے کسی سے کہا کہ ذرا دیکھو تو مسجد میں کون کون ہے؟ آدمی نے آکر بتایا کہ اس میں محمد بن واسع کے سوا کوئی نہیں ہے وہی اکیلے مسجد میں بیٹھے ہیں اور اپنی ایک انگلی آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہیں۔ قتیبہ نے کہا کہ ان کی وہ ایک انگلی میرے نزدیک تیس ہزار لگاموں سے زیادہ محبوب ہے (یعنی ایک ان کی دعا جس قدر کام آئیگی اتنا تیس ہزار سوار کام نہ آئیں گے۔

فرماتے تھے مجھے صرف تین باتوں کا غم رہا کرتا ہے کوئی دوست ہوتا جو کوئی کجی مجھ میں پاتا تو سیدھا کر دیا کرتا، اور نماز باجماعت کہ اس کی بھول چوک کی ذمہ داری مجھ پر نہیں اور جماعت کا ثواب حاصل، تیسری چیز بقدر کفاف روزی جس میں کسی کا احسان مجھ پر نہ ہو اور اللہ کے یہاں جوابدہی نہ کرنی پڑے۔

ایک دفعہ ایک گدھا بیچنے کے ارادہ سے لئے جا رہے تھے، کسی نے پوچھا

آپ اس کو میرے لئے پسند کرتے ہیں؟ فرمایا بھائی مجھکو پسند ہوتا تو بیچنے کے لئے نہ لاتا (سچائی، خیر خواہی اور ایماندارانہ بیع و شرا اس کا نام ہے)

موسیٰ بن بشار کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مکہ سے واپسی میں بصرہ تک میرا ان کا ساتھ تھا، راستہ بھر میں نے ان کی یہ کیفیت دیکھی کہ پوری رات کجاوہ میں بیٹھے ہوئے اشارہ سے نماز پڑھتے رہتے تھے اور قافلہ میں جو حدی خوان تھا اس سے کہہ دیتے کہ تم میرے پیچھے رہنا اور اونچی آواز سے حدی خوانی کرنا تاکہ ان کی قرأت کوئی نہ سنے، ایسا بھی ہوتا کہ رات کے آخری حصہ میں قافلہ آرام کے لئے کہیں رک جاتا تو یہ اتر کر نماز شروع کر دیتے، جب صبح ہوتی تو اپنے ساتھیوں کو بیدار کرتے۔

آپ کی وفات ۱۲۳ھ میں ہوئی۔

مالک بن دینار نہایت مشہور عابد و زاہد اور اولیائے کرام میں بڑے عالیشان بزرگ تھے، حضرت انس سے حدیثیں سنی تھیں، ان کی حدیثیں سنن اربعہ میں مروی ہیں، ان کے والد سجستان یا کابل کے تھے، قرآن پاک کی کتابت کرتے تھے اور یہی ذریعہ معاش تھا کبھی کبھی کھجور کی پتیوں وغیرہ کی ٹوکریاں وغیرہ بھی بناتے تھے۔

فرماتے تھے کہ پہلے زمانے کے ابرار (نیک لوگ) تین باتوں کی تاکید کیا کرتے تھے (۱) زبان کو مقید رکھنے کی (۲) کثرت سے استغفار پڑھنے کی (۳) اور الگ تھلگ رہنے کی۔ فرماتے تھے کہ جسم میں جب کوئی بیماری ہو جاتی ہے تو کچھ بھی کھاؤ پیو، سوؤ آرام کرو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اسی طرح دل کو دنیا کی محبت کا روگ لگ جاتا ہے تو وعظ و نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

فرماتے تھے بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ اللہ کہتا ہے کہ جب عالم دنیا کا دلدادہ ہو جاتا ہے تو میں سب سے معمولی سزا اس کو یہ دیتا ہوں کہ میرے ذکر کی حلاوت وہ

اپنے دل میں نہیں پاتا۔ فرماتے تھے کہ عالم تو بس وہ ہے کہ جب اس سے ملنے آؤ اور وہ گھر میں موجود نہ ہو تو اس کے گھر کی چیزیں اس کا حال بتا دیں، تم کو نماز پڑھنے کی چٹائی نظر آئے، قرآن پاک دکھائی دے، اور گھر کے ایک کونے میں وضو کا لوٹا رکھا ہوا ہو، غرض آخرت کی تیاری کا نشان ملے،

ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا کہ بہت بیڈھنگے طریقے سے نماز پڑھ رہا ہے تو فرمایا کہ مجھکو اس کے بال بچوں پر بڑا ترس آرہا ہے، کسی نے کہا یہ کیا بات ہوئی؟ فرمایا کہ یہ ان کا بڑا اور بزرگ ہے اور وہ اسی سے سیکھیں گے۔

کسی نے کہا کہ آپ کسی قاری کو بلوا کر قرآن نہیں سنتے (تاکہ قلب متاثر ہو) فرمایا کہ جس عورت کا بیٹا مرا ہو اس کو کسی نوحہ گر عورت کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ نوحہ کرے تو اس کو رونا آئے، کسی نے کہا آپ پانی برسنے کی دعا کیوں نہیں کرتے، فرمایا کہ تم تو کہتے ہو بڑی دیر ہوئی پانی کیوں نہیں برستا، اور میں سوچتا ہوں کہ جیسے ہمارے اعمال ہیں اب تک پتھر کیوں نہیں برسا۔ فرماتے تھے جس دوست یا ساتھی یا ہم نشین سے دین کا فائدہ حاصل نہ ہو اس کی صحبت پر لات مار دو۔

ان کے داماد کا بیان ہے کہ ایک رات عشا کی نماز کے بعد ان کی شب بیداری کی کیفیت معلوم کرنے کے خیال سے میں بیٹھ گیا، دیکھا وہ گھر میں آئے اپنی روٹی کھائی اور نماز میں کھڑے ہو گئے، اس کے بعد انھوں نے اپنی ڈاڑھی پکڑی اور یہ کہنا شروع کیا یا رب اذا جمعت الاولین والاٰخرین فحرم شیبتہ مالك علی النار (خداوندا! جس دن سب اگلے پچھلوں کو تو جمع کرے گا اس دن مالک کے ان سفید بالوں کو آگ پر حرام کر دے) بخدا اسکی اس قدر تکرار کی اور اتنی دیر تک کہتے رہے کہ میری آنکھ لگ گئی بہت دیر پر میری آنکھ کھلی تو اس وقت بھی اسی کی تکرار جاری تھی، یہاں تک کہ یہی کہتے کہتے انھوں نے صبح کر دی۔

ابن المبارک فرماتے ہیں ایک دفعہ بصرہ میں آگ لگ گئی، مالک بن دینار نے اپنے کمل کا کونہ پکڑا اور گھر سے نکل کر فرمایا ھلک اصحاب الاثقال (سازو سامان کے بوجھ والے ہلاک ہوئے) مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس کمل کے سوا کچھ تھا ہی نہیں۔

وہ خود فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سفر سے واپس آرہا تھا، سفر کشتی کا تھا جب کشتی پل کے پاس پہونچی تو چنگی والے نے کہا کہ کوئی شخص کشتی سے نہ نکلے۔ نہ اپنی جگہ سے ہلے، میں نے اپنے کپڑے کندھے پر رکھے اور کشتی سے زمین پر کود پڑا چنگی والے نے کہا تم کیسے نکل آئے؟ میں نے کہا میرے پاس کوئی سامان نہیں ہے، اس نے کہا تو روانہ ہو جاؤ۔ اس وقت میں نے اپنے جی میں کہا کہ آخرت کا معاملہ بھی یونہی ہے۔

فرماتے تھے کہ میں ایک بار بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا اثنائے طواف میں میری نگاہ ایک عبادت گذار لڑکی پر پڑی جو کہہ رہی تھی کہ خداوندا! کتنی خواہشیں ہیں جن کے مزے ختم ہو گئے اور ان کے خمیازے بھگتنے باقی ہیں، اے اللہ کیا آگ کے سوا کوئی دوسری سزا اور تنبیہہ کے لئے کوئی اور چیز نہیں تھی؟ مالک فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس لڑکی نے وہیں کھڑے کھڑے صبح کر دی اور صبح تک برابر یہی کہتی رہی اس وقت میں نے رونا تھا اپنے سر پر رکھکر ایک چیخ ماری اور کہا کہ مالک کو اس کی ماں روئے، ایک لڑکی نے آج رات اس کو مات کر دیا۔

ایک دفعہ بصرہ کا حاکم ان کے سامنے سے اکڑتا ہوا گذر رہا تھا۔ انھوں نے زور سے کہا کہ یہ چال نہ چلو۔ اکڑ چاکر مالک کی طرف جھپٹے تو حاکم نے کہا جانتے ہو وہ مجھکو پہچانتے نہیں۔ وہ برجستہ بولے کہ مجھ سے زیادہ تم کو اور کون جانتا ہوگا۔ سنو تم پہلے نطفہ ناپاک تھے، اور آخر میں سڑی لاش ہو جاؤ گے اور ان دونوں کے درمیانی دور میں پاخانہ پیٹ میں لئے پھر رہے ہو۔ حاکم نے یہ سُن کر سر جھکا لیا اور چلدیا۔

مالک بن دینار کی وفات سنہ ۱۳۱ھ سے قبل ہوئی۔

وہیب بن الورد

جن کا ذکر پہلے آچکا ہے وہ بھی اسی طرح کا ایک چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں جیسا مالک بن دینار نے اپنے طواف کی حالت میں مشاہدہ کیا تھا، وہیب فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک عورت طواف میں کہہ رہی تھی کہ خداوندا! مزے تو ختم ہو گئے، ان کا وبال رہ گیا، اے رب تیری ذات پاک ہے تیری عزت کی قسم تو بے شک ارحم الراحمین ہے، اے رب آگ کے سوا کوئی سزا نہیں تھی ؟ اتنے میں اس کی ایک سہیلی بولی کہ بہن آج تم اپنے رب کے گھر میں داخل نہیں ہوئیں، اس نے کہا خدا کی قسم میں اپنے ان پیروں کو اپنے رب کے گھر کے گرد طواف کرنے کے قابل بھی نہیں سمجھتی پھر ان کو اندر جانے کے لائق کیسے سمجھوں، میں خوب جانتی ہوں جہاں جہاں یہ چلے ہیں۔

عبد العزیز بن ابی رواد

وہ فرماتے تھے کہ حاجیوں کے ایک قافلہ میں ایک عورت تھی جب قافلہ مکہ پہونچا تو اس نے پوچھا میرے رب کا گھر کہاں ہے ؟ لوگوں نے کہا ابھی دیکھ لوگی، جب کعبہ کے سامنے قافلہ پہونچا تو لوگوں نے کہا تمھارے رب کا یہی گھر ہے تم دیکھ نہیں رہی ہو ؟ یہ سنتے ہی وہ بیت ربی بیت ربی (میرے رب کا گھر میرے رب کا گھر) کہتی ہوئی دوڑی اور دوڑ کر اس نے کعبہ کی چوکھٹ پر جو اپنی پیشانی رکھی تو پھر نہیں اٹھائی بلکہ گھر والے سے جا ملی۔

عبد العزیز بن ابی رواد سنن اربعہ کے رجال اور حدیث کے راویوں میں سے ہیں، عبادت وصلاح وتقویٰ میں بہت ممتاز تھے، مکہ معظمہ کے باشندہ اور ابن جریج کے ہم عصر تھے، ان سے کسی نے پوچھا کہ رافضی کون ہے ؟ انھوں نے فرمایا جو کسی صحابی کو ناپسند کرے وہ رافضی ہے، ان کی وفات سنہ ۱۵۹ھ میں ہوئی۔

ابو عبداللہ بن طاہر

وہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک عجمی بڈھے کو طواف کی حالت میں دیکھا، لوگ گریہ وزاری اور دعا کر رہے تھے اور یہ چپکا خاموش تھا، میں نے کہا تم دعا نہیں کرتے، تب اس نے اپنی داڑھی کو اوپر اٹھا کر کہا یا خدا الشیخ (اے خدا بوڑھا ہوں) بس اس سے زیادہ اس نے اور کچھ نہیں کہا۔

ابراہیم بن مسلم مخزومی

وہ فرماتے ہیں کہ ایک عبادت گذار عورت آدھی رات کو اٹھی اور کعبہ کا پردہ پکڑ کر رونے لگی اور یہ دعا کی کہ اے کریم، اے بہتر مدد کرنے والے۔ میں تیری بخشش کے لالچ میں بہت دور سے آئی ہوں، تیری مغفرت ساری کائنات کے لئے وسیع ہے، مجھکو بھی اپنی بخشش میں حصہ دار بنادے کہ میں تیرے ماسوا کے احسان سے بے نیاز ہو جاؤں اے اہل التقویٰ اے اہل المغفرۃ، اس کے بعد چیخ مار کر بیہوش ہو گئی۔

حضرت ذو النون مصری

مشاہیر بزرگان دین اور اکابر اولیا میں سے ہیں، انھوں نے احادیث کی روایت بھی کی ہے فرماتے تھے لحنانی العمل واعربنا فی الکلام (ہمارا اعراب تو درست ہو گیا یعنی زبان ٹھیک ہو گئی اور بہت صحیح و فصیح بولنے لگے مگر زبان کے بجائے عمل میں غلطی کرنے لگے) علما کو مخاطب کر کے کہتے تھے کہ ہم نے جن علماء کو دیکھا ہے ان کا یہ حال تھا کہ جتنا ان کا علم زیادہ ہوتا اسی قدر وہ دنیا سے بے رغبت و متنفر ہوتے جاتے تھے اور آج تم ہو کہ جتنا علم زیادہ ہوتا ہے اسی قدر دنیا کی محبت و حرص بڑھتی جاتی ہے، ہم نے ان کو دیکھا تھا کہ وہ علم حاصل کرنے کے لئے اپنا مال خرچ کرتے تھے اور تم مال حاصل کرنے کے لئے اپنا علم خرچ کرتے ہو۔ ایک شخص نے آکر کہا کہ میری بی بی نے آپ کو سلام عرض کیا ہے فرمایا کہ عورتوں کا سلام نہ پہونچایا کرو۔

فرماتے تھے میں ایک دفعہ طواف میں تھا کہ مجھکو رنج و غم میں ڈوبی ہوئی ایک آواز سنائی دی دیکھا تو ایک عورت کعبہ کا پردہ پکڑ کر یہ کہہ رہی تھی

انت تدری یا حبیبی من حبیبی انت تدری

اے میرے حبیب تو ہی جانتا ہے کہ جب میرا حبیب کون ہے

ونحول الجسم والدمع یبوحان بسرّی

بدن کو لاغری اور آنسو یہ دونوں میرا راز فاش کر رہے ہیں

یا عزیزی قد کتمت الحب حتی ضاق صدری

میرے حبیب میں نے محبت کو بہت چھپایا! لیکن اب سینہ تنگ ہوگیا

یہ سنکر میرا دل بھی بیحد متاثر ہوا اور میں بھی خوب پھوٹ کر رو دیا۔ اس کے بعد میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ میرے معبود، اور میرے آقا و مولیٰ! تجھکو اس محبت کا واسطہ جو تجھکو مجھ سے ہے، مجھے معاف ہی کر دے، یہ الفاظ سُنکر مجھسے رہا نہ گیا میں نے کہا لڑکی! کیا تجھکو اپنی محبت کا واسطہ دینا کافی نہ تھا کہ اس کی محبت (اور اپنی محبوبیت) کا واسطہ دیتی ہے۔ اس نے کہا چلو ہٹو بھی، تم کو معلوم نہیں کہ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن سے پہلے خدا محبت کرتا ہے قبل اس کے کہ وہ خدا سے محبت کریں، خدا کا یہ کلام نہیں سُنا ہے فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ (عنقریب خدا اس قوم کو لائے گا جن کو وہ محبوب رکھے گا اور اسکو وہ لوگ محبوب رکھیں گے) دیکھئے یہاں اللہ کا محبت کرنا پہلے مذکور ہے۔

ذوالنون مصری کی وفات ۲۴۵ھ میں ہوئی ان کی وفات جیزہ میں ہوئی جو دریائے نیل کے اس پار ہے، جنازہ میں آدمیوں کی اتنی کثرت تھی کہ ان کا جنازہ کشتی پر سوار کر کے لایا گیا۔ اس لئے کہ پل سے لیجانے میں یہ اندیشہ تھا کہ کہیں پل نہ ٹوٹ جائے۔

جعفر خلدی آپ کی نسبت پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ آپ نے ساٹھ حج کئے تھے۔ اکابر مشائخ صوفیہ میں تھے، حضرت جنید بغدادی کے

صحبت یافتہ تھے۔ صوفیہ میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک حاجی حرم میں بھوکا ہوا تو اس نے حجر اسماعیل میں خدا سے بھیک مانگی اسی وقت میزاب کی گسیلوں میں سے چاندی کی ایک کپل گری، جس سے اس نے اپنی ضرورت پوری کی۔

فرماتے تھے کہ علم باللہ اور اللہ کے احکام کے علم سے بڑھکر میں کوئی چیز نہیں جانتا، اس لئے کہ اعمال علم ہی کی بدولت پاکیزہ اور بابرکت ہوتے ہیں۔ جس کے پاس علم نہیں ہے اس کا عمل ہیچ ہے۔ علم ناپسندیدہ نہیں ہے اس کا برباد کرنا اور پس پشت ڈالنا ناپسندیدہ ہے۔ کسی نے پوچھا طلب علم بھی عمل ہے، فرمایا وہ بڑا بھاری عمل ہے۔ علم اللہ کی معرفت اور اسکی اطاعت کا ذریعہ ہے اور اسی کی بدولت حیادار آدمی خدا کی نافرمانی کرتے ہوئے شرماتا ہے، کوئی ناقص ہی علم کو ناپسند کرسکتا ہے۔

وہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک سال حج کیا ساتھ میں ایک صوفی بھی تھے جو علم و معرفت میں نمایاں مقام رکھتے تھے، چلتے چلتے ہم ایک پہاڑ کے قریب پہونچے تو پیاس معلوم ہوئی، میں اکیلا نہ تھا ایک جماعت ساتھ ہی۔ ہم نے ان سے کہا کہیں سے پانی بلوائیے اور حالت یہ تھی کہ قریب پاس میں کہیں پانی کا نام و نشان نہ تھا انھوں نے اپنا مشکیزہ اٹھایا اور اس سے پہاڑ کی طرف اشارہ کیا فوراً ہی ہم نے پانی کی آواز سنی یہاں تک کہ مشکیزہ بھر گیا اور پوری جماعت نے پانی پیا میں برابر دیکھ رہا تھا کہ پہاڑ میں نہ کوئی شگاف ہے نہ پانی کا کوئی نشان۔ راوی نے جعفر خلدی سے پوچھا کہ یہ کیا بات تھی انھوں نے کہا یہ اللہ کی نوازش اپنے دوستوں اور مخصوص بندوں پر ہے (یعنی اولیاء کی کرامت ہے)۔

انھیں کا بیان ہے کہ عبداللہ الاقطع (ان کے ایک ہی پیر تھا) ایک پیر سے مکہ گئے اور حج کیا تو ان کے دل میں خطرہ گذرا کہ میرے جیسے کسی آدمی نے ذرا ایسی معذوری کے باوجود حج نہ کیا ہوگا۔ یکایک ان کی نگاہ ایک ایسے آدمی پر پڑی جس کے دونوں

پیر بے کار یا غائب تھے اور وہ سرین کے بل کھسک کھسک کر آیا تھا۔ اقطع کہتے ہیں کہ میں تعجب سے اس کو دیکھنے لگا تو اس نے کہا تعجب کیا کرتے ہو۔ ایک بڑی قوی و طاقتور ذات ایک کمزور و بیدست و پا کو اٹھالائے تو تعجب کی کیا بات ہے۔

عبد الرحمن بن الاسود طبقۂ تابعین میں کوفہ کے فقیہ، اور امام ثوری وغیرہ کے استاذ الاستاذ تھے، صحاح ستہ کے مستند رجال میں سے ہیں ان کے والد حضرت اسود نے اسّی حج اور اسّی عمرے الگ الگ کئے تھے، امام ذہبی وغیرہ نے لکھا ہے کہ عبد الرحمن نے بھی الگ الگ اسّی حج اور اسّی عمرے کئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ایک بار عبد الرحمن حج کے لئے آئے اور ان کے ایک پیر میں کوئی شکایت پیدا ہو گئی تو ایک ہی پیر پر نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ پڑھتے پڑھتے صبح کر دی، اور فجر کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی، عبد الرحمن کی وفات ۹۹ سنہ میں ہوئی۔

لیث بن ابی سلیم ان کا شمار محدثین و عبّاد اہل کوفہ میں ہے، تبع تابعی ہیں، ان کی روایت صحیح مسلم میں ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ لیث بن ابی سلیم حج کے لئے آئے تو انھوں نے وہی کیا جو عبد الرحمن بن اسود کرتے تھے یعنی عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیث کی وفات ۱۴۳ سنہ یا ۱۴۸ سنہ میں ہوئی۔

حکیمہ مکیہ قبیلۂ بنی مخزوم کی ایک عورت تھیں ضروری کاموں کے سوا مسجد حرام سے ایک لمحہ کے لئے جدا نہیں ہوتی تھیں، اور جب کعبہ کا دروازہ کھلا دیکھتیں تو اس طرح چیخ مار کر روتیں جیسے کوئی عورت بچہ کے مرنے پر روتی چلاتی ہے اور اسی طرح روتے روتے بیہوش ہو جاتیں۔

ابو عبید اور عائشہ مکیہ

ابو عبید حدیث و لغت وغیرہ کے امام ہیں، فرماتے ہیں کہ میں کہ حاضر ہوا تو اکثر کعبہ کے مقابل بیٹھا رہتا تھا اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ پیر پھیلا کر لیٹ جاتا، ایک دن میرے پاس عائشہ مکیہ آئیں اور فرمایا کہ اے اللہ کے بندے لوگ کہتے ہیں کہ آپ عالم ہیں، آپ میری ایک بات مان جایئے لا تجالسہ الا بادب فیمحوا اسمک من دیوان المقرب اس کے پاس ادب سے بیٹھئے (ادب کا لحاظ نہ کرنے سے) ایسا نہو کہ آپ کا نام مقربین کے دفتر سے خارج کر جائے۔

عائشہ بڑی عبادت گذار خاتون اور حضرت فضیل کی صحبت یافتہ تھیں۔

امام ابو عبید ۲۱۴ھ میں ہجرت کر کے مکہ چلے آئے تھے، اور تو یا دس سال مقیم رہنے کے بعد انھوں نے مکہ میں وفات پائی، ۲۲۳ھ یا ۲۲۴ھ ان کا سال وفات ہے معجم الادبا میں مذکور ہے کہ جب وہ مکہ آئے اور حج سے فارغ ہو کر عراق لوٹنے کا ارادہ کیا اور کرایہ کی سواری بھی ٹھیک کر لی تو خود ان کا بیان ہے کہ میں نے اسی رات کو خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرش پر تشریف فرما ہیں کچھ لوگ دربانی کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور لوگ جوق جوق حاضر ہو کر سلام و مصافحہ کر رہے ہیں، جب میں قریب پہونچا اور داخل ہونا چاہا تو مجھے روک دیا گیا، میں نے دربانوں سے کہا کہ مجھے کیوں حاضر خدمت نہیں ہونے دیتے ان لوگوں نے جواب دیا کہ تم کل عراق جانے کا ارادہ کر رہے ہو، بخدا تم خدمت اقدس میں نہیں پہونچ سکتے اور نہ سلام کر سکتے ہو۔ میں نے کہا میں عراق نہ جاؤں گا اس کے بعد ان لوگوں نے مجھ سے عہد لیکر اجازت دیدی چنانچہ میں حاضر خدمت ہوا اور سلام و مصافحہ کی سعادت حاصل کی۔ جب صبح ہوئی تو جس آدمی سے سواری کا معاملہ ہوا تھا اس سے مل کر عقد اجارہ کو فسخ کر دیا اور مکہ میں سکونت اختیار کر کے وہیں پیوند خاک ہوئے۔

شیخ الاسلام سلیمان تیمی

امام و حافظ حدیث نبوی تھے حضرت انس و ابوعثمان نہدی وطاؤس وحسن بصری کے شاگرد، اور شعبہ وسفیان وابن المبارک وغیرہم کبار ائمہ حدیث کے استاد تھے،

شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ راست گو آدمی نہیں دیکھا، جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی بات منسوب کرتے تو (اس خوف سے کہ کوئی غلطی نہ ہو جائے) چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا۔ اُن کے لڑکے معتمر کہتے ہیں کہ میرے والد نے چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے، اور اس پوری مدت میں ایک دن روزہ رکھا ہے ایک دن افطار کیا ہے، یحییٰ قطان کہتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ خداترس آدمی نہیں دیکھا جریر کہتے ہیں کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی چیز خیرات کرتے رہتے تھے، خیرات کرنے کی کوئی چیز نہ ہوتی تو دو رکعت نماز ہی پڑھ لیتے تھے، سعد بن عامر کہتے ہیں کہ وہ ایک سجدہ میں ستر بار سبحان ربی الاعلیٰ کہتے تھے، انصاری کہتے ہیں کہ وہ عصر کے بعد سے مغرب تک تسبیح میں مشغول رہتے تھے، حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ کسی نے سلیمان تیمی سے کہا کہ آپ تو آپ ہیں، آپ جیسا کون ہے؟ تو انھوں نے کہا یہ نہ کہو، معلوم نہیں خدا کی طرف سے کیا ظاہر ہو، کیا سُنا نہیں ہے کہ خدا فرماتا ہے وبدا لھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون (اور ظاہر ہوا ان کے لئے خدا کی طرف سے وہ جو ان کے گمان میں نہیں تھا) ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے تو رونا شروع کیا، کسی نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ ایک بار میں نے ایک منکر تقدیر کو سلام کر لیا تھا، اس پر مواخذہ کے ڈر سے روتا ہوں۔

ان کا ارشاد ہے کہ اگر تمام مجتہدوں کی رخصتوں پر عمل کرو گے تو تم میں ساری برائیاں اکٹھی ہو جائیں گی، فرماتے تھے نیکی دل میں نور اور عمل کی قوت پیدا کرتی ہے اور برائی دل میں تاریکی اور عمل میں ضعف و کمزوری پیدا کرتی ہے

معتمر کا ایک رفیق درس جو ان کے ساتھ تحصیل حدیث کیا کرتا تھا، مر گیا، معتمر کو ان کے مرنے کا بڑا غم ہوا تو ان کے والد سلیمان نے پوچھا کہ اس کی موت سنت پر ہوئی ہے، انھوں نے کہا ہاں، فرمایا کہ تب کچھ غم نہ کرو۔

معتمر کہتے ہیں کہ ہمارا گھر جس میں والد رہتے تھے گر گیا تو انھوں نے نمدہ کا ایک خیمہ کھڑا کر لیا اور تیس برس تک اسی میں اپنی زندگی کے دن کاٹے، ان سے کہا جاتا کہ گھر بنوا لیجئے، تو فرماتے کہ بات اس سے بہت جلد ہونے والی ہے، کل ہی تو مر نا ہے انھوں نے اپنے سفر حج میں برابر عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے۔ ۱۴۳ھ میں ان کی وفات ہوئی (سیر السلف و تذکرہ)

ابراہیم بن ادھم بلخی مشاہیر اولیائے عظام میں ہیں، ان کے والد بلخ کے بہت بڑے رئیس و دولت مند بلکہ گویا بادشاہ تھے، ابتداء میں جب ابراہیم سوار ہو کر نکلتے تھے تو بیسیوں نوکر چاکر ان کے ساتھ ہوتے تھے، ایک دفعہ اپنے خدم و حشم کے ساتھ شکار کو گئے تھے، کہ یہ آواز کان میں آئی افحسبتم انما خلقناکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون (کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے) اللہ سے ڈرو، اور فقر و محتاجی کے دن کے لئے توشہ جمع کر لو، یہ سننا تھا کہ سواری سے اتر پڑے، اور دنیا کو لات مار کر آخرت کی تیاری میں لگ گئے، بلخ کی سکونت ترک کر دی، اور محنت مزدوری کر کے قوت لایموت حاصل کرنے لگے اور عبادت خداوندی میں مشغول ہو گئے۔

فرماتے تھے کہ میں نے کسی پر کبھی کوئی بار نہیں ڈالا بجز اس بات کے کہ مجھکو مزدوری کا معاملہ طے کرنا نہیں آتا تو میرے ساتھی میرا معاملہ بھی طے کر دیتے تھے اور مزدوری بھی حساب کر کے وہی وصول کر دیا کرتے تھے، عموماً کھیت کاٹنے یا باغ کی رکھوالی کا کام کرتے تھے۔

ابراہیم بن ادھم ملک شام کو منتقل ہو گئے تھے، اور فرماتے تھے کہ زندگی کا مزا شام ہی میں ملا، کبھی ایک پہاڑ پر ہوں کبھی دوسرے پر، کبھی اس چوٹی پر کبھی اُس چوٹی پر کوئی دیکھکر کہتا ہے پاگل ہے اور کوئی کہتا ہے شتربان ہے، عسقلان میں یحییٰ بن کدیر کے باغ کی رکھوالی کرتے تھے، ایک دن اس کے کچھ دوست آئے، اس نے ان سے کہا ایک میٹھا انار لاؤ، وہ ایک انار توڑ لائے تو بالکل کھٹا تھا اس نے کہا تم سال بھر سے اس باغ میں رہتے ہو آج تک پتہ نہیں کہ میٹھے انار کا درخت کہاں ہے، انھوں نے پوچھا کہاں ہے؟ تو اس نے وہ جگہ بتائی، مگر اس کو ان کے باپ میں کھٹک پیدا ہو گئی۔ یحییٰ کا بیان ہے کہ اسی درمیان میں ایک سانڈنی سوار ابراہیم بن ادھم کو پوچھتا ہوا عسقلان آیا لوگوں نے اس کو میرے گھر کا پتہ بتایا وہ آیا اور آکر ان کے ہاتھ چومے اور بڑی تعظیم بجا لایا، ابراہیم نے پوچھا کیسے آئے اس نے کہا آپ کا ایک آزاد کردہ غلام مر گیا ہے اس کا ترکہ تیس ہزار درہم تھا اسی کو لیکر حاضر ہوا ہوں، ابراہیم نے کہا تم لوگ میرا پیچھا کیوں کرتے ہو، اس نے کہا میں بلخ سے بڑی مشقت اُٹھا کر لایا ہوں اس کو قبول کر لیجئے، ابراہیم نے کہا اچھا اپنی لنگی بچھا کر ساری رقم اسی پر انڈیل دو، اس نے ایسا ہی کیا، اب انھوں نے کہا اس کے تین حصے کرو، اس نے یہ بھی کیا پھر اس سے کہا کہ ایک حصہ تو تم لو بلخ سے یہاں تک تکلیف اٹھانے کا معاوضہ اور ایک حصہ بلخ کے مسکینوں کو بانٹ دینا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ایک حصہ تم عسقلان کے محتاجوں میں تقسیم کر دو۔

ایک بار انگور کے ایک باغ کی رکھوالی کر رہے تھے ایک بہت بڑا آدمی آیا اس نے ان سے تھوڑے انگور طلب کئے، انھوں نے جواب دیا کہ مجھے مالک نے اس کی اجازت نہیں دی ہے، اس کو بڑا طیش آیا اور ان کو مارنے کے لئے کوڑا اٹھایا، انھوں نے اپنا سر جھکا دیا اور کہا کہ اس سر کو تم ضرور کوڑے لگاؤ اس نے اللہ کی بڑی

نافرمانی کی ہے۔ یہ جواب سنکر وہ ششدر رہ گیا۔

ایک دفعہ دریا کا سفر کر رہے تھے کہ یکایک بڑے زور کی آندھی آئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب کشتیاں الٹ جائیں گی اور کوئی زندہ نہ بچے گا عین اسی حالت میں ابراہیم نے اپنا سر ایک کمل میں لپیٹا اور سو گئے، لوگوں نے ان کو جگاکر کہا آپ اس شدت کو ملاحظہ نہیں فرماتے جس میں ہم مبتلا ہیں، فرمایا یہ شدت (سختی و مصیبت) نہیں ہے، لوگوں نے پوچھا پھر شدت کس کو کہتے ہیں؟ فرمایا شدت یہ ہے کہ آدمی آدمی کا دست نگر اور محتاج ہو، پھر فرمایا یا حی حین لا حی، یا حی قبل کل حی، یا حی بعد کل حی یا حی یا قیوم۔ یا محسن یا مجمل قد اریتنا قدرتک فارنا عفوک یہ کہنا تھا کہ دریا بالکل ساکن ہو گیا (صفۃ الصفوہ و سیر السلف)

فرماتے تھے چوبیس سال سے میں شام میں ہوں، اور میں یہاں جہاد کے ارادہ سے نہیں آیا تھا بلکہ اس لئے آیا تھا کہ یہاں حلال روٹی سے پیٹ بھرے گا۔

فرماتے تھے جو آرام چاہتا ہو وہ مخلوق کا خیال دل سے نکال دے، اس کو راحت نصیب ہو جائے گی۔

ایک شخص کو وصیت کی کہ اتخذ اللہ صاحبا و ذر الناس جانبا (اللہ کو رفیق اور ساتھی بنا، اور آدمیوں کو ایک طرف ڈال دے)

سفیان کے پاس لکھکر بھیجا کہ جو مطلوب کی قدر و قیمت پہچان لے اس کو اس کی قیمت ادا کرنا آسان ہو جائے گا، اور جو اپنی نگاہ کو آزاد چھوڑ دے گا اس کو بڑی لمبی مدت تک رنج و افسوس کرنا ہو گا، اور جو اپنی زبان کو آزاد چھوڑ دے گا وہ اپنے آپ کو ہلاک کرے گا، اور جس کے منصوبے بہت لمبے ہوں گے اس کا کام برا ہو گا۔

فرماتے تھے اعربنا الکلام فما نلحن ولحنا فی الاعمال فما نعرب (ہم نے

زبان تو درست کرلی اب ہم سے اعراب میں غلطی نہیں ہوتی۔ مگر عمل میں غلطی کرنے لگے اس کا "اعراب" بالکل ٹھیک نہیں)۔

فرماتے تھے کہ جب ہم کسی جوان کو مجلس میں بات کرتے دیکھتے تھے تو اس سے مایوس ہوجاتے تھے کہ اس سے کچھ خیر کی توقع نہیں ہے (جوانوں کا کام بزرگوں کی مجلس میں بیٹھ کر ان کی باتوں کو بغور سننا اور استفادہ کرنا ہے، اظہار علم و اظہار قابلیت نہیں ہے)

ابراہیم بن ادھم پہلے بلخ سے مکہ آئے تھے اور یہاں حضرت فضیل و سفیان ثوری کی صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے، اس کے بعد شام منتقل ہو گئے تھے،

خود فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ تین دن تک مجھے کچھ کھانے کو نہیں ملا، تو میں نے تین دفعہ بالو پھانک لئے، ابو اسحٰق فزاری فرماتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ابراہیم نے بالو اس لئے پھانکی تھی کہ طواف کرنے کی قوت پیدا ہو جائے (سیر السلف ترجمہ بشیر بن حارث)

ایک بار شقیق بلخی مکہ آئے تو کچھ لوگوں کو خیال ہوا کہ ان دونوں بزرگوں کو ایک مجلس میں اکٹھا کر کے ان کی باتیں سننی چاہئیں۔ چنانچہ مسجد حرام میں اکٹھا کئے گئے اس مجلس میں ابراہیم نے شقیق سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے اپنے طریق کے بنیادی اصول کیا قرار دیئے ہیں، شقیق نے کہا ہم نے اس پر بنیاد رکھی ہے کہ ملجائے تو کھالیں۔ نہ ملے تو صبر کریں۔ ابراہیم بن ادھم نے کہا کہ یہ تو بلخ کے کتے بھی کرتے ہیں کہ ملجاتا ہے تو کھالیتے ہیں نہیں تو صبر کرلیتے ہیں۔ شقیق نے پوچھا پھر آپ کے یہاں اصول طریق کیا ہیں۔ فرمایا ہم نے تو اس پر بنیاد رکھی ہے کہ ملجائے تو اپنی جگہ دوسروں کو کھلادیں نہ ملے تو حمد و شکر بجالائیں، یہ سنکر شقیق کھڑے ہو گئے اور ان کے سامنے جاکر مؤدب بیٹھ گئے اور فرمایا آپ ہمارے استاد ہیں۔

ایک بار طواف کی حالت میں ابراہیم نے ایک شخص سے فرمایا کہ جب تک چھ گھاٹیوں کو پار نہ کرو گے اس وقت تک صالحین کا درجہ نہیں پا سکتے، (۱) ناز و نعمت میں بسر کرنے کا دروازہ بند کرو اور تنگی و سختی کا دروازہ اپنے اوپر کھولو (۲) عزت و جاہ کا دروازہ بند کرو اور ذلت و گمنامی کا دروازہ کھولو۔ (۳) آرام و راحت طلبی کا دروازہ بند کرو اور محنت و مشقت کا دروازہ وا کرو۔ (۴) نیند کا دروازہ بند کرو اور بیداری کا دروازہ کھولو (۵) مالداری و بے نیازی کا دروازہ بند کرو اور فقر و بے مائگی کا دروازہ کھولو (۶) دنیوی منصوبوں اور حوصلوں کا دروازہ بند کرو، اور موت کے لئے تیاری کا دروازہ کھولو۔

فرماتے تھے کہ جو بندہ شہرت و ناموری کا خواستگار ہے وہ اللہ سے سچا معاملہ نہیں کر رہا ہے۔ فرماتے تھے کہ بھیک مانگنے والے بھی بڑے اچھے لوگ ہیں، ہمارا زاد راہ مفت میں آخرت تک پہونچا دیتے ہیں۔

ایک بار امیر المومنین ابو جعفر منصور خلیفہ کے دربار میں ان کا جانا ہوا تو اس نے پوچھا آپ لوگوں کا کیا حال ہے، فرمایا ؎

نرقع دنیانا بتمزیق دیننا ۔ فلا دیننا یبقی ولا ما نرقع

(ہم اپنا دین پھاڑ پھاڑ کر اپنی دنیا میں پیوند لگا رہے ہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ دین باقی رہے گا۔ نہ وہ جس میں پیوند لگاتے ہیں)۔

حضرت ابراہیم بن ادہم کے حالات میں ابن الجوزی نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ آپ کی وفات سنہ ۱۶۲ھ میں ہوئی۔

شقیق بلخی آپ بھی پہلے بڑے دولت مند اور صاحب جائداد تھے، ان کے پوتے کا بیان ہے کہ کبھی ہمارے دادا کے پاس تین سو گاؤں تھے مگر مرنے کے وقت کفن کو کپڑا انہیں چھوڑ گئے تھے، ساری دولت اپنے آگے

بھیجدی تھی (اللہ کی راہ میں خرچ کر دی تھی)

ایک دفعہ جوانی میں بسلسلۂ تجارت ترکستان گئے ہوئے تھے وہاں ایک بت خانہ دیکھنے گئے تو اس کے نگراں سے کہا کہ تم جس کو پوج رہے ہو اس کی پوجا غلط اور باطل ہے، اس کائنات کا خالق تو وہ ہے جس کی کوئی مثال نہیں ہے اور وہی ہر چیز کا رازق ہے اس نے کہا مگر آپ کے قول و فعل میں یکسانیت نہیں ہے، شقیق نے پوچھا کیسے؟ کہا آپ کا قول تو یہ ہے کہ آپ کا خالق ہر شے پر قادر ہے مگر حالت یہ ہے کہ روزی کی تلاش میں آپ اتنی دور چلے آرہے ہیں۔ اس کی یہ بات اثر کر گئی اور گھر آکر اپنی تمام مملوکہ اشیا کو اللہ کی راہ میں تصدق کر کے طلب علم میں مصروف ہو گئے۔

فرماتے تھے کہ میں نے تین لاکھ درہم دے ڈالے لیکن صاف محسوس ہوتا تھا کہ اس میں ریا کو دخل ہے، اور بیس برس صوف پہنا پھر بھی کورا رہا جب ابن ابی رواد کی زیارت حاصل ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ اے شقیق نہ جو کھانے میں کچھ رکھا ہے نہ صوف پہنتے میں، اصل چیز معرفت خداوندی ہے اور یہ کہ بے شائبہ شرک اس کی عبادت کرو، میں نے کہا اس کی توضیح چاہتا ہوں فرمایا کہ جو کام کرو خالص اللہ کی خوشنودی کے لئے کرو فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا (پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے تو وہ کرے کچھ کام نیک اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو)۔

حاتم اصم فرماتے ہیں کہ میں حضرت شقیق کے ساتھ ایک دفعہ میدان جنگ میں تھا، کفار ترک سے مقابلہ تھا اور لڑائی کا ہولناک منظر آنکھوں کے سامنے تھا، لخظہ بلحظہ سر تن سے جدا ہوتے نظر آرہے تھے اس وقت شقیق نے مجھ سے پوچھا کہ اس وقت بھی تمہارا قلب اسی طرح مطمئن اور مسرت و شادمانی سے لبریز ہے جیسا

اس رات تھا جس رات تمھاری دولھن آئی تھی۔ میں نے کہا خدا کی قسم نہیں انھوں نے فرمایا مگر خدا کی قسم میں اپنا دل آج بھی ویسا ہی پا رہا ہوں۔ اس کے بعد اسی جگہ سر کے نیچے ڈھال رکھکر سو گئے اور ناک سے آواز آنے لگی۔ سچ فرمایا ہے۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش ۔۔۔ چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نہ باشد زکس ۔۔۔ ہمیں است معنی توحید و بس

حاتم اصم سے فرماتے تھے کہ آدمیوں سے اسی طرح کا واسطہ رکھو جیسا آگ سے رکھتے ہو۔ آگ سے فائدہ اٹھالو، مگر بچتے رہو کہ جلا نہ دے۔

فرماتے تھے مومن کی مثال اس آدمی کی ہے جس نے کھجور بوئی ہے مگر ڈرتا ہے کہ اس میں پھل کے بجائے کانٹے نہ پھلیں۔ اور منافق کی مثال اس شخص کی ہے جو کانٹے بوئے اور امید لگا رہا ہے کہ اس میں سے کھجوریں توڑوں گا۔

شقیق کے حج کا واقعہ ابراہیم کے حال میں آچکا ہے۔

اسود بن شیبان

عفان بن مسلم فرماتے ہیں کہ اسود بن شیبان بہت ہی نیک بزرگ تھے۔ ان کے پاس ایک اونٹنی تھی، جب حج کا زمانہ قریب آتا تو اونٹنی کی نکیل پکڑ کر حج کے ارادہ سے روانہ ہو جاتے ساتھ اور کوئی چیز نہ لیتے راستہ بھر اس کو چراتے ہوئے لیجاتے اور اسی کے دودھ پر خود بسر کرتے۔

(سیرۃ السلف)

بشیر بن منصور سلیمی بصری

عباس بن ولید کہتے ہیں کہ ایک دفعہ بعد عصر ہم ان سے ملنے گئے [illegible] ملنے پر وہ باہر تو نکلے مگر چہرہ کا رنگ متغیر تھا ہم نے کہا شاید ہم مخل ہوئے؟ انھوں نے پہلے تو کچھ گول مول سا جواب دیا پھر صاف صاف کہا کہ میں چھپانا نہیں چاہتا میں تلاوت کر رہا تھا اس میں خلل پڑا اس کے بعد کہا کہ مجھے تو اس صورت میں کہ (یعنی لوگوں سے ملنے جلنے میں) گھاٹا ہی گھاٹا ہے

غسان بن المفضل کہتے ہیں کہ بشر بن منصور ان لوگوں میں تھے جن کو دیکھنے سے خدا یاد آتا تھا اور ان کے چہرہ کو دیکھنے سے آخرت کا خیال پیدا ہو جاتا تھا، اپنے چہرے پر مردنی طاری کیئے ہوئے نہیں رہتے تھے بلکہ ہشاش بشاش رہتے تھے، تیز فہم اور فقیہ تھے، عربی النسل تھے اور اپنے لڑکوں کو کھجور کے پتوں سے زنبیل وغیرہ بنانے کا کام سکھایا تھا۔

ان کے بھتیجے کہتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ میرے چچا کی تکبیر اولیٰ فوت ہوئی ہو یا کسی سائل کو محروم واپس کیا ہو۔

فرماتے تھے کہ دنیا میں لوگوں سے جان پہچان کم پیدا کرو اس لئے کہ معلوم نہیں انجام کیا ہو اگر خدانخواستہ قیامت کے دن فضیحت ہوئی تو جتنے کم پہچاننے والے ہوں گے اتنی ہی کم رسوائی ہوگی۔ فرماتے تھے پڑھنا پڑھانا فاضل وقت میں (جس وقت عبادت الہی وذکر خدا سے خالی ہو) رکھو۔ ایک بار کوئی ضرورت پیش آئی تو عبدالرحمٰن بن مہدی کے پاس خود ہی چلے گئے، انھوں نے کہا کہلا کیوں نہیں بھیجا، میں خود آجاتا، فرمایا کام تو میرا تھا، جب جانے لگے تو عبدالرحمٰن نے سواری حاضر کی فرمایا میں اپنے نفس کو اس کا عادی بنانا پسند نہیں کرتا۔

ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے اور پورے اطمینان وسکون سے بہت لمبی نماز پڑھ رہے تھے مگر نماز ہی میں ان کو تنبہ ہوا کہ ایک شخص ان کی نماز کو بغور دیکھ رہا ہے تو نماز سے فارغ ہو کر اس سے کہا کہ تم نے جو دیکھا یہ کوئی بڑے خوش ہونے کی بات نہیں ہے۔ ابلیس نے نہ معلوم کتنے سال ملائکہ کے ساتھ حق تعالیٰ کی عبادت کی تھی۔

عیسیٰ بن جعفر وزیر نے ایک حوض بنوایا تھا کہ نہر سے پانی آکر اس میں جمع ہو اور لوگوں کو نزدیک پانی مل جائے مگر بشر بن منصور ایک لونڈی کو بھیجکر نہر سے ایک گھڑا پانی منگوایا کرتے تھے۔ حوض کا پانی نہیں پیتے تھے (اس لیے کہ معلوم نہیں

کیسے مال سے حوض تیار ہوا ہو عموماً حکام ظلم و جبر سے مال وصول کرتے ہیں) ایک دن منہ سے نکل گیا کہ میں مالدار ہوتا تو کسی کو بھیجتا کہ گدھے پر پانی کی مشکیں لاد کر لائے پھر فوراً فرمایا کہ استغفر اللہ، میں بہت اچھی حالت میں ہوں، میں بہت اچھی حالت میں ہوں۔

ابو اسحٰق شامی سے کسی نے کہا کہ اس سال بشر بن منصور اور محمد بن یوسف حج کو گئے ہیں تو انھوں نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں اس سال کے سب حاجی (ان دونوں کے طفیل میں) بخشدیے جائیں گے۔ بشر بن منصور ہی کے گھر میں سفیان ثوری کی وفات کا واقعہ پیش آیا تھا، بشر کی وفات ۱۸۰ھ میں ہوئی (سیر السلف وصفۃ الصفوۃ)

محمد بن یوسف اصفہانی

ابن المبارک ان کو عروس الزہاد کے لقب سے یاد کرتے تھے، متعدد تابعین کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے یحییٰ القطان کہتے ہیں کہ میں نے ان سے افضل آدمی نہیں دیکھا۔ اور ابن مہدی کا قول ہے کہ میں نے ان کی مثال نہیں دیکھی۔ ان کو گمنامی بہت پسند تھی، عطا ابن مسلم حلبی کے پاس بیس سال تک آتے جاتے رہے لیکن ان کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کون آدمی ہیں۔ دروازہ پر جا کر یہ کہلاتے کہ ایک مسافر آدمی ہے کچھ پوچھنا چاہتا ہے، ایک دن مسجد میں عطا سے کسی نے کہا محمد بن یوسف یہی ہیں تو ان کو سخت حیرت ہوئی۔

جس وقت ابن المبارک نے ممالک اسلامیہ کی سرحد پر رباط کی نیت سے جانے کا ارادہ کیا تو ابن ادریس سے پوچھا کہ وہاں جو سب سے افضل شخص ہو اس کو بتائیے انھوں نے محمد بن یوسف کا نام لیا اور کہا وہ مصیصہ میں رہتے ہیں اور سواحل شام میں بھی ان کی آمدورفت رہتی ہے، ابن المبارک نے مصیصہ پہونچکر ان کی نسبت دریافت کیا تو کوئی ان کا شناسا نہ ملا۔ ابن المبارک نے کہا من فضلك لا نعرف (آپ اپنے فضل کی وجہ سے گمنام ہیں)۔

ان کا معمول تھا کہ کسی ایک نانبائی سے روٹی نہیں خریدتے تھے۔ فرماتے تھے روزانہ ایک ہی کے یہاں سے خریدوں تو ممکن ہے وہ پہچان جائے پھر نیک سمجھکر دام میں کچھ رعایت کرنے لگے تو میرا شمار ان لوگوں میں ہو جائے گا جو اپنے دین کے عوض روٹی کھاتے ہیں کسی نے کہا مجھکو کوئی نصیحت فرمایئے کہا اگر ہو سکے کہ کسی چیز کو اپنے وقت سے زیادہ اہم نہ سمجھو تو یہ ضرور کرو،

ایک بار اُن کے بھائی نے ان کے پاس حکام وقت کے مظالم کی شکایت لکھ بھیجی تو انھوں نے جواب میں یہ لکھا کہ جو آدمی گناہ کرتا ہو اس کو سزا ملنے پر نہ تعجب ہونا چاہیئے نہ بُرا لگنا چاہیئے "میرے بھائی تم نے جو شکایت لکھ بھیجی ہے میں تو سمجھتا ہوں کہ وہ گناہوں کی نحوست کے سوا کچھ نہیں ہے۔

عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ میں نے جاڑے اور گرمی میں کبھی نہیں دیکھا کہ محمد بن یوسف نے اپنا بدن بستر پر رکھا ہو۔ ان کے حج کا ذکر بشر بن منصور کے حال میں ہو چکا ہے۔ ان کی وفات ۱۸۴ھ میں ہوئی (صفۃ الصفوہ سیر السلف)

یوسف بن اسباط نہایت عالی شان بزرگ تھے، وہ ان دس آدمیوں میں تھے جن کو اکل حلال کا حد درجہ اہتمام تھا، جب تک قطعی طور پر معلوم نہ ہو کہ یہ لقمہ حلال ہے اس وقت تک کھاتے نہ تھے، ایسا کھانا نہیں ملتا تھا تو معمول بھانک لیتے تھے۔ (سیر السلف ذکر سلیمن خواص)

فرماتے تھے کہ مال و دولت سے بے نیازی و بے رغبتی سے کہیں سخت ریاست اور عزت وجاہ سے بے نیازی و بے رغبتی ہے، فرماتے تھے چالیس سال کا زمانہ گذر گیا مگر اس میں کبھی تخلف نہیں ہوا کہ جس چیز سے دل میں کھٹک پیدا ہوئی میں نے اس کو چھوڑ دیا۔

فرماتے تھے کہ عمل کی صحت و درستگی سیکھو کہ اس میں کوئی سقم نہ رہے، میں نے اسکو

بائیس برس میں سیکھا ہے، فرماتے تھے میں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو علماء کے گناہوں کی وجہ سے عذاب نہ دے۔ فرماتے تھے چالیس سال ہو گئے اس مدت میں کبھی میں دو کرتوں کا مالک نہیں ہوا۔ فرماتے تھے جس عمل میں ایک دانہ کے برابر بھی ریاکاری ہو گی اللہ اس عمل کو قبول نہ کرے گا۔ کسی نے پوچھا کہ زہد کی انتہا کیا ہے؟ فرمایا گھر سے نکلو تو جو بھی نظر آئے تم اس کو اپنے سے بہتر سمجھو۔ ایک دفعہ فصل کا پہلا پھل ان کے سامنے لایا گیا تو اس کو بوسہ دیا پھر اس کو اپنے سامنے رکھکر فرمایا دنیا اس لئے نہیں پیدا کی گئی ہے کہ خود اس کو دیکھا جائے بلکہ اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ اس کے آئینہ میں آخرت کا مشاہدہ کیا جائے، فرماتے تھے سچے خدا پرست کو تین باتیں عطا کی جاتی ہیں، حلاوت، ملاحت اور رعب۔ فرماتے تھے حسن بصری تیس برس تک ہنسے نہیں اور چالیس برس تک انھوں نے کسی سے مذاق کی بات نہیں کی، فرماتے تھے حسن بصری کا قول ہے کہ ہم نے ایسے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ ان کے مقابل میں ہماری حیثیت چوروں سے زیادہ نہیں ہے۔

ایک بار حضرت ابن المبارک ان سے ملاقات کے لئے آئے اور اجازت طلب کی تو انھوں نے اجازت نہیں دی، کسی نے پوچھا کہ آپ نے اجازت کیوں نہیں دی فرمایا کہ اگر اجازت دیتا تو ان کے اکرام و خاطر داری کا حق ادا کرنا چاہتا اور میں اس کو پورا نہ کر پاتا اس لئے اجازت نہیں دی۔

ابو جعفر حذاء نے ان سے مشورہ طلب کیا کہ میں حجاز کی طرف ہجرت کرنا چاہتا ہوں آپ کی کیا رائے ہے آپ نے فرمایا کہ دین کی فکر ہر چیز پر مقدم ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آدمی ایک برائی سے بھاگتا ہے تو اس سے بدتر میں گرفتار ہو جاتا ہے اور بھائی جگہ تو اس جگہ کے رہنے والوں کی بدولت مقدس و پاکیزہ ہوا کرتی ہے، اب لوگ کہاں ہیں جن سے انس ہوتا تھا اور جن کی صحبت میں راحت ملتی تھی۔

کسی نے شعیب بن حرب سے یوسف بن اسباط کی نسبت دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ میں ان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا، بات یہ ہے کہ تر(نیکی) کے دس حصے ہیں، اسمیں سے نو حصے طلب حلال میں ہیں، باقی ایک حصہ میں سارے اعمال نیک ہیں۔ یوسف ان نو حصوں پر تو تنہا قابض تھے ہی، دسویں حصہ میں بھی وہ دوسروں کے شریک تھے

یوسف بن اسباط کا بیان ہے کہ ایک بار میں سفیان ثوری کے ساتھ مسجد حرام میں تھا، سفیان نے مجھ سے کہا کہ وضو کا لوٹا دو میں وضو کروں، میں نے لوٹا اٹھا کر دیا انھوں نے داہنے ہاتھ میں لوٹا لیا اور بایاں ہاتھ رخسارہ پر رکھکر کچھ سوچنے لگے، اور میں جاکر سو گیا جب صبح کو آنکھ کھلی ہے تو دیکھتا ہوں کہ اسی طرح ایک ہاتھ میں لوٹا اور ایک ہاتھ رخسارہ پر ہے میں نے کہا حضرت صبح ہوگئی، تو فرمایا ہاں جب سے تم نے لوٹا دیا اس وقت سے اب تک آخرت کے معاملہ میں سوچتا رہا۔

یوسف بن اسباط کی وفات ۱۹۹ھ میں ہوئی۔ (صفۃ الصفوہ وسیر السلف)

علی بن حکیم سعدی سمرقند کے رہنے والے بڑے صاحب فضل اور متبع سنت تھے، وکیع کے شاگرد رشید اور ان کی کتابوں کے راوی تھے، تقریبا بیس برس مکہ میں مجاور رہے۔ (سیر السلف)

حافظ العصر امام ابوزرعہ رازی ان کا نام عبید اللہ اور باپ کا نام عبدالکریم تھا، حافظہ و ذکاوت میں بے مثل اور تدین و اخلاص میں بے نظیر اور علم و عمل میں فرد تھے، امام مسلم و ترمذی وغیرہما کے استاد حدیث تھے، جب بغداد گئے تھے تو امام احمد کے یہاں اترے تھے، عبداللہ بن احمد کا بیان ہے مجھ سے میرے والد نے فرمایا کہ بیٹے! میں آج نوافل پڑھنے کی عوض میں اس شیخ سے حدیث کا مذاکرہ کرتا ہوں، ایک شخص نے ان سے مسئلہ پوچھا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ ابوزرعہ کو ایک[۱] لاکھ حدیث یاد نہ ہو تو میری بیوی کو طلاق، ابوزرعہ نے فرمایا کہ تمھاری

[۱] صفۃ الصفوہ ج ۲ و تاریخ بغداد و تذکرہ ج ۲

بی بی پر طلاق واقع نہ ہو گی (یعنی مجھکو ایک لاکھ حدیثیں فی الواقع یاد ہیں) ایک دفعہ کسی آدمی نے کہا کہ رے میں ابوزرعہ نامی ایک جوان ہے یہ سُن کر امام احمد سخت خفا ہوئے اور فرمایا جوان کہتے ہو اس کے بعد ہاتھ اُٹھا کر ان کے حق میں بہت سی دعائیں کیں۔

یونس بن عبدالاعلی فرماتے تھے کہ ابوزرعہ وابو حاتم خراسان کے دو امام ہیں پھر دونوں کے حق میں دعا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کی بقا سے مسلمانوں کی بہبودی وابستہ ہے اس علومرتبت کے باوجود یونس بن عبدالاعلی کا بیان ہے کہ میں نے ابوزرعہ سے بڑھکر تواضع کرنے والا نہیں دیکھا۔

اپنے مرض الموت میں کہتے تھے کہ اے اللہ میں تیرے دیدار کا مشتاق ہوں، پھر کہتے تھے کہ اگر وہ کہے کہ کس عمل کی بنیاد پر تم نے یہ حوصلہ کیا تو کہوں گا کہ تیری رحمت کے بھروسہ پر۔ جس وقت ان پر نزع کی کیفیت طاری ہوئی تو اس وقت حدیث کے حافظوں میں سے امام ابو حاتم، ابن وارہ اور منذر بن شاذان اور دوسرے اہل علم موجود تھے ان کو خیال آیا کہ کلمۂ شہادت کی تلقین کرنی چاہئے مگر ان کا لحاظ و ادب مانع تھا۔ اس لئے ان لوگوں نے کہا کہ لاؤ تلقین والی حدیث کا ذکر کریں۔ چنانچہ ابن وارہ نے حدیث کی سند یوں شروع کی حدثنا الضحاک بن مخلد ابو عاصم نا عبد الحمید بن جعفر عن صالح اتنا کہکر وہ رک گئے تو امام ابوزرعہ اسی حالت میں یوں گویا ہوئے نا بندار نا ابو عاصم نا عبد الحمید بن جعفر عن صالح بن ابی عریب عن کثیر بن مرۃ الحضرمی عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ اتنا کہا اور واصل بحق ہو گئے۔ یہ ۲۶۴ھ کا واقعہ ہے۔

اب خود ان کی طالب علمی اور تحصیل علم و کمال میں محنت و مشقت و جانفشانی کی داستان سنئے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں ۲۲۷ھ میں رے سے نکلا تو ۲۳۲ھ میں واپس آیا

میں نے پہلے حج کیا اس کے بعد مصر گیا وہاں پندرہ مہینے قیام کیا، ابتداء میں وہاں زیادہ قیام کا ارادہ نہیں تھا، مگر جب وہاں علم (اور محدثین) کی کثرت دیکھی تو لمبے قیام کی نیت کرلی، پہلے امام شافعی کی تصنیفات کے سماع اور ان کی سند لینے کا ارادہ نہیں تھا جب زیادہ ٹھہرنے کا قصد ہوگیا تو جو آدمی مصر میں امام شافعی کی کتابوں کا سب سے زیادہ واقف کار تھا اس کے پاس میں نے اسّی درہم بھجوائے کہ میرے لئے ان کی کتابیں نقل کردو، میں نے اپنے پاس سے اس کو کاغذ بھی دیا، میں گھر سے چلا تھا تو باریک کپڑے کے دو تھان اپنے لئے کپڑے سلوانے کے واسطے رکھ لئے تھے، لیکن جب ان کتابوں کے نقل کرانے کا ارادہ ہوا تو میں نے وہ دونوں تھان ساٹھ درہم میں بیچ ڈالے اور دس درہم میں کاغذ کے سو تختے خرید کر امام شافعی کی کتابیں نقل کرائیں، اس کے بعد میں شام گیا کچھ دن وہاں رہا، پھر جزیرہ (موسو پوٹامیہ) پہونچا وہاں کچھ دن ٹھہر کر ۲۳۰ھ میں بغداد آگیا، پھر بغداد سے کوفہ اور کوفہ سے بصرہ آیا اور وہاں شیبان وعبد الاعلیٰ سے حدیثیں سنکر لکھیں۔

احمد بن سعید دارمی بیان کرتے ہیں کہ سفر سے واپسی کے بعد اپنی مسجد میں ابوزرعہ نے بیس برس تک نماز پڑھی تھی مگر ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ محراب میں کچھ لکھا ہے یا نہیں چنانچہ ایک دفعہ چند محدثین ان کے یہاں آئے اور ان لوگوں نے دیکھا کہ محراب میں کچھ لکھا ہوا ہے تو ان سے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے محراب میں کچھ لکھا چاہئے یا نہیں فرمایا اگلے علماء کی ایک جماعت اس کو ناپسند کرتی تھی، ان لوگوں نے کہا آپ کی محراب میں تو لکھا ہوا ہے، کیا آپ کو معلوم نہیں ہے؟ فرمایا سبحان اللہ ایک شخص خدا کے سامنے حاضر ہو اور یہ جانے کہ اس کے آگے کیا ہے!

فرماتے تھے کہ میں اچھا لباس اس لئے پہنتا ہوں کہ گھٹیا پہنوں تو لوگ دیکھکر کہنے لگیں کہ ابوزرعہ تارک الدنیا ہوگئے، میرے سامنے عمدہ کھانے اور حلوے آتے ہیں اور

میں کھاتا ہوں تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ابوزرعہ اپنے زہد کی وجہ سے عمدہ کھانے نہیں کھاتے۔
مرنے کے بعد ابو العباس مرادی نے ان کو خواب میں دیکھا پوچھا کیا ہوا، کہا کہ حق تعالیٰ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ ابوزرعہ! میرے سامنے ایک بچہ لایا جاتا ہے تو میں کہتا ہوں اس کو جنت میں لے جاؤ، پھر جو شخص میرے بندوں کے لئے میرے رسول کی سنتوں کو یاد کرے، اس کی کیا بات ہے، جاؤ جہاں جی چاہے جنت میں رہو۔

(تذکرہ، سیر السلف، صفۃ الصفوۃ)

امام حافظ ابو حاتم | محمد بن ادریس نام تھا، مشہور و معتبر و حافظ حدیث تھے، ابوداؤد ونسائی وغیرہما نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

ان کی طالب علمی کے واقعات حیرت انگیز ہیں، فرماتے تھے میں طلب علم حدیث کے شوق میں تین ہزار میل سے زیادہ پیدل چلا ہوں، تین ہزار میل تک تو میں نے گنا اس کے بعد گننا چھوڑ دیا، فرماتے تھے کہ میں کہ سے مدینہ کئی بار پیدل گیا ہوں، اور بحرین سے مصر وہاں سے، رملہ، رملہ سے بیت المقدس اور طبریہ، وہاں سے دمشق، دمشق سے حمص، وہاں سے انطاکیہ، انطاکیہ سے طرسوس وہاں سے پھر حمص اس لئے کہ ابو الیمان سے کچھ حدیثیں سننا باقی رہ گئی تھیں اس لئے دوبارہ آیا اور انھیں سن کر حمص سے بیسان گیا بیسان سے رقہ پیدل گیا رقہ سے کشتی پر سوار ہو کر بغداد آیا، اور شام جانے سے پہلے واسط اور واسط سے کوفہ جا چکا تھا۔ یہ میرا پہلا سفر ہے جس کو میں نے پیدل طے کیا ہے، اس وقت میں بیس برس کا تھا، اس سفر میں سات برس لگے ۲۱۳ھ میں مدے سے نکلا تھا،

میرا دوسرا سفر ۲۴۲ھ میں شروع ہو کر ۲۴۵ھ میں ختم ہوا۔ میں نے چار حج کئے پہلا ۲۱۳ھ میں، دوسرا ۲۳۵ھ میں تیسرا ۲۴۲ھ میں اور چوتھا ۲۵۵ھ میں، اسی سال میرے لڑکے عبدالرحمن نے بھی حج کیا،

فرماتے ہیں۔ میں ۲۱۴ھ میں بصرہ میں تھا اور ارادہ یہ تھا کہ یہاں ایک سال رہوں گا کچھ دنوں کے بعد جو کچھ پاس میں تھا سب خرچ ہوگیا تو میں نے اپنے بدن کے کپڑے بیچنا شروع کئے جب وہ بھی ختم ہو گئے اور بالکل بے سروسامانی ہو گئی تب بھی میں نے ہمت نہیں ہاری اور اپنے ایک دوست کے ساتھ مشائخ کے یہاں گھوم گھوم کے شام تک حدیثیں سنیں، شام کو وہ دوست اپنی قیام گاہ پر چلا گیا اور میں ایک خالی گھر میں واپس آیا اور صرف پانی پی کے رات بسر کی صبح کو پھر اپنے اسی دوست کے ساتھ سخت بھوک کے باوجود مشائخ حدیث کے گھروں کا چکر لگانے کے لئے نکل گیا، اور شام کو لوٹا، لیکن تیسرے دن جب وہ دوست مجھکو لینے آیا تو میں نے کہا آج تو میں بیحد کمزور ہوں مجھ سے چلا نہ جائے گا۔ اس نے سبب پوچھا تو میں نے کہا اب تم سے کیا چھپاؤں، میں نے کئی دنوں سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ اس نے کہا میرے پاس ایک دینار بچا ہے۔ آدھے دینار میں ہم تم کھائیں گے، اور آدھا دینار سواری کے لئے بچا رکھیں گے۔ اس کے بعد ہم بصرہ سے کشتی پر روانہ ہوئے، اتفاق سے ایک دن کشتی میں مجھے نہانے کی ضرورت ہو گئی تو میں نے اپنے ساتھیوں سے اس کا ذکر کیا، انھوں نے کہا دریا میں غوطہ لگا لو، میں نے کہا مجکو تیرنا نہیں آتا۔ انھوں نے کہا ہم تمہاری کمر میں رسی باندھ کر لٹکاتے ہیں تم نہا لو انھوں نے رسی باندھ کر مجھکو پہلے پانی سے کچھ اوپر لٹکا کر کہا ہاں جلدی سے وضو کر لو میں نے وضو کر کے ان سے کہا ذرا رسی ڈھیلی کرو، انھوں نے ڈھیلی کی تو میں نے پانی میں غوطہ لگایا اور کہا اب مجھ کو اٹھاؤ، انھوں نے اٹھا لیا۔

فرماتے ہیں جب ہم مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر جار پہونچے اور مصر کے ارادہ سے کشتی پر سوار ہوئے تو ہم تین آدمی تھے ہوا اس وقت بالکل مخالف چل رہی تھی اس کا انجام یہ ہوا کہ ہم کو تین مہینہ تک سمندر ہی میں رہنا پڑا، جان ضیق میں پڑ گئی زاد راہ تقریباً ختم ہو چک گیا، مجبوراً کشتی سے اتر پڑے اور دریا کے کنارے کنارے خشکی پر پیدل چلنا

شروع کیا تا آنکہ بچا کچا توشہ، اور پانی سب ختم ہوگیا، دو دن تک دانہ پانی کچھ نصیب نہوا مگر پھر بھی دن بھر ہم چلتے اور شام ہوتی تو تھک کر پڑ رہتے، جب تیسرے دن صبح کو ہم نے چلنا شروع کیا تو تھوڑی دور چلنے کے بعد، جو معمر آدمی ہم میں تھا وہ بے ہوش ہوکر گر پڑا، ہم اس کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھے۔ ایک یا دو فرسخ کے بعد میں بھی بے ہوش ہوکر گر پڑا، اور تیسرا ساتھی جواب اکیلا رہ گیا تھا مجھکو چھوڑ کر آگے بڑھا چلتے چلتے اس نے دیکھا کہ ایک کشتی ساحل کی طرف آرہی ہے، کشتی بڑھتے بڑھتے بیر موسیٰ علیہ السلام پر رکی۔ اس نے کپڑا ہلا کر اشارہ سے ان کو بلایا، وہ آئے اور انھوں نے اس کو پانی پلایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کشتی میں لے جانے لگے تو اس نے کہا کہ میرے دو ساتھی میرے پیچھے راستہ میں بے ہوش پڑے ہیں، وہ چلے میرے پاس آئے اور میرے منہ پر پانی ڈالا میں نے آنکھیں کھول دیں اور کہا مجکو پانی پلاؤ انھوں نے ذراسا پانی دیا جس سے جان میں جان آئی مگر سیری نہیں ہوئی اس لئے میں نے کہا اور پلاؤ انھوں نے تھوڑا سا پانی پھر پلایا، اس کے بعد میرا ہاتھ پکڑ کر مجکو لے چلے تو میں نے کہا کہ میرا ایک بڈھا ساتھی بھی بے ہوش پڑا ہے چنانچہ اس کے پاس بھی ایک جماعت گئی اب وہ لوگ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے لے چل رہے تھے مگر میرے پیر اٹھ نہیں رہے تھے، وہ لوگ تھوڑا تھوڑا پانی مجکو پلاتے رہے تا آنکہ میں کشتی کے پاس پہونچا۔ ادھر میرے بڈھے ساتھی کو بھی کچھ لوگ لائے۔ پھر ہمارے ساتھ ان لوگوں نے بہت اچھا سلوک کیا، کچھ دنوں کے بعد جب ہماری حالت ٹھیک ہوئی تو ان لوگوں نے راستہ میں کھانے کے لئے ستو وغیرہ ہمارے ساتھ کر دیا اور اپنے شہر کے حاکم کے نام ایک خط دے کر ہم کو روانہ کیا،

ہم نے پھر پیدل چلنا شروع کیا اور چلتے چلتے ہمارا کھانا پانی پھر ختم ہوگیا مگر ہم اسی طرح بھوکے پیاسے چلتے رہے تا آنکہ کسی طرح مر جی کر اس شہر میں پہنچے

اور حاکم سے ملے اس نے ہماری بڑی خاطر کی، اور اپنے گھر پر ہم کو ٹھہرایا وہ روزانہ ہم کو کدو کھلاتا تھا اور خادم سے کہتا تھا مبارک کدو لا، ایک دن ہم میں سے ایک نے فارسی میں کہا کہ کبھی گوشت نہیں منگاتا، وہ بولا میں فارسی جانتا ہوں میری دادی ہرات کی رہنے والی تھی۔ پھر اس نے گوشت منگایا، جب ہم نے وہاں سے چلنے کا ارادہ کیا تو اس نے ہم کو اتنا زاد راہ دے دیا کہ ہم مصر پہونچ گئے (سیر السلف) امام ابو حاتم کی وفات ۲۷۷ھ میں ہوئی۔

عبدالرحمن بن ابی حاتم شیخ الاسلام، اور امام و حافظ کبیر کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اسماء الرجال میں ان کی تصنیف کتاب الجرح والتعدیل (جو جلد ہی حیدر آباد میں چھپی ہے) ان کی امامت فن کی شاہد عدل ہے، وہ اپنے باپ ابو حاتم اور ابو زرعہ رازی کے علم کے وارث تھے، علم کے بڑے دلدادہ اور اس کے لئے ہر قسم کی سختی کو بخوشی برداشت کرتے تھے فرماتے تھے لا یستطاع العلم براحۃ الجسد (یہ چاہو کہ جسم کو کوئی تکلیف نہو اور علم آجائے، یہ نہیں ہو سکتا) ایک بار امام ابو زرعہ نے ابو حاتم سے کہا کہ میں نے تم سے زیادہ علم کا حریص کسی کو نہیں دیکھا۔ انھوں نے کہا میرا لڑکا عبدالرحمن مجھ سے زیادہ حریص ہے، ابو زرعہ نے کہا جو اپنے باپ کے مشابہ ہو اس نے بیجا بات نہیں کی،

۲۵۵ھ میں جب ابو حاتم حج کو جانے لگے تو یہ ابھی نابالغ تھے مگر ان کو بھی ساتھ لیتے گئے جس وقت مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو ذو الحلیفہ پہونچنے سے پہلے یہ بالغ ہو گئے اور ابو حاتم کو بہت خوشی ہوئی کہ انھوں نے حج اسلام پا لیا، اس سفر میں انھوں نے ابن المقری اور دوسرے مشائخ مکہ اور جو محدثین اس سال حج کو آئے تھے ان سب سے حدیثیں سنیں اس کے بعد ۲۶۲ھ میں ابن ابی حاتم نے محمد بن حماد طہرانی اور دوسرے مشائخ علم کے ساتھ دوسرا حج کیا، اس سفر سے واپسی کے بعد

انھوں نے طلب علم کے لئے اپنے والد سے بار بار اجازت مانگی بلکہ امام ابو زرعہ سے سفارش بھی کرائی مگر اس وقت ابو حاتم کے صرف یہی ایک بیٹے تھے اس لئے وہ ان کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتے تھے، لیکن جب ان کا اصرار بہت بڑھا تو انھوں نے اس شرط پر اجازت دی کہ فلاں وقت تک ضرور واپس آجانا، چنانچہ ۲۶۲ھ میں انھوں نے مصر و شام اور ان کے نواحی کا سفر کیا، جس وقت یہ مصر پہونچے ہیں اس وقت مصر کے بڑے بڑے مشائخ اہل علم مثلاً یونس بن عبد الاعلی، بحر بن نصر، ابن عبد الحکم، مزنی اور ربیع وغیرہم زندہ تھے، مگر ان کے والد نے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہیں دی تھی اس لئے صبح سے شام تک مختلف مشائخ کی مجلسوں میں حدیثیں سنتے اور رات کو حدیثیں لکھتے اور نوشتوں کا مقابلہ اور تصحیح کرتے، اس طرح سات مہینے میں انھوں نے اتنی زیادہ حدیثیں سنیں اور لکھیں کہ دوسرا آدمی برسوں میں نہیں سن اور لکھ سکتا تھا۔ تحصیل علم حدیث میں ان کے انہماک کا یہ حال تھا کہ فرماتے ہیں کہ میں مصر میں سات ماہ رہا مگر اس پوری مدت میں کبھی شوربا کھانے کی نوبت نہیں آئی اس لئے کہ گوشت شوربا پکانے کی فرصت ہی کہاں ملتی تھی، میرا ایک خراسانی رفیق تھا، میں اس کی کتاب میں اور وہ میری کتاب میں سماع حدیث کرتا اور جو میں لکھتا اس کو وہ نہیں لکھتا تھا اور جو وہ لکھتا اس کو میں نہیں لکھتا تھا، ایک دن ہم اور وہ صبح کو ایک شیخ کے گھر گئے معلوم ہوا کہ آج وہ بیمار ہیں، وہاں سے واپسی میں دیکھا کہ مچھلی بک رہی ہے مصر میں ایک مچھلی ہوتی ہے اس کو چیرئے تو زندہ سے زرد نکلتی ہے وہ ہم کو بہت پسند آئی اور ہم نے اس کو خرید لیا، جب گھر پہونچے تو جلد ہی دوسرے شیخ کی مجلس کا وقت ہو گیا اس لئے ہم اس کو چھوڑ کر اس شیخ کی مجلس میں چلے گئے، اسی طرح تین دن گذر گئے مگر مچھلی پکانے کی فرصت نہیں ملی تو ہم نے کچی ہی کھالی۔

فرماتے ہیں کہ میرے والد کھانا کھاتے رہتے یا راستہ چلتے ہوتے یا گھر میں کوئی

چیز تلاش کرتے جاتے تو بھی میں ساتھ ساتھ لگا رہتا اور سوالات کرتا رہتا تھا حتیٰ کہ ابو حاتم کے مرض الموت میں آخر وقت تک بھی انھوں نے سوالات کرنا نہیں چھوڑا وہ زبان سے بول نہیں سکتے تھے تو آنکھ کے اشارے سے ہاں یا نہیں کر دیتے تھے۔

ابن ابی حاتم نے طلب علم کے لئے تیسرا سفر اصفہان کی طرف ۲۶۴ھ میں کیا، اور یونس بن حبیب اور اسید بن عاصم وغیرہما سے حدیثیں سنیں۔

یہ تو علم کے ساتھ ان کے شغف اور اس کی طلب میں ان کی محنت و جانفشانی کا حال تھا اب عمل کے باب میں ان کے اہتمام اور فکر آخرت کا ذکر سنئے،

علی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ابن ابی حاتم بچپن ہی سے عبادت، شب بیداری ذکر الٰہی اور ہمیشہ باوضو رہنے کے عادی تھے۔ اور ان کے والد کہتے تھے کہ عبد الرحمن کی طرح عبادت کرنے کی کس کو طاقت ہے، فرماتے تھے مجھے عبد الرحمن کا کوئی گناہ معلوم نہیں ابن ساج کہتے تھے کہ جب تم عبد الرحمن کے پیچھے نماز کی نیت باندھو تو اپنے کو ان کے حوالہ کر دو کہ جو چاہیں کریں، یعنی بڑی لمبی نماز پڑھتے تھے۔ حتیٰ کہ مرض الموت میں بھی جن لوگوں نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ جیسی لمبی نماز صحت کی حالت میں پڑھتے تھے اتنی ہی طویل نماز اس مرض میں بھی وہ پڑھتے تھے۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کان زاھدا یعد من الابدال (تذکرہ ص۴۹)
(یعنی وہ بڑے زاہد تھے، ان کا شمار ابدال میں ہوتا تھا)

(ابن ابی حاتم کا لباس) کان ثیابہ وسطا من منیر الرازی لاکثیرۃ الثمن ولادون دمار ایتہ قط لبس ثوبا بغدادیا ولا مصریا ولا نحو ذاک من الثیاب المرتفعۃ وکان یلبس فی الشتاء بردا فوقہا قمیص وکان یلبس فی الشتاء والصیف القلنسوۃ فی الصیف قاسمیۃ مرتفعۃ من الراس قلیلا حذاء الاذنین وفی الشتاء رازیۃ التی تغطی الاذنین بشغاسق بردصغالی مخطط دقیق التخطیط یضرب

لوٹنا الی السواد (سیر السلف)

محرم ۳۲۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

ابو حمزہ بغدادی

عیسیٰ بن ابان (فقیہ حنفی) کی اولاد میں تھے، سری سقطی اور بشر حافی کی صحبت سے فیضیاب ہوئے تھے قراءت کے بڑے عالم تھے، بغداد کی جامع الرصافہ میں وعظ کہا کرتے تھے، امام احمد کی مجلس میں تصوف کا کوئی مسئلہ آجاتا تو ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے کہ ما تقول فیھا یا صوفی (اے صوفی، تم اس مسئلہ میں کیا کہتے ہو) فرماتے تھے کہ یہ محال ہے کہ تم کو اس کی محبت ہو اور اس کو یاد نہ کرو، اور ناممکن ہے کہ تم اس کو یاد کرو اور وہ تم کو اپنی یاد کی لذت عطا نہ کرے، اور محال ہے کہ وہ تم کو اپنی یاد کی لذت بخشے پھر تم کو غیر کے ساتھ مشغول ہونے دے۔

جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ ابو حمزہ مکہ سے لوٹے تو میں ان کو سلام کرنے گیا ان پر سفر کی تکان اور اس کی سختیوں کا اثر بہت تھا، میں نے پوچھا کچھ کھانے کی خواہش ہے، فرمایا سکباج اور عصیدہ کو جی چاہتا ہے، میں نے بہت کافی مقدار میں آٹا، گوشت، بیگن و سرکہ وغیرہ خرید کر عصیدہ اور سکباج تیار کرایا اور ایک لگن میں رکھ کر ان کو گھر میں بلایا۔ جب وہ کھانے لگے تو میں کسی کام سے اٹھ آیا جب لوٹ کر آیا تو وہ کھانے سے فارغ ہو چکے تھے اور سارا کھانا انھوں نے ختم کر دیا تھا انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ جنید تعجب نہ کرو، مکہ سے روانگی کے بعد سے بغداد پہونچنے تک تیسری دفعہ آج کھانے کی صورت دیکھی ہے۔

ابو حمزہ بغدادی کی وفات ۲۹۰ھ میں ہوئی (سیر السلف)

ابو عبد اللہ رودباری

ابو علی رودباری کے بھانجے تھے، ان کے خاندان کے لوگ وزارت میں تھے، انھوں نے علم حدیث کی تحصیل کی تھی، فقہ و لغت و نحو پر بھی عبور تھا اس کے باوجود بڑے زاہد تھے نہایت معمولی لباس

میں رہتے تھے، کھانا بھی معمولی کھاتے تھے، ان کا ایک حلقہ قائم تھا جس میں قرآن کا درس دیتے تھے، ان کی ایک املا کی مجلس بھی تھی، صور (ساحل بحر شام) میں سکونت اختیار کرلی تھی، فرماتے تھے کہ مکہ کے راستہ میں ایک اونٹ پر سوار تھا اتفاق سے ایک جگہ اونٹ کا پیر پھسل گیا۔ میں نے کہا جلَّ اللہ تو اونٹ نے بھی نہایت فصیح زبان میں کہا جلَّ اللہ (سیر السلف)

علی بن عبد الحمید غضائری ملک شام کے رہنے والے تھے، سوار بن عبد اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، اور ان سے ابن المقری روایت کرتے ہیں، ان کا شمار ابدال میں ہوتا تھا۔ فرماتے تھے کہ ایک بار میں سری سقطی کے دروازہ پر ان کے انتظار میں کھڑا تھا تو میں نے سنا کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ جو مجھکو اپنے ساتھ مشغول کرے تو اس کو مجھ سے ہٹا کر اپنے ساتھ مشغول کر علی کہتے ہیں کہ اسی دعا کی برکت تھی کہ میں نے حلب سے پیادہ پا چالیس حج کئے۔

(سیر السلف)

حافظ الاسلام امام ابوداؤد سجستانی آپ کا نام سلیمان بن الاشعث ہے، حدیث میں آپ کی مقبول و مستند کتاب (سنن ابی داؤد) صحاح ستہ میں داخل ہے، جس طرح فن حدیث میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا اسی طرح تقویٰ طہارت اور عبادت گذاری میں بھی آپ کا درجہ بہت اونچا تھا، احمد بن محمد ہروی کا قول ہے

کان احد حفاظ الاسلام للحدیث وعلمہ وعللہ وسندہ مع اعلی درجۃ من النسک والعفاف والصلاح والورع۔

اسلام میں جو نمایاں حفاظ، حدیث اور اس کے علل و اسانید کے گذرے ہیں ان میں ایک آپ تھے، اسی کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے عابد، عفیف، صالح اور متقی بھی تھے

اور ابن حبان کہتے ہیں کان احد ائمۃ الدنیا فقہا وعلما وحفظا ونسکا وورعا واتقانا (یعنی فقہ وعلم وقوت حافظہ اور عبادت وتقویٰ میں دنیا کے اماموں میں سے ایک امام تھے) امام احمد کے ممتاز شاگرد تھے، مگر خود امام نے بھی ان سے ایک حدیث سُنی تھی۔ امام ترمذی وامام نسائی جیسے ائمہ ان کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپنے اپنی کتاب السنن امام احمد کو دکھائی تھی۔ امام احمد نے اس کو دیکھکر پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا۔ حافظ موسیٰ فرماتے تھے کہ ابوداؤد دنیا میں حدیث کے لئے اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں بعض علما ان کو چال ڈھال اور رفتار وگفتار میں امام احمد کا نمونہ قرار دیتے ہیں۔

آپ کا مقولہ ہے کہ خیرالکلام ما دخل الاذن بغیر اذن (بہترین کلام وہ ہے جو کان میں بے اجازت لئے داخل ہو جائے)

امام ذہبی کی تحقیق ہے کہ بجستان اطراف کران وسندھ سے متصل اور ہرات کے نیچے واقع ہے، ابوداؤد وہیں کے باشندہ تھے خلیفہ وقت کے بھائی نے آپ سے درخواست کی کہ بصرہ میں سکونت اختیار فرمائیں تاکہ بصرہ علم سے معمور ہو اس لئے وہیں مقیم ہوگئے تھے اور وہیں وفات پائی۔

آپنے طلب حدیث کے لئے حجاز، شام، مصر، عراق، جزیرہ اور خراسان وغیرہ کا سفر کیا تھا۔ آپ کا بیان ہے کہ مدینہ کی حاضری کے موقع پر میں بیر بضاعہ کی زیارت کو گیا تو میں نے اس کو چادر سے ناپا، اس کا عرض سات ہاتھ تھا، جس باغبان نے دروازہ کھولا تھا اور مجھکو کنویں تک پہونچایا تھا اس سے میں نے پوچھا کہ عہد نبوی کے بعد اس کی دوبارہ تعمیر ہوئی ہے یا نہیں تو اس نے کہا نہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے پانی کو متغیر اللون (بدلے ہوے رنگ کا) دیکھا۔

راقم مؤلف کتاب ہے کہ اس حقیر نے محرم ۱۳۴۲ھ، پھر محرم ۱۳۴۲ھ میں کئی بار اس کنویں

کی زیارت کی ہے، اس کنویں سے مشین کے ذریعہ آب پاشی ہوتی ہے، اور اس کا پانی نہایت صاف شفاف و شیریں ہے۔

امام ابوداؤد کی وفات ۲۷۵ھ میں بمقام بصرہ ہوئی۔

ایک لامعلوم الاسم عابد

امام طاؤس فرماتے ہیں کہ میں ایک بار مکہ میں تھا کہ حجاج ثقفی نے آدمی بھیجکر بلوایا میں پہونچا تو اس نے مجھے اپنے پہلو میں بٹھایا اور ٹیک لگانے کے لئے اپنی مسند میری طرف سرکادی، اسی اثنا میں اس نے ایک حاجی کو بلند آواز سے بیت اللہ کے گرد لبیک کہتے ہوئے سُنا، حکم دیا کہ وہ حاجی بھی حاضر کیا جائے، چنانچہ وہ لایا گیا، حجاج نے پوچھا تم کن لوگوں میں سے ہو؟ اس نے کہا مسلمانوں میں سے، حجاج نے کہا اس کی بابت میں نہیں پوچھتا اس نے کہا پھر کیا پوچھتے ہو حجاج نے کہا تمھاری سکونت معلوم کرنا چاہتا ہوں اس نے کہا میں اہل یمن سے ہوں، حجاج نے پوچھا محمد بن یوسف (یہ حجاج کا بھائی اور یمن کا گورنر تھا) کو تم نے کس حال میں چھوڑا تھا اس نے کہا میں نے اس کو خوب بھاری بھرکم، خوش پوشاک، اور ہمہ وقت سوار اور کثرت سے چلتا پھرتا چھوڑا تھا، حجاج نے کہا میں یہ نہیں پوچھتا اس نے کہا پھر کیا؟ حجاج نے کہا میں اس کا طور طریقہ معلوم کرنا چاہتا تھا اس نے کہا میں نے اس کو نہایت ظالم، ہڑپ کر جانے والا، مخلوق کا فرماں بردار اور خالق کا نافرمان چھوڑا تھا، حجاج نے کہا تم کو معلوم ہے کہ میرا اس سے کیا علاقہ ہے پھر تم نے اس طرح جواب دینے کی جرأت کیونکر کی؟ اس نے کہا کیا جو علاقہ اس کو تم سے ہے اس کی بنا پر تم اس کو زیادہ باعزت سمجھتے یا مجھکو اس علاقہ کی بنا پر جو اللہ عزوجل سے مجھے ہے، میں اس کے گھر کا مہمان، اس کے نبی کا تصدیق کنندہ اور اس کے دین کا ادا کرنے والا ہوں، حجاج نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا، اور وہ حاجی بلا اجازت لئے اُٹھا اور چلدیا طاؤس فرماتے ہیں کہ فوراً ہی میں بھی اٹھا اور کہا کہ یہ آدمی بڑا دانا ہے حرم پہونچکر دیکھا کہ وہ

بیت اللہ کے پاس آیا اور کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا کرنے لگا۔ دعا سے فارغ ہو کر حجاج کے مجمع میں گم ہوگیا، اس کے بعد میں نے اس کو عرفہ کی شام کو دیکھا اس وقت وہ یہ دعا کر رہا تھا اللھم ان کنت لم تقبل حجی و تعبی و نصبی فلا تحرمنی الاجر مصیبتی علی ترکک القبول (یعنی اے اللہ اگر تو نے میرے حج اور میری تکالیف سفر رنج و تعب کو شرف قبول نہ بخشا ہو تو کم سے کم مجھے نامقبولیت کی مصیبت کے اجر و ثواب سے تو محروم نہ کر) اس کے بعد حاجیوں کی بھیڑ میں وہ آنکھوں سے اوجھل ہوگیا، تا آنکہ میں نے اس کو مزدلفہ کی صبح کو دیکھا اس وقت وہ ان الفاظ کی تکرار کر رہا تھا واسوأتاہ واللہ منک وان عفوت (وائے میری رسوائی اگرچہ تو نے بخش دیا ہو)

امام احمد بن حنبل آپ جلیل القدر و مشہور و معروف امام اور صاحب مذہب ہیں آپ کے مناقب میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، آپ نے پانچ حج کئے تھے تین حج پیادہ پا اور دو سواری پر، آپ کس سادگی اور فقر و مسکنت کے ساتھ حج کرتے تھے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ بعض دفعہ آپ کے کل مصارف سفر صرف بیس درہم تھے،

آپ کی وفات سنہ ۲۴۱ھ میں ہوئی، آپ کے جنازہ میں آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں شریک ہوئی تھیں۔

علی بن المدینی امام بخاری کے استاد ہیں اور ایسے جلیل القدر امام کہ امام بخاری کو بھی ان کے سامنے کوتاہی اور کمی کا احساس ہوتا تھا جس کا وہ برملا اعتراف کرتے تھے۔ جب انھوں نے حج کا ارادہ کیا تو امام احمد سے جو ان کے ہم عصر و ہمدرس تھے ملنے کو آئے، امام احمد نے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں بھی مکہ تک آپ کی رفاقت میں چلوں، مگر صرف اس وجہ سے ہمت نہیں ہوتی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ مجھ سے یا میں آپ سے اکتا نہ جاؤں (اور یہ جو باہمی محبت گمراولی

تعلق ہے اس میں کمی نہ آجائے) جب علی رخصت ہونے لگے تو کہا کہ مجھے کوئی وصیت فرمائیے، امام احمد نے فرمایا ہاں اپنے دل پر تقوی کو لازم بنا لیجئے اور آخرت کو اپنا نصب العین قرار دیجئے۔

علی بن المدینی کی وفات ۲۳۴ھ میں ہوئی

سعید بن وہب پہلے نہایت آزاد منش شاعر تھے، اس کے بعد توبہ کر کے عبادت میں مشغول ہو گئے اور پیدل حج کیا، پیدل سفر کرنے میں جب تکلیف و مشقت کی انتہا ہو گئی تو یہ شعر انھوں نے کہے

قدمی اعتورا رمل الکثیب

اے میرے قدم! تم تودہ ریگ کی ریتوں پر بار بار چلو

واطرقا الاجن من ماء القلیب

اور راستہ کے کنوؤں کے بدبودار پانی پر اترو

رب یوم رحتما فیہ علی

اس لئے کہ کتنے دن ایسے گذرے ہیں جن میں تم دنیا کی

زھرۃ الدنیا وفی واد خصیب

آرائش و زیبائش کے لئے اور سرسبز وادیوں میں

و سماع حسن من حسن

اور کسی حسین کا عمدہ گانا سننے کے لئے

صخب المزھر کالظبی الربیب

جس کا عود بج رہا تھا اور وہ پروردہ ہرن کی طرح تھا چل چکے ہو

فاحسبا ھذا بذاک وا صبرا

پس آج کی تکلیف کو اس مزے کے بدلے میں سمجھ لو

وخذا من کل فن بنصیب

اور صبر کرو (اور تکلیف و آرام) ہر ایک سے حصہ لو

انما امشی لانی مذنب

میں پیدل اس لئے چلتا ہوں کہ میں گناہ گار ہوں

فلعل اللہ یعفو عن ذنوب

ممکن ہے اللہ میرے گناہوں سے درگذر فرمائے

سعید کی وفات خلیفہ مامون کے عہد میں ہوئی۔

علی بن الموفق بہت بڑے عابد و محدث تھے، انھوں نے زندگی میں ساٹھ حج کئے تھے، ان کا بیان ہے کہ میں پچاسویں دفعہ کے بعد حج کرنے گیا تو میں نے عرفات میں اہل موقف اور ان کی آہ وزاری کو دیکھکر کہا کہ خدایا! اگر ان میں کوئی ایسا ہو جس کا حج قبول نہو تو میں اپنا حج اس کو ہبہ کرتا ہوں، اس کے بعد جب میں مزدلفہ پہونچا تو وہاں میں نے اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا، اللہ نے مجھکو خطاب کرکے فرمایا کہ اے علی تو ہمارے سامنے اپنی سخاوت اور دریادلی دکھاتا ہے، ہم نے تمام اہل موقف کو بلکہ جتنے یہ ہیں اتنے اتنے اور جتنوں کو بخشدیا اور ان میں سے ہر ایک کی شفاعت ان کے گھر والوں کے حق میں، ان کی ذریت کے حق میں اور ان کے ناتے داروں کے حق میں قبول کی، بس ہی اس کا مستحق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے، اور میرا ہی کام مغفرت کرنا ہے۔

انھیں کا یہ بیان بھی ہے کہ جب میرے ساٹھ حج پورے ہوگئے تو طواف سے فارغ ہو کر میں میزاب رحمت کے سامنے بیٹھ گیا اور یہ سوچنے لگا کہ میں اس جگہ آیا گیا تو بہت زیادہ مگر معلوم نہیں اللہ کے نزدیک میرا کیا حال ہے، اسی سوچ میں میری آنکھ لگ گئی تو میں نے دیکھا کہ ایک کہنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ اے علی تم اپنے

مگر سوائے اس کے جس کو تم چاہتے ہو کسی دوسرے کو بھی بلاتے ہو؟ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور میری پریشانی دور ہو گئی۔

حضرت مولانا جامی نے تحفۃ الاحرار میں اس واقعہ کو یوں نظم کیا ہے۔

پور موفق کہ بتوفیق حق | بردہ ز ہر پیر موفق سبق
بادیہ کعبہ بسے می برید | محنت آں راہ بسے می کشید
روزے ازانجا کہ دلے داشت تنگ | زد بدر کعبہ سر خود بسنگ
گفت خدایا پس ہر محنتے | سوے من کن نظر رحمتے
راہ حج و عمرہ بسے رفتہ ام | بہر تو نے بہر کسے رفتہ ام
دل بوفاے تو گرو بودہ ام | بے سرو پا در تگ و دو بودہ ام
زیں سفرم نیست بکف حاصلے | نے سر وقتے نہ بساماں دلے
ہیچ ندانم کہ مرا حال چیست | بخت مرا پایہ اقبال چیست
شب چو دریں فکر فرو شد بخواب | آمدش از حضرت عزت خطاب
کاے برہم پاے ز سر ساختہ | برہمہ زیں پایہ سرا فراختہ
گر نہ ترا خواستمے کے چنیں | دادمیت راہ بسوے ایں زمیں
ہر کہ نہ مائل بسوے وے شوم | سوے خودش راہ نماکے شوم
حاصلت این بس کہ ترا خواستم | باطنت از شوق خود آراستم
رہ بسوے خانۂ خود دادمت | بر در ہر کس نفرستادمت
یارب ازانجا کہ کرم آنِ تست | چشم ہمہ بر در احسان تست
جامی اگر چند نہ صاحبدل است | از تو بامید چنیں حاصل است

علی بن الموفق کی وفات ۲۶۵ھ میں ہوئی۔

احمد بن ابراہیم مسوحی بغداد کے اجلۂ مشائخ میں سے تھے، سری سقطی کے صحبت یافتہ تھے، ان کا معمول تھا کہ صرف ایک قمیص ایک چادر اور ایک جوتا لیکر حج کے لئے نکل جاتے تھے، اس کے سوا کوئی چیز حتی کہ پانی کی مشک اور گلاس یا پیالہ بھی ساتھ نہیں لیجاتے تھے، صرف ایک بلور کا گلاس ساتھ ہوتا تھا جس میں شامی سیب رکھے رہتے تھے اور اسی کو سونگھتے رہتے تھے بغداد سے مکہ تک اسی طرح راستہ طے کرتے تھے، بہت بہتر لوگوں میں تھے۔

ابو بکر کتانی بغداد کے رہنے والے تھے، مگر مکہ میں مقیم ہو گئے تھے، ان کا لقب سراج الحرم تھا، جنید بغدادی کی صحبت اٹھا چکے تھے، انھوں نے طواف میں بارہ ہزار ختم کئے تھے، ۳۲۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

جعفر بن محمد خلدی آپ بھی جنید بغدادی کے تلامذہ میں تھے، آپ نے ساٹھ حج کئے تھے، رمضان ۳۴۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

ابو بکر آجری بڑے دیندار محدث اور صاحب تصانیف تھے، پہلے بغداد میں درس حدیث کا شغلہ تھا اس کے بعد مکہ جاکر مقیم ہو گئے ابو سہیل عکبری کا بیان ہے کہ جب وہ مکہ پہونچے تو مکہ انکو نہایت بھلا معلوم ہوا اور بہت پسند آیا۔ انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ اے اللہ مجھے اس شہر میں کم از کم ایک سال زندگی نصیب فرما، غیب سے ایک آواز آئی کہ اے ابو بکر ایک ہی سال کیوں تیس سال، جب تیس سال پورے ہو گئے تو پھر غیب سے یہ ندا آئی کہ ہمارا وعدہ پورا ہو چکا، اسی سال (یعنی ۳۶۰ھ میں) ان کا انتقال ہوا۔

محمد بن النضر مکہ کے اول درجہ کے عابدوں میں ان کا شمار تھا، ابن المبارک وغیرہ ان سے فیض حاصل کرتے تھے جریر حارثی کا بیان ہے کہ میں عرصہ تک سرحدی جنگ میں ان کے ہمراہ تھا، ان کا معمول تھا کہ جب قافلہ کوچ کرنے

کی تیاری کرتا اور الرحیل کی آواز ان کے کان میں پڑتی تو دو میل اکیلے پیدل چلے جاتے نفل پڑھنا شروع کر دیتے جب قافلہ کے اونٹوں کی آہٹ معلوم ہوتی تو پھر دو میل آگے جاکر نفل پڑھنے لگتے، عصر کے وقت تک یہی کیا کرتے جب نماز عصر سے فارغ ہوتے تو اپنے اونٹ پر سوار ہوتے،

حسین بن علی جعفی بڑے ممتاز عالم و عابد تھے، سفیان بن عیینہ ان کی تعظیم بجالاتے تھے، ابن ابی عمر عدنی فرماتے ہیں کہ ایک بار ہاروں الرشید اس مسجد (مسجد حرام) میں آئے تو ان کے خادم نے مجھ سے بیان کیا کہ میں اور جعفر برمکی دونوں ہاروں کے ساتھ نکلے جب ثنیہ کے پاس پہونچے تو ہاروں نے مجھ سے کہا کہ ذرا حسین بن علی جعفی کا پتہ لگاؤ، میں نے ایک اور شخص نے مل کر دریافت کیا اس نے کہا ابھی وہ ایک دراز گوش پر سوار آرہے ہیں ان کے پیچھے ایک حبشی ان کے اونٹوں کو لا رہا ہے اتنے میں وہ نظر آگئے میں نے عرض کیا امیرالمومنین حسین وہ آرہے ہیں، جب وہ پاس پہونچے تو امیرالمومنین کھڑے ہوگئے اور ان کے ہاتھ یا پیر کو چوما، جعفر برمکی بولے کہ اے شیخ! کچھ خبر ہے کون آپ کو سلام کر رہا ہے! یہ امیرالمومنین ہاروں ہیں، حسین نے ہاروں کی طرف ملتفت ہو کر کہا کہ تجھ سے اے حسین و جمیل شخص ہاں تجھ سے اس تمام مخلوق کے باب میں پوچھا جائے گا۔ ہاروں نے یہ سنا تو بیٹھکر رونے لگے۔

عدنی کہتے ہیں کہ پھر ہم ابن عیینہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو ایک شخص نے آکر ان کو اطلاع دی کہ حسین آتے ہیں، سفیان بن عیینہ یہ سنتے ہی ان کی ملاقات کو اُٹھ کھڑے ہوئے ہم بھی ساتھ ہوئے جب باب بنی شیبہ (باب السلام) کے پاس پہونچے تو فضیل مل گئے۔ انھوں نے پوچھا کہاں جا رہے ہیں سفیان نے کہا حسین جعفی آئے ہیں ان کی ملاقات کو جا رہا ہوں فضیل نے کہا میں بھی چلوں گا اب

یہ دونوں بزرگ آگے آگے اور ہم سب لوگ ان کے پیچھے چلے جب موتی والوں میں پہونچے تو دیکھا کہ حسین ایک دراز گوش پر سوار چلے آ رہے ہیں، حضرت فضیل نے آگے بڑھ کر ان کا پیر چوما، اور سفیان نے لپک کر ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا، اس کے بعد فضیل نے کہا اس بزرگ پر میرا باپ قربان جس کے پاس میں نے قرآن پڑھا ہے، پھر وہ مسجد میں داخل ہے، اور طواف سے فارغ ہو کر سرخ ستون کے پاس بیٹھے تو تمام لوگ ان کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے، حسین جعفی کی وفات ۲۰۳ھ میں ہوئی

بہیم عجلی بڑے عبادت گذار تھے، خوف و خشیت کی وجہ سے ہر وقت ان کی آنکھیں اشکبار رہتی تھیں مخول کہتے ہیں کہ ایک بار وہ میرے پاس آئے اور کہا کہ تم اپنے دوستوں یا ہمسایوں میں سے کوئی آدمی دریافت کر کے بتاؤ جو حج کا ارادہ رکھتا ہو اور تم اس کو میری رفاقت کے لئے پسند کرتے ہو۔ میں نے کہا اچھی بات ہے اس کے بعد میں محلہ کے ایک صالح و دیندار کو لیکر ان کے پاس گیا دونوں آدمیوں میں مرافقت کی بات طے ہو گئی، اور بہیم اپنے گھر چلے گئے، کچھ وقفہ کے بعد ان کا رفیق میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ بھائی کسی طرح میری ان کی رفاقت کا قصہ ختم کر دو اور ان کے لئے دوسرا رفیق تلاش کر دو، میں نے اس کو ملامت کی اور کہا ایسا کیوں کرتے ہو صبر و ضبط اور حسن خلق کے لحاظ سے کوفہ میں ان کی نظیر میرے علم میں نہیں ہے، میں خود ان کے ساتھ دریا کا سفر کر چکا ہوں مجھے تو سوائے خیر کے اور کچھ نظر نہ آیا اس نے کہا صاحب، مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ ہمہ وقت روتے رہتے ہیں اس سے سفر میں ہمارا عیش مکدر ہو جائے گا۔ میں نے کہا، رونا کبھی کبھی ہوتا ہے آدمی پر رقت طاری ہوتی ہے اور وہ رونے لگتا ہے، کیا تم کبھی نہیں روتے اس نے کہا کیوں نہیں، لیکن ان کے رونے کا معاملہ بہت غیر معمولی سننے میں آیا ہے۔ میں نے کہا تم ان کی صحبت اختیار کرو تم کو اس سے نفع ہوگا، اس نے کہا اچھا استخارہ کروں گا، اس کے بعد جب

روانگی کا دن آیا اور دونوں کی سواریاں لائی گئیں اور ان پر گدے ڈالے گئے تو بہیم ایک دیوار کے سائے میں ڈاڑھی کے نیچے ہاتھ رکھکر بیٹھ گئے اور ان کے آنسو رخساروں سے ڈاڑھی پر اور ڈاڑھی سے سینہ پر بہنا شروع ہوئے حتیٰ کہ ان کا آنسو زمین پر بھی پہونچا، اس آدمی نے مجھ سے کہا کہ مخول! دیکھو انھوں نے شروع کر دیا، میں ان کی رفاقت نہیں کر سکتا، میں نے کہا عجلت نہ کرو، شاید بی بی بچوں کی مفارقت سے متاثر ہو گئے ہوں، میرا یہ جواب بہیم نے سن لیا اور کہا کہ برادر! بخدا یہ بات نہیں ہے بلکہ کوچ کا یہ منظر دیکھ کر مجھے سفر آخرت یاد آگیا یہ کہا اور اب انھوں نے چلّا کر رونا شروع کیا، ان کے رفیق نے مجھ سے کہا واللہ تمھاری یہ کوئی پہلی عداوت مجھ سے نہیں ہے بھلا میرا ان کا کیا جوڑ ہے، تم کو تو ان کی رفاقت کے لئے داؤد طائی اور سلام ابو الاحوص کا انتخاب کرنا چاہئے تھا، یہ سب ساتھ مل کر روتے اور دل کی بھڑاس نکالتے تا آنکہ سب ساتھ مرجاتے۔ میں نے ان کو بہت کچھ کہہ سن کر دھیما اور ٹھنڈا کیا وہ آدمی کثرت سے حج کیا کرتا تھا، آدمی نیک تھا مگر وہ ایک مالدار تاجر تھا، درد دل اور گریہ وزاری سے اس کو سروکار نہ تھا، میں نے اس سے کہا مجھے امید ہے تمھارا یہ بہترین سفر ہو گا، اس نے کہا خیر اب تو پھنس گئے ہیں اور ممکن ہے اچھا ہی ہو، مگر اس پوری گفتگو کا علم بہیم کو نہیں ہوا ورنہ وہ کبھی اس کے ساتھ جانے پر رضامند نہ ہوتے۔ الغرض دونوں ساتھ روانہ ہوئے اور ساتھ ہی حج کر کے واپس ہوے اور پورے سفر میں ان میں سے کسی ایک کو یہ خطرہ بھی نہیں گذرا کہ ہمارا کوئی، دوسرا ساتھی ہے، جب حج سے واپسی ہوئی اور میں اپنے ہمسایہ کو سلام کرنے گیا تو اس نے چھوٹتے ہی کہا کہ میرے بھائی خدا تم کو جزائے خیر دے میں نہیں جانتا تھا کہ خلق خدا میں ابو بکر صدیق جیسے لوگ بھی موجود ہیں، بخدا وہ نادار تھے میں مالدار مگر خرچ میں مجھ پر احسان کرتے تھے میں جوان تھا وہ بوڑھے مگر خدمت میں وہ مجھ سے بڑھ کر رہے وہ روزہ دار تھے میں

سفر گر میرا کھانا وہ پکاتے تھے۔ میں نے کہا گر ان کی جس جیسے تم گھبراتے تھے
اس میں کیا ہوا۔ اس نے کہا میں بھی اس سے مانوس ہوگیا، اور میرا دل اس سے خوش
ہونے لگا۔ تا آنکہ میں بھی ان کا ساتھ دینے لگا۔ پہلے تو قافلہ والوں کو اس سے تکلیف ہوئی
پھر وہ بھی مانوس ہو گئے اور ان لوگوں کا بھی یہ دستور ہوگیا کہ جب ہم دونوں کو روتے
دیکھتے تو وہ بھی رونے لگتے اور ان میں کوئی کوئی یہ کہنے لگا کہ جب انجام کار سب کا
ایک ہے تو یہ دونوں ہم سے زیادہ حقدار رونے کے نہیں ہیں۔ اس کے بعد میں نے
ہیم سے مل کر ان کے رفیق کا حال پوچھا تو انھوں نے کہا کہ بہت عمدہ ساتھی، خدا کو
بہت یاد کرنے والا، کثرت سے تلاوت کرنے والا، اور لغزشوں کو برداشت کرنے
والا، بہت جلد آنسو بہانے والا ہم نے اس کو پایا خدا تم کو خیر دے۔

امام بخاری آپ کا نام محمد بن اسماعیل ہے، آپ کی جلالت قدر و عظمت شان سے
بچہ بچہ واقف ہے۔ آپ کی مبارک کتاب صحیح بخاری اصح الکتب
بعد کتاب اللہ ہے، آپ کے اس زندۂ جاوید کارنامہ نے آپ کے نام اور آپ کی یاد کو
زندۂ جاوید بنا دیا ہے۔ آپ کے اساتذہ و اکابر نے بھی آپ کی وسعت معلومات، کثرت
حفظ اور امامت فن کی شہادت دی ہے امام احمد نے فرمایا ہے خراسان کی سرزمین
نے محمد بن اسماعیل کی نظیر پیدا نہیں کی۔ بڑے خدا ترس و متبع سنت تھے کسی کی غیبت
نہیں کرتے تھے فرماتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ حق تعالیٰ سے جب ملوں گا تو مجھے غیبت
کا حساب نہ دینا پڑے گا۔

ایک دفعہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے ان کی ڈاڑھی میں کوئی تنکا اٹکا ہوا تھا
ایک شخص نے اس کو چھڑا کر وہیں پھینک دیا، امام صاحب نے اس کو نظر میں رکھا
تھوڑی دیر میں لوگوں کی آنکھیں بچا کر اس کو اٹھایا اور آستین میں رکھ لیا جب مسجد سے
باہر ہوئے تو اس کو پھینکا، یا مسجد کی حرمت کا یہ لحاظ تھا۔

امام بخاری کا بیان ہے کہ اٹھارہ سال سے کم ہی کی عمر میں، میں اپنی ماں اور بھائی کے ساتھ مکہ گیا حج سے فارغ ہونے کے بعد میرے بھائی (اور ماں) تو وطن لوٹ آئے اور میں حدیث کی تحصیل کے لئے ٹھہر گیا۔

ان کا یہ بیان بھی ہے کہ میں نے اپنی کتاب التاریخ روضہ نبوی کے پاس چاندنی راتوں میں تصنیف کی ہے۔

آپ کی ۲۵۶ھ میں وفات ہوئی۔

عبدالرحمٰن بن مہدی شہرۂ آفاق امام و حافظ حدیث تھے، ابن المبارک، امام احمد اسحاق اور ابن مدینی کے استاد تھے، امام احمد ان کو یحییٰ قطان سے زیادہ فقیہ اور وکیع سے زیادہ حفظ میں مضبوط قرار دیتے تھے۔ ابن المدینی فرماتے تھے کہ مجھکو حجر اسود اور مقام ابراہیم کے بیچ حلف دی جائے تو میں یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ میں نے عبدالرحمان کی مثال نہیں دیکھی، اور فرماتے تھے کہ مدینہ کے فقہائے سبعہ کے اقوال کے سب سے زیادہ واقف کار زہری ہیں پھر مالک اور ان کے بعد عبدالرحمٰن

وہ علم کے ساتھ عمل میں بھی بہت ممتاز تھے، ہر رات نصف قرآن ان کا ورد تھا بڑے شب بیدار و تہجد گذار تھے،

ان کے پاس دنیاوی دولت بھی بہت تھی، ایوب بن المتوکل کہتے ہیں کہ ہم کو جب دین اور دنیا دونوں دیکھنا ہوتا تھا تو عبدالرحمٰن کے گھر چلے جاتے تھے۔ (تذکرہ)

وہ ہر سال حج کرتے تھے (خلاصہ) ان کی وفات ۱۹۸ھ میں ہوئی

وہب بن جریر بن حازم حفاظ حدیث میں تھے، اور یہ بھی امام احمد وغیرہ کے استاذ حدیث تھے ان کی وفات حج سے واپسی کے وقت ۲۰۶ھ میں ہوئی۔

امام مکی بن ابراہیم شیخ خراسان اور حافظ حدیث تھے، امام ابو حنیفہ اور جعفر صادق کے شاگرد اور امام احمد و بخاری و ابن معین کے استاذ تھے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے ساٹھ حج کئے ہیں اور دس برس حرم میں مجاور رہا ہوں، ان کی وفات ۲۱۵ھ میں ہوئی۔ تہذیب التہذیب میں ہے کہ مکی بن ابراہیم حج کے سفر میں جاتے اور آتے بغداد سے گذرے اور دونوں دفعہ لوگوں کو حدیثیں سنائیں۔

ابو عبدالرحمن مقری آپ بھی امام اعظم کے تلامذہ میں اور امام بخاری و امام احمد کے شیوخ میں ہیں، اصل باشندہ کوفہ کے تھے مگر عمر کا آخری حصہ مکہ میں گذرا ہے وہاں ۳۵ سال تک لوگوں کو تجوید کے ساتھ قرآن کی تعلیم دیتے تھے، اس فن میں وہ نافع وغیرہ کے شاگرد تھے۔ مکہ میں ۳۵ سال اقامت کی صورت میں ناممکن ہے کہ انھوں نے بکثرت حج نہ کئے ہوں، ۲۱۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

سعدویہ واسطی آپ کا نام سعید بن سلیمان تھا۔ حفاظ حدیث میں شمار ہوتے ہیں اور امام بخاری و ابو داؤد کے شیوخ حدیث میں ہیں۔ واسط وطن تھا بغداد میں سکونت تھی، تجارت کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں نے ساٹھ حج کئے ہیں۔ پہلے سفر حج میں انھوں نے معاویہ بن صالح محدث کو دیکھا تھا مگر حدیث سننے کی نوبت نہیں آئی ۲۲۵ھ میں وفات پائی۔

محدث عراق موسیٰ بن ہارون محدث بن محدث اور امام و حافظ حدیث ہیں احمد بن حنبل وغیرہ کے شاگرد اور ذہلی و طبرانی وغیرہما کے استاذ حدیث۔ حافظ عبدالغنی کا قول ہے کہ احادیث نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر بہترین کلام کرنے والے تین شخص ہوئے ہیں، ابن المدینی اپنے زمانہ میں، موسیٰ بن ہارون اپنے وقت میں اور دارقطنی اپنے عہد میں۔

اسمٰعیل قاضی ان کو اپنے تخت پر بٹھایا کرتے تھے، تذکرۃ الحفاظ میں ہے

کان موسیٰ کثیر الحج یقیم ببغداد سنۃ ویجاور سنۃ (ص۲۱۰)

(موسیٰ حج بہت کرتے تھے، ایک سال بغداد میں قیام کرتے اور ایک سال مکہ میں مجاور رہتے)

سال وفات ۲۹۴ھ ہے

ابو الخیر تیناتی مشاہیر اولیائے کرام میں تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ کسی شخص کو کوئی حالت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک ان پانچ باتوں کا التزام نہ کرے (۱) مالک کی مرضی کی موافقت (۲) ادب کا اہتمام (۳) فرائض کی ادائگی (۴) نیکوں کی صحبت (۵) سچے درویشوں کی خدمت۔

فرماتے تھے کہ ایک بار میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو میں فاقہ سے تھا، پانچ دن تک کوئی چیز چکھنے کو بھی نہیں ملی۔ چھٹے دن قبر شریف پر حاضری دی اور سرکار نبوت و حضرات شیخین پر سلام عرض کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ آج میں حضور کا مہمان ہوں، یہ کہکر میں وہاں سے ہٹا اور منبر شریف کے پیچھے آکر سو گیا۔ تھوڑی دیر میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور پر نور تشریف فرما ہیں داہنے جانب حضرت ابوبکر ہیں اور بائیں جانب حضرت عمر اور سامنے حضرت علی، انھیں نے مجھکو ہلایا اور کہا اُٹھ جاؤ۔ حضرت تشریف لائے ہیں، میں اُٹھا اور اُٹھکر حضرت کی پیشانی کو بوسہ دیا، آپ نے مجھکو ایک روٹی عطا فرمائی۔ اس میں سے آدھی کھانے کے بعد میری آنکھ کھل گئی، آنکھ کھلنے پر واقعۃً ابھی آدھی روٹی میرے ہاتھ میں موجود تھی۔

فرماتے تھے کہ ایک بار میں مکہ معظمہ میں ایک سال رہ گیا۔ بڑی تنگی و عسرت سے گذرتی تھی فاقہ پر فاقہ ہوتا تھا لیکن جب یہ ارادہ کرتا تھا کہ چل کے بھیک مانگوں تو غیب سے آواز آتی تھی کہ جو چہرہ میرے سامنے سجدہ کرتا ہے تو اس کو دوسروں کے آگے ذلیل کرے گا۔

ابو عبداللہ بن الجلاء وغیرہ کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ ان کی وفات ۳۴۰ھ کے بعد ہوئی۔

ہشام بن حسان قردوسی حافظ حدیث و امام فن تھے، حسن بصری اور ابن سیرین کے شاگرد اور سفیان ثوری وغیرہ کے استاد تھے، حماد بن سلمہ ان کو ابن سیرین کے سب شاگردوں پر ترجیح دیتے تھے، بڑے عبادت گذار اور خوف خدا سے اشک بار تھے۔

ماں کی زندگی میں حج کا ارادہ کیا، سارا سامان سفر مہیا ہوگیا اور دروازہ پر سواری بھی آگئی مگر ان کی ماں پر ان کی جدائی بہت شاق ہوئی، اور ان کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا ناچار ارادہ فسخ کردیا، لیکن ماں کی وفات کے بعد کبھی حج فوت نہیں ہوا۔ ہفتہ کے سات دنوں میں چھ دن برابر روزہ رکھتے تھے، جمعہ کے دن روزہ نہیں رکھتے تھے۔

فرماتے تھے لیت لی من العلم لا علی ولا لی (جو علم میں نے سیکھا اور سکھایا ہے کاش اس پر نہ عذاب ہوتا نہ ثواب)۔ (تذکرہ)

ان کی وفات ۱۴۷ھ میں ہوئی

بنت سیرین امام محمد بن سیرین کی بہن اور مشہور محدثہ ہیں، امام ابن سیرین اور قتادہ جیسے محدثین کبار ان سے روایت کرتے ہیں اور وہ صحابہ میں سے حضرت انس اور ام عطیہ وغیرہما سے روایت کرتی ہیں ان کی حدیثیں صحاح ستہ میں موجود ہیں، اس علم و فضل کے ساتھ کمال ولایت بھی ان کو حاصل تھا، بڑی باخدا اور بہت سرگرم عمل تھیں۔

ایاس بن معاویہ قاضی بصرہ فرماتے تھے کہ میں نے ایسا کسی کو نہیں پایا کہ اس کو حفصہ پر فضیلت دوں (حالانکہ انھوں نے سعید بن المسیب اور سعید بن جبیر کی بھی زیارت کی تھی)

انھوں نے بارہ برس کی عمر میں قرآن پاک ختم کر لیا تھا، قرآن پاک ان کو اتنا صحیح اور عمدہ یاد تھا کہ ان کے بھائی امام ابن سیرین کو بھی کوئی اشکال پیش آتا تو فرماتے جاؤ

حفصہ سے پوچھ آؤ۔

ان کا علم وسیع اور قرآن پاک پر ان کی نظر ایسی تھی کہ ایک بار عاصم احول وغیرہ (جو کبار محدثین میں سے تھے) حدیث سننے گئے تو حفصہ نے پیرانہ سالی کے باوجود اپنی چادر سے منہ ڈھانک لیا، ان لوگوں نے کہا خدا تو فرماتا ہے والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون نکاحا فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن غیر متبرجات بزینۃ (اور جو بیٹھ رہی ہیں گھروں میں تمھاری عورتوں میں سے جن کو توقع نہیں رہی نکاح کی، ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے، یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگار۔ ترجمہ شیخ الہند) جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسی عورتیں چادر سے منہ نہ ڈھانکیں تو مضائقہ نہیں۔

حفصہ نے فرمایا کہ اور اس کے بعد کیا ہے، ہم نے عرض کیا کہ وان یستعففن خیر لھن (اور وہ عفت اختیار کریں تو ان کے لئے بہتر ہے) انھوں نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ ایسی عورتیں بھی چادر سے منہ چھپائیں تو بہتر ہے۔

حفصہ فرماتی تھیں کہ جوانو! جوانی میں جو کرنا ہو کر لو، میں نے دیکھا ہے کہ کام جوانی ہی میں ہوتا ہے۔

ان کا تیس برس تک یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنے مصلی پر جاتیں تو کسی انسانی ضرورت یا دوپہر کے لیٹنے ہی کے لئے اٹھتیں۔ وہ یہ کرتی تھیں کہ ظہر کے وقت اپنے مصلے پر چلی جاتیں اور دوسرے دن اشراق کی نماز پڑھ کر اٹھتیں، اس کے بعد کچھ دیر سوتیں پھر جب نماز ظہر کا وقت ہوتا تو پھر مصلے پر پہونچ جاتیں، وہ روزانہ رات کو آدھا قرآن پاک پڑھتیں، اور عیدین و ایام تشریق کے علاوہ ہمیشہ روزہ رکھتیں۔

حفصہ نے ایک سندی لونڈی خریدی چند دنوں کے بعد اس سے لوگوں نے پوچھا کہ تم نے اپنی مالکہ کو کیسا پایا۔ اس نے فارسی میں جواب دیا کہ ہیں تو وہ بہت نیک عورت مگر معلوم ہوتا ہے انھوں نے کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہے اس لئے کہ وہ پوری رات

روتی اور نماز پڑھتی رہتی ہیں۔

حفصہ کا ایک لڑکا تھا جس کا نام ہزیل تھا وہ گرمی بھر لکڑیاں لا لاکر چیلنا رہتا اور چھال اکٹھی کرتا، بانس کے ٹکڑے چیر چیر کر رکھتا جاتا جب جاڑا آتا تو ایک انگیٹھی دوکان کے نیچے جہاں یہ نماز پڑھتی تھیں رکھ کر چھلکے سے آگ سلگاتا اور بانس جلاتا تاکہ دھوئیں سے تکلیف نہ ہو اور ماں کو گرمی پہونچے۔ سردی کی تکلیف نہ ہونے پائے حفصہ کا خود بیان ہے کہ روزانہ رات کو بڑی بڑی دیر تک یہی کرتا رہتا حالانکہ اس کے پاس ایسا آدمی تھا جس کے سپرد یہ کام کرسکتا تھا، میرا کئی دفعہ ارادہ ہوا کہ اس سے کہوں کہ بیٹا اپنی بیوی بچوں میں جاؤ آرام کرو۔ لیکن جس نیک مقصد اور نیت سے وہ کرتا تھا اس کو سوچ کر رک جاتی (کہ جنت کا سامان کرنے دو) پھر ایک وہ دن آیا کہ اللہ نے اس کو اٹھا لیا اور اللہ نے مجھکو صبر بھی عطا فرمایا لیکن ایک گھٹن دل میں رہا کرتی تھی جو کسی طرح نہیں جاتی تھی، اتفاق سے ایک دفعہ رات میں سورۂ نحل میں پڑھ رہی تھی جب اس آیت

ولا تشتروا بعهد الله ثمنا قليلا . انما عند الله هو خير لكم ان كنتم تعلمون ۝ ما عندكم ينفد وما عند الله باق ولنجزين الذين صبروا اجرهم باحسن ما كانوا يعملون

اور نہ لو اللہ کے عہد پر مول تھوڑا سا، بے شک جو اللہ کے یہاں ہے وہی بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم جانتے ہو۔ جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ کبھی ختم نہ ہوگا، اور ہم بدلے میں دیں گے صبر کرنے والوں کو ان کا حق اچھے کاموں پر جو وہ کرتے تھے (پ ۱۴ ع ۱۹)

پر پہنچی تو میں نے اس کو دہرایا، بس اس کے بعد وہ گھٹن بھی خدا نے دور کر دی۔

ہشام بن حسان کہتے ہیں کہ میں نے ابن سیرین اور حسن بصری کو بھی دیکھا ہے اور

ان کی صحبت اُٹھائی ہے مگر میں نہیں سمجھتا کہ میں نے حفصہ سے زیادہ سمجھدار اور عاقل کسی کو دیکھا ہو۔

انھیں کا بیان ہے کہ حفصہ نے ایک کفن تیار کر رکھا تھا جب وہ حج کے لئے روانہ ہوتیں اور احرام باندھتیں تو اس کو پہن لیتیں یا پھر جب رمضان کا عشرہ اخیرہ شروع ہوتا اس وقت پہن کر نوافل میں مشغول ہوتیں

ہشام ہی کا بیان ہے کہ رات کو چراغ جلا کر نوافل پڑھنے میں وہ مشغول ہوتی تھیں اور بسا اوقات چراغ گل ہو جاتا تب بھی صبح تک ان کا گھر روشن رہتا تھا۔ گھر میں بلا چراغ روشنی پائے جانے کی شہادت ان کی بہن ام سلیم نے بھی دی ہے۔

انھوں نے نوے برس کی عمر میں ـــــ میں وفات پائی۔

شیخ الحرم علی بن عبد العزیز

حافظ حدیث اور شیخ الحرم تھے، ان کی تصنیفات میں ایک مسند ہے، ابو عبید لغوی و محدث کے ممتاز شاگرد تھے، امام طحاوی و طبرانی و ابو القاسم بغوی کے استاد تھے۔ امام طحاوی نے معانی الآثار اور مشکل الآثار میں ان سے حدیثیں روایت کی ہیں اور ابو عبید کے اقوال بھی (شرح احادیث) میں انھیں کی سند سے نقل کرتے ہیں۔ حرم پاک کے مجاور تھے، اور ذریعہ آمدنی کوئی نہیں تھا اس لئے ان حجاج سے جو ان کے پاس ابو عبید کی تصنیفات پڑھنے آتے تھے اُن سے کچھ نذرانہ بھی لیتے تھے[1]، بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میں مکہ کے دو پہاڑوں کے درمیان رہتا ہوں، جب حاجی لوگ چلے جاتے ہیں تو جبل ابو قبیس کوہ قعیقعان سے پوچھتا ہے کہ مکہ میں اب کون لوگ رہ گئے ہیں وہ جواب دیتا ہے کہ اب صرف مجاور لوگ (یعنی وہ لوگ جو یہاں رہنے کی نیت سے آئے ہیں) رہ گئے ہیں۔ تو ابو قبیس کہتا ہے کہ پھر آؤ ہم تم آپس میں ٹکرا جائیں

[1] معجم الادبا میں ہے کان یقرا کتب ابی عبید مکۃ علی الحاج بالاجر (جم ۱۳/۱۲)

اور ان کو پیس ڈالیں) اس تمثیل سے ان کا یہ مقصد ہے کہ موسم حج گذرنے کے بعد مجاورِ حرم پر بڑا کٹھن وقت آتا ہے اور عسرت سے جان پر آ بنتی ہے۔

نوے سال سے زیادہ عمر پائی اور ۲۸۲ھ [?] میں ان کی وفات ہوئی۔ اور معجم الادبا میں ان کا سال وفات ۲۹۹ھ [?] مذکور ہے۔

شیخ الاسلام محمد بن نصر مروزی

بہت بلند پایہ محدث و فقیہ تھے، بڑے بڑے ائمہ فن ان کی امامت کے معترف ہیں۔ حاکم صاحب مستدرک ابو بکر ضبعی، ابن عبد الحکم اور سلیمانی حافظ وغیرہم نے ان کی امامت کی شہادت دی ہے۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ سب سے بڑا عالم وہ ہے جو احادیث و سنن کا سب سے زیادہ جامع، ان کا سب سے زیادہ ضابط، ان کے معانی و مطالب پر حاوی اور ان کی صحت و سقم سے واقف ہو نیز یہ بھی خوب جانتا ہو کہ کن کن مسائل میں سلف کا اجماع اور کن کن میں اختلاف ہے اور صحابہ کے بعد اس معیار پر کوئی اتنا پورا نہیں اترتا جتنے محمد بن نصر۔

ابن حزم کا یہ بیان مبالغہ سے خالی نہیں ہے تاہم محمد بن نصر کی علمی جلالت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ محمد بن نصر کی تصنیفات میں سے کتاب قیام اللیل چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔

علم کی اشاعت کے ساتھ وہ بڑے عبادت گذار بھی تھے، نماز بڑے خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے۔ ایک بار نماز میں ان کی پیشانی پر بھڑ [?] نے اتنے زور سے کاٹا کہ خون نکل آیا اور چہرہ پر بہنے لگا مگر انھوں نے حرکت بھی نہیں کی۔

سال میں چار ہزار درہم اسماعیل بن احمد والی خراسان اور چار ہزار اسماعیل کا بھائی اسحاق اور چار ہزار اہل سمرقند ان کو دیا کرتے تھے، اور باوجودیکہ کوئی ان کے آگے پیچھے نہیں تھا پھر بھی سب خرچ کر ڈالتے تھے کسی نے کہا کچھ بچا کر رکھئے انھوں نے جواب دیا کہ جب مصر میں تھا تو میرے کھانے کپڑے اور کاغذ کا کل خرچ سال میں بیس درہم تھا تو

کیا یہ صورت نہ رہے گی تو وہ بھی نہ ہوگی۔

وزیر اسماعیل بن احمد سابق الذکر کا بیان ہے کہ میں سمرقند میں عدالت کی کرسی پر بیٹھا ہوا مقدمات کی سماعت کر رہا تھا کہ محمد بن نصر کمرہ میں داخل ہوئے میں تعظیماً کھڑا ہوگیا، جب وہ چلے گئے تو میرے بھائی اسحاق نے کہا کہ آپ افراد رعیت میں سے ایک فرد کے لئے کھڑے ہوتے ہیں؟ اس کے بعد جب میں سویا ہوں تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا میرے ساتھ میرا وہ بھائی بھی تھا، میں نے دیکھا کہ آپ میری طرف بڑھے اور میرا بازو پکڑ کر فرمایا ثبت ملك وملك بنيك باجلالك محمد بن نصر وذهب ملك اخيك باستخفافه (تیری اور تیرے بیٹوں کی حکومت محمد بن نصر کی تعظیم کرنے کی وجہ سے برقرار رہی اور تیرے بھائی کی حکومت ان کے ساتھ استخفاف کی وجہ سے جاتی رہی)

محمد بن نصر نے خود بیان کیا ہے کہ میں مصر سے مکہ کے ارادہ سے روانہ ہوا، میرے ساتھ ایک مملوکہ لونڈی بھی تھی، اتفاق سے ہماری کشتی ڈوب گئی، اور میرے دو ہزار جزو جس میں حدیثیں لکھی تھیں ضائع ہوگئے، اس کے بعد میں اور میری لونڈی دونوں کسی طرح ایک جزیرہ میں پہونچ گئے، وہاں کوئی متنفس نظر نہیں آیا مجھکو نہایت شدت کی پیاس لگ رہی تھی اور پانی پر قدرت نہ تھی ناچار میں لونڈی کی ران پر سر رکھکر اور گویا خود کو موت کے حوالہ کر کے لیٹ گیا، اتنے میں ایک آدمی پانی کا ایک پیالہ لایا، میں نے پیا اور لونڈی کو پلایا۔ اس کے بعد وہ آدمی غائب ہوگیا، اور مجھے کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں سے آیا تھا۔

امام محمد بن نصر نے ۲۹۴ھ میں وفات پائی۔

شیخ الاسلام امام نسائی

آپ مشہور امام حدیث ہیں آپ کی کتاب سنن نسائی داخل درس ہے اور صحاح ستہ میں صحت کے لحاظ سے اس کا تیسرا

نبر ہے۔ اصلاً خراسانی تھے مگر مصر کو وطن بنا لیا تھا۔ مصر کے مشائخ ان کی عبادت گذاری کے مداح ہیں۔ جہاد کا جذبہ بھی رکھتے تھے۔ ایک بار امیر مصر کے ساتھ لڑائی میں شریک ہوئے تھے امیر مصر ان کی اولوالعزمی اور پابندیٔ سنت اور حکومت کے تقرب سے بے نیازی کی تعریف کرتا تھا (تذکرہ) حج بھی بہت پابندی سے کرتے تھے (تہذیب)

دارقطنی کا بیان ہے کہ اواخر عمر میں مصر سے بارادۂ حج روانہ ہوئے۔ دمشق ہو کر ایسا ابتلاء پیش آیا جس کے انجام میں شہادت نصیب ہوئی۔ دمشقیوں کے زدوکوب کے بعد انھوں نے رفقاء سے کہا کہ مجھکو مکہ لے چلو چنانچہ اسی حالت میں ان کو مکہ لایا گیا وہیں ان کی وفات ہوئی اور وہ صفا و مروہ کے درمیان مدفون ہوئے۔ یہ دارقطنی کا بیان ہے اور ابن یونس کا بیان ہے کہ انھوں نے فلسطین میں وفات پائی۔ سال وفات ۳۰۳ھ ہے۔

شیخ الاسلام امام الائمہ ابن خزیمہ ان کے زمانہ میں خراسان میں امامت ان پر ختم تھی، صحیحین میں تو نہیں لیکن دوسری کتابوں میں امام بخاری و امام مسلم نے بھی ان سے روایت کی ہے، صحیح ابن خزیمہ وغیرہ کے مصنف ہیں۔ ان کی تصنیفات کی تعداد ایک سو چالیس ہے۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ ابن خزیمہ عدیم النظیر امام تھے۔ ان کے پوتے کا بیان ہے کہ ہمارے دادا ایک کوڑی بھی بچا کر نہیں رکھتے تھے سب اہل علم پر خرچ کر دیتے تھے۔

ابن خزیمہ نے کسی سے پوچھا کہ ایسا غیر معمولی علم آپ کو کیونکر حاصل ہوا انھوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زمزم کا پانی جس مقصد کے لئے پیا جائے وہ مقصد پورا ہوگا۔ اور میں نے جس وقت آب زمزم پیا تھا تو حق تعالےٰ سے علم نافع کی درخواست کی تھی (تذکرہ)

ابن خزیمہ نے ۳۱۱ھ میں وفات پائی

شعوانہ وہ اس پایہ کی بزرگ تھیں کہ حضرت فضیل ان کی زیارت کو آیا کرتے تھے، ایک بار وہ مکہ آئیں تو فضیل نے ان سے کچھ حال کہکر دعا کی درخواست کی شعوانہ نے جواب دیا کہ فضیل تمہارے اور خدا کے درمیان تو وہ علاقہ ہے کہ تم خود دعا کرو تو وہ قبول کرے گا، یہ سنکر فضیل نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔

ایک بار شعوانہ اور ان کے شوہر مکہ آئے اور مسلسل طواف کرنا شروع کیا، جب ان کے شوہر تھک کر بیٹھ جاتے تو یہ بھی ان کے پیچھے بیٹھ جاتیں، وہ کہتے کہ میں تیری محبت کا پیاسا ہوں سیرابی نہیں ہوتی، اور یہ فارسی میں کہتیں کہ تونے ہر بیماری کی دوا پہاڑوں میں پیدا کی ہے لیکن دردمندان محبت کی دوا پہاڑوں میں بھی نہیں پیدا ہوئی۔

محمد بن یوسف بنّاء محدث تھے، چھ سو مشائخ حدیث سے ملاقات کی تھی اور بکثرت حدیثیں لکھی تھیں، اجرت پر[1] معماری کا کام کرتے تھے، اور جو مزدوری ملتی تھی، اس میں ایک درہم کا چھٹا حصہ اپنے خرچ کے لئے رکھکر باقی سب خیرات کر دیتے تھے، ہر روز قرآن پاک کا ایک ختم کرتے تھے۔

خود فرماتے تھے کہ ایک بار میں مکہ میں تھا اور خدا سے یہ دعا کر رہا تھا کہ خداوندا یا تو میرے دل کو اپنی معرفت کے نور سے روشن کر دے یا پھر مجھے اٹھالے، مجھے بے معرفت کی زندگی کی ضرورت نہیں ہے، کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی مجھ سے یہ کہہ رہا ہے کہ اگر تم یہ چاہتے ہو تو ایک مہینہ روزہ رکھو اور کسی سے بات نہ کرو اس کے بعد زمزم کے قبہ میں جاکر اللہ سے اپنی حاجت مانگو میں نے اسپر عمل کیا، اور

[1] صفۃ الصفوۃ میں ہے کان یفتی للناس باجرۃ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ اجرت پر فتویٰ دیتے تھے اور رسالہ الصدیق ملتان میں یہی ترجمہ شائع ہوگیا ہے مگر المنتظم میں ہے یبنی للناس باجرۃ اور یہی صحیح ہے اور صفۃ الصفوۃ میں غلط چھپ گیا ہے، لہذا اس کی بنیاد پر الصدیق میں جو شائع ہوگیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے ۱۲ منہ

ہر روز قرآن پاک کا ایک ختم بھی کرتا رہا، مہینہ پورا ہوا تو زمزم کے قبہ میں جا کر ہاتھ اٹھا کر اللہ سے دعا کی، اچانک کوئیں سے ایک آواز آئی کہ ابن یوسف کیا چاہتے ہو علم کے ساتھ تونگری اور دولت دنیا، یا معرفت کے ساتھ فقر و فاقہ اور دل، میں نے کہا فقر و فاقہ اور دل، کوئیں سے آواز آئی کہ ہم نے دیا، ہم نے دیا۔

ان کی وفات ۲۸۰ھ میں ہوئی

علی بن شعیب سقاء

بڑے باخدا بزرگ تھے، انھوں نے پچاس سے زائد حج کئے تھے اور ہر حج کے لئے نیشاپور سے احرام باندھ کر گئے تھے، اس سفر میں وہ ہر میل پر نفل کی دو رکعتیں پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے لیشہدوا منافع لھم (تاکہ پہونچیں اپنے فائدہ کی جگہوں پر) تو میرے سفر حج کے بھی منافع ہیں۔

شبّویہ

ان کا نام عبداللہ بن احمد رباطی تھا، ابو تراب نخشبی کے رفیق سفر تھے اور جنید بغدادی ان کو راس فتیان خراسان (جوانمردان خراسان کا سردار) کہا کرتے تھے۔

مصعب بن احمد کہتے ہیں کہ ایک سال ابو محمد مروزی (شبویہ) بسلسلۂ سفر حج وارد بغداد ہوئے، مجھکو ان کی معیت میں حج کا بڑا شوق تھا اس لئے میں نے حاضر ہو کر رفاقت کی اجازت چاہی مگر اس سال انھوں نے اجازت نہیں دی پھر جب دوسرے یا تیسرے سال بغداد آئے تو میں نے پھر درخواست کی، انھوں نے کہا اچھا ارادہ کر لو مگر اس شرط پر کہ ہم میں سے ایک امیر ہوگا جس کی مخالفت دوسرا نہیں کر سکتا، میں نے کہا آپ امیر ہوں گے انھوں نے کہا نہیں تم امیر ہو گے، میں نے کہا آپ مجھ سے عمر میں بھی بڑے ہیں اور دوسری حیثیتوں سے بھی برتر ہیں، انھوں نے کہا پھر میری نافرمانی نہ کرنا میں نے کہا بہت اچھا۔ جب سفر شروع ہوا تو میں نے دیکھا کہ جب کھانا آتا تو

اپنے بجائے مجھکو کھلا دیتے، میں کچھ کہتا تو فرماتے کہ کیا میں نے شرط نہیں لگائی ہے کہ تم مخالفت نہ کروگے، راستہ بھر یہی قصہ رہا یہاں تک کہ ان کو جو ضرر (میری وجہ سے) پہونچ رہا تھا اس کی بنا پر مجھکو ان کی رفاقت پر پشیمانی ہوئی، پھر ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ بڑے زوروں کا پانی برسنا شروع ہوا اور ہم اسی بارش میں راستہ طے کر رہے تھے چلتے چلتے ایک جگہ میل کا پتھر ملا تو انھوں نے مجھکو اس کی جڑ میں بٹھا دیا اور اپنے دونوں ہاتھ پتھر پر رکھکر میرے اوپر جھک گئے اور اپنے اوپر ایک کمبل ڈال لیا اس طرح انھوں نے مجھکو بارش سے بچایا۔ راستہ بھر ان کا یہی معمول رہا۔

ابو بلال اسود ابو بلال اسود فرماتے تھے کہ میں حج کے لئے روانہ ہوا تو راستہ میں مجھے ایک عورت ملی نہ اس کے پاس زادِ راہ تھا نہ پانی کا مشکیزہ، میں نے پوچھا تم کہاں سے آرہی ہو، اس نے بتایا بلخ سے، میں نے کہا میں تمہارے ساتھ نہ تو دیکھتا ہوں نہ توشہ رکھنے کی کوئی چیز۔ اس نے کہا بلخ سے دس درہم لیکر میں چلی تھی آدھا خرچ ہوا آدھا باقی ہے، میں نے کہا وہ بھی خرچ ہو جائے تو کیا کروگی، اس نے کہا یہ جبہ بیچکر کم دام کا خریدوں گی، جو رقم حاصل ہوگی اس کو خرچ کروں گی، میں نے کہا وہ رقم ختم ہو جائے گی تب؟ اس نے کہا اپنی اوڑھنی بیچکر کم قیمت اوڑھنی خریدوں گی اور جو پیسے بچ جائیں گے ان کو خرچ کروں گی، میں نے کہا جب وہ پیسے بھی نہ رہیں گے تو کیا ہوگا اس نے کہا اے نامعقول اُس وقت میں اس سے مانگوں گی وہ دے گا۔ میں نے کہا پھر پہلے ہی کیوں نہیں مانگ لیتی ہو، اس نے کہا جب تک میرے پاس کچھ ہے اس وقت تک دنیا کی کوئی چیز اس سے مانگتے ہوئے مجھکو شرم آتی ہے۔

ابراہیم خواص وہ فرماتے تھے کہ مکہ کے معلوم و معروف راستہ کے سوا دوسرے سولہ نامعلوم راستوں سے میں نے مکہ کا سفر کیا ہے۔ ان سفروں میں سب سے عجیب چیز جو اس سفر میں میں نے دیکھی وہ یہ ہے کہ مکہ کے راستہ میں ایک ایسا آدمی ملا

جس کے نہ ہاتھ تھے نہ پیر، اور وہ ایک عظیم آزمائش میں مبتلا تھا۔ باایں ہمہ وہ گھسکتا ہوا مکہ
جا رہا تھا، میں نے اس کو سلام کیا اور پوچھا کہاں کا ارادہ ہے اس نے کہا مکہ کا، پوچھا کہاں
سے آرہے ہیں، کہا بخارا سے، یہ سُن کر میں بھونچکا ہو گیا، تو اس نے تیز نظروں سے مجھکو
دیکھا اور کہا ابراہیم! تم ایک بڑے طاقتور پر تعجب کرتے ہو جو ایک کمزور کو اٹھائے لئے
جا رہا ہے اور اس کے ساتھ رفق و نرمی کا برتاؤ کرتا ہے، یہ کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو
جاری ہو گئے، میں نے کہا نہیں میرے حبیب نہیں اس کے بعد میں اس کو اس کے حال پر
چھوڑ کر آگے روانہ ہو گیا۔ جب مکہ پہونچا تو دیکھا کہ وہ اسی طرح گھسک گھسک کر طواف
کر رہا ہے۔

دوسرا واقعہ وہ یہ بیان کرتے تھے کہ میں نے بحالت طواف ایک جوان کو دیکھا، جو
ایک کمل پہنے ہوئے اور ایک اوڑھے ہوئے تھا اور نہایت کثرت سے طواف کرتا اور نوافل
پڑھتا تھا، میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گئی، اتفاق سے مجھکو چار سو درہم کی فتوح
حاصل ہوئی، میں ان درہموں کو لیکر حرم میں پہونچا، دیکھا تو وہ جوان مقام ابراہیم کے
پیچھے بیٹھا ہوا تھا، میں اس کے پاس گیا اور اس کے کمل کے کونے پر وہ سارے درہم
ہم نے رکھ دیئے اور کہا میرے بھائی ان کو اپنی ضرورتوں میں خرچ کرنا۔ یہ سنتے ہی
وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا اور سارے درہم کنکریوں میں بکھر گئے، اس نے اٹھتے ہوئے
یہ کہا کہ اے ابراہیم میں نے یہ نشست اللہ سے ستر ہزار (کھرے سونے کے) دیناروں کے
عوض خریدی تھی، تم مجھکو اس حیل کیل سے دھوکا دینا چاہتے ہو، ابراہیم کہتے ہیں
میں نے اس سے زیادہ غیور و عزت دار اور اس سے زیادہ ذلیل و خوار نہیں دیکھا جب
میں بکھرے ہوئے درہموں کو سمیٹ رہا تھا تو وہ حقارت سے دیکھ رہا تھا۔

ابراہیم خواص اپنے وقت کے مشائخ صوفیہ میں یکتائے روزگار تھے، جنید بغدادی
اور ابوالحسین نوری کے ہم رتبہ لوگوں میں تھے، وہ فرماتے تھے کہ دل کی دوا پانچ

چیزیں ہیں (۱) سمجھکر قرآن پڑھنا (۲) پیٹ کا خالی رکھنا (۳) رات کا اُٹھنا (۴) پچھلے پہر کی گریہ وزاری کرنا (۵) نیکوں کی صحبت میں بیٹھنا۔ انھوں نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ میں ایک بار حجاز کے راستہ میں جہاں پانی نایاب تھا اور پیاس سے میرا برا حال تھا دیکھا کہ ایک سوار نمودار ہوا، اس نے مجھے پانی پلایا اور اپنی سواری پر مجھکو سوار کر لیا ذرا ہی دیر گذری تھی کہ اس نے پوچھا کیا نظر آرہا ہے، میں نے کہا مدینہ پاک، اس نے کہا پھر اتر جاؤ اور جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاکر کہنا کہ آپ کے بھائی خضر نے آپ کو سلام عرض کیا ہے۔

ابراہیم خواص کی وفات ۲۹۱ھ میں ہوئی۔

محمد بن سہل بن عسکر بخاری

حافظ حدیث تھے۔ حدیث کی طلب میں انھوں نے بہت سے سفر کئے تھے۔ حدیث میں امام مسلم و ترمذی و نسائی کے استاد تھے۔

وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مکہ کے راستہ میں چلا جا رہا تھا کہ ایک مغربی آدمی کو دیکھا جس کے آگے آگے ایک منادی یہ اعلان کرتا جا رہا تھا کہ کسی نے کوئی تھیلا پایا ہو تو وہ حاضر کرے اس کو ایک ہزار دینار انعام ملے گا۔ اتنے میں ایک لنگڑا فقیر نمودار ہوا جس کے بدن پر نہایت پھٹے پرانے کپڑے تھے، اس نے مغربی سے یہ کہا کہ تھیلے کی پہچان کیا ہے اس نے پہچان بتائی اور کہا اس میں دوسروں کی امانتیں ہیں، وہ ملجائے تو انعام میں اپنے پاس سے دوں گا، فقیر نے پوچھا بھائی کچھ لکھا ہو تو کوئی اسکو پڑھنے والا بھی ہے؟ میں نے کہا ہاں میں پڑھ سکتا ہوں، فقیر نے کہا اچھا ذرا راستہ سے کنارہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ پھر اس نے تھیلا نکالا۔ اور مغربی نے گننا شروع کیا کہ دو جبے جن کی قیمت پانچسو دینار ہے فلاں عورت کے۔ اور ایک جبہ سو دینار کا فلاں عورت کا اور گننا شروع کیا تو بالکل ٹھیک ٹھیک نکلا۔ اس کے بعد مغربی نے اپنی ہمیانی کھولی اور

اور فقیر سے کہا کہ یہ ہزار دینار جن کا وعدہ تھا حاضر ہیں، لنگڑے فقیر نے کہا کہ اس تھیلے کی قیمت میرے علم میں دو مینگنی ہوتی تب بھی تم اس کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ پھر جب اس کی قیمت اتنی زائد ہو تو اس کے حاضر کرنے میں ایک ہزار دینار کیسے لے سکتا ہوں، یہ کہا اور چلدیا، اس نے کچھ نہیں لیا، یعنی اس فقیر نے انعام قبول نہ کرنے کے لئے ایک لطیف حیلہ نکالا، اور اخفائے حال سے کام لیا۔

محمد بن سہل بن عسکر کی وفات ۲۵۱ھ میں ہوئی۔

ابوالحسن لؤلوئی بہت بہتر اور ارباب فضل و فضیلت لوگوں میں تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک بار میں دریا کے راستہ سے سفر کر رہا تھا، سو اتفاق سے جہاز شکستہ ہوگیا اور جتنا کچھ سامان اس میں تھا سب ڈوب گیا، اس میں میرا ایک گدا بھی تھا جس کے اندر چار ہزار دینار کا ایک موتی تھا جو نکہ حج کا وقت قریب تھا اور ڈر تھا کہ دیر ہونے سے فوت نہ ہو جائے اور گو کہ مال و اسباب ڈوب گیا تھا مگر اللہ نے میری جان تو بچا ہی دی تھی اس لئے میں پیدل ہی چل پڑا۔ جہاز کے دوسرے مسافروں نے کہا کہ ذرا ٹھہر جائیے شاید کوئی آجائے اور دریا سے غرق شدہ سامان نکالے تو ممکن ہے اس میں تمہارا کوئی سامان بھی برآمد ہو۔ میں نے کہا میرا جو گیا ہے اس کو اللہ ہی جانتا ہے میرے گدے میں ایک ایسی چیز سلی ہوئی تھی جس کی قیمت چار ہزار دینار ہے مگر میں عرفات کے وقوف پر اس کو ترجیح نہیں دے سکتا، لوگوں نے پوچھا آخر تم کو یہ مرتبہ (حج کے ساتھ یہ شغف، اور طلب میں اس کی یہ قدر و منزلت) کیسے حاصل ہوا۔ میں نے کہا سنو! مجھے حج سے بڑی شیفتگی ہے بس ثواب و منافع آخرت کی طمع میں اکثر حج کیا کرتا تھا ایک بار اس سفر میں پانی ختم ہوگیا اور پیاس سے جان پر آبنی، میں اپنے کجاوہ کے نیچے کو اونٹ کی پیٹھ پر کجاوہ کے بیچ میں بٹھا کر پانی کی تلاش میں نکلا قافلہ کے اور لوگ بھی پیاس سے بے تاب تھے، میں ایک ایک ٹولی اور ایک ایک فرد سے پانی کو

پوچھتا ہوا دور تک نکل گیا، سب کا حال یکساں تھا۔ جب میں ایک دو میل دور نکل گیا
تو دیکھا کہ گچ اور چونے کا بنا ہوا ایک حوض ہے اور اس کے اندر ایک فقیر بیٹھا ہوا
ہے اس نے اپنی لاٹھی زمین میں گاڑ دی ہے اور جہاں لاٹھی گاڑی ہے وہاں سے پانی
ابل رہا ہے اور وہ پی رہا ہے، میں بھی حوض میں اتر پڑا اور پانی پی کر سیراب ہوا اس کے
بعد قافلہ میں آیا تو دیکھا کہ اور لوگ بھی اونٹوں سے اتر چکے تھے، اور آگے بڑھنے کی ہمت
ان میں باقی نہیں رہ گئی تھی، میں نے ایک مشک نکالی اور جاکر اس کو بھر لایا، جب لوگوں
نے میرے کاندھے پر پانی سے بھری مشک دیکھی تو یہ حال ہوا کہ گویا کسی نے منادی
کردی ہو کہ پانی تمہارے قریب ہی ہے، غرض سارے لوگ مشکیں لئے ہوئے اس حوض
پر پہونچ گئے، اور سب نے پانی پیا اور مشکیں بھریں، اس کے بعد جب قافلہ روانہ ہولیا
تو میں پھر اس حوض کو دیکھنے گیا دیکھا تو حوض لبریز تھا اور موجیں لے رہا تھا، اور
لوگ اپنے اپنے ڈول اس میں ڈال رہے تھے اور موج میں آکر جسے پڑھ رہے تھے
تو جس موسم (حجاج کی بھیڑ) میں ایسے ایسے خدا رسیدہ لوگ آتے ہوں اور وہاں یہ دعا
کرتے ہوں کہ اے اللہ جو جو لوگ یہاں حاضر ہیں تو ان کو معاف کردے، اس موسم کی حاضری
پر میں چار ہزار دینار کو ترجیح دے سکتا ہوں؟ نہیں خدا کی قسم میں ساری دنیا کو بھی
اس پر ترجیح نہیں دے سکتا، ابوالحسن کہتے ہیں کہ میں نے جہاز کے مسافروں سے یہ کہا
اور اپنا سارا سامان دریا میں چھوڑ کر چلدیا۔ راوی کا بیان ہے کہ ان کا کل سامان جو ڈوبا
تھا اس کی قیمت پچاس ہزار دینار تھی۔

محمد بن المبارک صوری بہت بلند پایہ محدث تھے، ابن معین کا قول ہے کہ ابو مسہر
کے بعد شیخ الشام محمد بن مبارک تھے، ان کو عبادت کا بھی
بڑا ذوق تھا، ان کی حدیثیں صحاح ستہ میں مروی ہیں، ۲۱۵ھ میں دفات پائی۔
وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک قافلہ کے ساتھ حج کا سفر کر رہا تھا، راستہ میں ایک

جوان ملا، اس کے پاس نہ توشہ تھا نہ سواری، میں نے کہا میرے حبیب! ایسے راستہ میں بے زاد و راحلہ سفر کر رہے ہو؟ اس نے کہا آپ کو قرآن پڑھنا آتا ہے؟ میں نے کہا ہاں پھر میں نے پڑھنا شروع کیا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کھیعص بس اتنا سننا تھا کہ وہ چیخ مارکر بیہوش ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آیا تو کہا کہ آپ نے جو پڑھا اس کا مطلب بھی سمجھا، پھر کہا کاف سے اشارہ اللہ کے اسم کافی کی طرف ہے، اور ہا سے ہادی، اور عین سے علیم اور صاد سے صادق کی طرف تو جب میرے ساتھ کافی، ہادی علیم اور صادق ذات موجود ہے تو زاد و راحلہ کی کیا حاجت؟

ابو عبداللہ بن الجلاء کبار مشائخ صوفیہ میں سے ہیں اصل وطن بغداد تھا۔ مگر شام میں سکونت اختیار کر لی تھی، ذو النون مصری اور ابو تراب نخشبی کی صحبت سے فیضیاب ہوئے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ مجھکو خدا کے لئے ہبہ کر دیجئے، دونوں نے خوشی سے کہا کہ میں نے تمھیں خدا کو دیدیا۔ اس کے بعد میں گھر سے نکل گیا۔ ایک مدت مدید کے بعد سیاحت کر کے وطن واپس آیا تو رات کا وقت تھا، بارش زوروں کی ہو رہی تھی، اپنے گھر کے دروازہ پر پہونچکر دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز آئی کون؟ میں نے کہا آپ کا لڑکا، آواز آئی کہ ہمارا تو ایک ہی لڑکا تھا اس کو ہم نے اللہ کے ہاتھ ہبہ کر دیا، اور ہم عرب لوگ ہیں دے کر واپس نہیں لیتے آخر کار، دروازہ نہیں کھلا اور میں واپس ہو گیا۔ فرماتے تھے عابد وہ ہے کہ فرائض کو پابندی کے ساتھ اول وقت ادا کرے اور زاہد وہ ہے جس کے نزدیک مدح و ذم دونوں برابر ہوں (کوئی برائی کرے تو اور تعریف کرے تو دونوں یکساں ہوں)۔

فرماتے تھے کہ، ایک بار میں ذوالحلیفہ میں تھا اور حج کا ارادہ تھا، دوسرے لوگ بھی احرام باندھ رہے تھے، کہ میں نے ایک جوان کو دیکھا کہ اس نے احرام کے لئے غسل کیا، غسل کے بعد میں نے سنا وہ کہہ رہا تھا، اب میں لبیک اللھم لبیک کہنا

چاہتا ہوں لیکن ڈرتا ہوں کہ تیری طرف سے یہ جواب نہ ملے کہ لالبیك ولاسعدیك
بار بار اسی کو دہرا رہا تھا جب بہت دیر ہوگئی تو میں نے کہا کہ احرام باندھنے سے
تو چارہ نہیں ہے لہذا کہہ ڈالو (جو کبھی ہو) اس نے میرے جواب میں بھی وہی اندیشہ
ظاہر کیا، میں نے کہا حق تعالےٰ کے ساتھ حسن ظن رکھو اور آؤ میرے ساتھ کہو لبیك
اللھم لبیك اس نے کہا لبیك اللھم اور اللھم کو اتنا کھینچا کہ اسی کے ساتھ اسکی
روح پرواز کر گئی،

ابو عبداللہ بن الجلا کی وفات ۳۰۶ھ میں ہوئی۔

محمود بن خلف

ان کا بیان ہے کہ میں نے عرفات کی شام کو ایک پہاڑ پر ایک شخص
کو اس وقت دیکھا جب مزدلفہ کے لئے روانگی کا وقت ہو رہا تھا
وہ کہہ رہا تھا کہ الامان الامان! روانگی کا وقت قریب آگیا، معلوم نہیں تو نے مسکینوں کی
حاجت کے بارے میں کیا کیا؟ یہ کہا اور رونا شروع کیا اس کی شدت گریہ کی یہ کیفیت
تھی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو رخساروں پر بہ نہیں رہے تھے بلکہ اچھل رہے تھے۔

ابو الادیان

وہ فرماتے ہیں میں نے خدا سے ڈرنیوالا ایک ہی آدمی دیکھا ہے ایس
عرفات میں تھا وہاں ایک جوان کو دیکھا کہ جب سے وقوف شروع
ہوا اس وقت سے سر جھکائے کھڑا ہے یہاں تک کہ آفتاب ڈوبنے کے قریب ہوگیا
تو میں نے اس سے کہا کہ اب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاؤ اس نے کہا مجکو بڑی گھبراہٹ ہے
میں نے کہا آج تو گناہوں کی معافی کا دن ہے، اس کے بعد اس نے اپنے ہاتھ پھیلائے
اور ہاتھ پھیلاتے ہوئے ہی واصل بحق ہوگیا۔

ھداب

ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک شخص کو بحالت طواف دیکھا کہ وہ رو رہا
ہے اور یہ شعر پڑھ رہا ہے ؎

تمنّ علی ذی العرش ما شئت انہ   غنی کریم لا یخیب سائلا

(عرش والے سے جو شنا چاہے کرے، وہ بڑا غنی اور دانا ہے کسی سائل کو ناکام نہیں پھیرتا)

اس کے بعد اس نے ایک ایسی چیخ ماری کہ مجھکو یہ اندیشہ ہوا کہ اس کی جان جلی جائے گی پھر میں نے اس سے پوچھا کہ خدا تم پر رحم کرے تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا میرا حال بڑا (بُرا) حال ہے مجھ سے ایک کام کرنے کو کہا گیا تو میں اس کے کرنے سے قاصر رہا اور کوتاہی کی، یہ کہا اور بے ہوش ہو گیا۔

ابو اسحق ابراہیم بن علی ہروی ابراہیم ادہم کے صحبت یافتہ اور اصحاب توکل و تجرید میں بڑے پایہ کے بزرگ تھے، ہرات کے لوگ ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ ایک بار انھوں نے نہایت بے سرو سامانی کے ساتھ حج کیا اور اس حج میں یہ دعا کی کہ خدایا! ہرات والوں کے مال میں میری روزی بند کر دے، اور ان کا دل میری طرف سے پھیر دے، اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ جب ہرات واپس آئے تو کئی کئی دن تک کوئی چیز نہیں کھاتے تھے، اور جب ہرات کے بازار میں نکلتے تھے تو لوگ گالی دیتے تھے کہ یہ ہر روز خدا جانے کتنے درہم صرف کرتا ہے۔

آپ کی وفات قزوین میں ہوئی۔

شعیب بن حرب مدائنی زہد و ورع اور عبادت و تقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے سفیان و شعبہ سے حدیثیں سنی تھیں، پہلے مدائن (عراق) میں رہتے تھے، بعد میں مکہ آئے اور مجاور ہو گئے، اور وہیں پیوند خاک ہوئے،

ان کے زہد اور دنیا سے بے رغبتی کا یہ عالم تھا کہ جب مدائن میں تھے تو دجلہ کے کنارے ایک جھونپڑی بنا رکھی تھی، اس میں چھینکے پر روٹی اور وضو کا لوٹا لٹکا رکھا رہتا تھا جب رات ہوتی تو ایک روٹی لوٹے میں بھگو کر کھا لیتے، صرف ہڈی چمڑا رہ گیا تھا پھر بھی اپنے بدن کا کوئی حصہ پکڑ کر کہتے تھے کہ یہاں ابھی گوشت معلوم ہوتا ہے، خدا کی قسم میں اس کو بھی گھلانے کی فکر کروں گا تاکہ قبر میں جاؤں تو صرف ہڈی ہی ہڈی

ہڈی رہ جائے، بھلا میں کیڑے مکوڑوں کو کھلانے کے لئے موٹا تازہ قبر میں جاؤں گا؟
جب مکہ میں تھے تو ایک شخص حاضر خدمت ہوا پوچھا کیسے آئے ہو؟ اس نے کہا اس لئے آیا ہوں کہ تنہائی میں آپ کا مونس بنوں، انھوں نے فرمایا کہ تم مونس بننے آئے ہو، اور یہاں چالیس سال سے تنہا رہنے کی مشق ہو رہی ہے۔ فرماتے تھے دو آدمیوں کے سوا کسی کے پاس نہ بیٹھو ایک وہ جس کے پاس بیٹھو تو وہ تم کو کوئی بھلی بات بتائے اور تم اس کو قبول کر لو، دوسرا وہ جس کو تم بھلی بات بتاؤ تو وہ قبول کرے، ان دو کے سوا تیسرا کوئی ہو اس سے دور بھاگو۔

فرماتے تھے کہ تم اپنے گھر کی دیواروں میں اندر کی طرف تو مٹی لگا سکتے ہو، لیکن باہر کی مٹی لگانے کا حق نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس سے راستہ کا حق دبنے کا اندیشہ ہے تھوڑا ہی سا سہی۔ فرماتے تھے کہ جو ریاست (عزت و منصب) کا طالب ہوگا اس کو مینڈھوں (دوسرے امیدواروں) سے لڑنا پڑے گا، اور جو آدمی دُم بن کر رہنا چاہے گا اس کو خواہی نخواہی اللہ سر بنا کر چھوڑے گا۔ آپ کی وفات مکہ میں ۱۹۷ھ میں ہوئی۔
ان کے حج کا صریح ذکر دیکھنے میں نہیں آیا، اگر مکہ کی اقامت اور ان کی کثرت عبادت کے پیش نظر ممکن نہیں کہ انھوں نے بار بار یہ سعادت حاصل نہ کی ہو۔

امام حافظ ابو سعید بن الاعرابی حدیث کے حافظ، تصوف کے امام، اور اپنے وقت کے شیخ الحرم تھے، بڑے عابد و زاہد اور عارف تھے، حدیث میں ابو داؤد وغیرہ کے شاگرد تھے، جنید و ثوری کے صحبت یافتہ تھے، فرماتے تھے معرفت اپنے جہل کے اعتراف کا نام ہے، اور بے مطلب اور زائد چیزوں کا چھوڑ دینا تصوف ہے، اور ضروری چیزوں کا لینا زہد ہے۔
بصرہ کے رہنے والے تھے، مکہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، اور وہیں ۳۴۱ھ میں وفات پائی۔

ابو عمر محمد بن ابراہیم زجاجی

امام نوری و جنید بغدادی کی صحبت میں رہے تھے، نیشا پور سے آکر مکہ میں مقیم ہو گئے تھے، اور مکہ کے شیخ مانے جاتے تھے، تقریباً ساٹھ حج کئے تھے، ان کے مناقب بے شمار ہیں، جس وقت کتانی، نہر جوری اور مرتعش وغیرہ، اور یہ اکٹھے ہوتے تو یہی صدر مجلس سمجھے جاتے تھے۔

مکہ میں چالیس برس رہے مگر کبھی حرم کے اندر پیشاب پاخانہ نہیں کیا، حرم سے باہر جاکر قضائے حاجت کرتے تھے، فرماتے تھے کہ کوئی حرم میں مجاور ہو اور اس کا دل ماسوا اللہ سے اٹکا ہوا ہو تو اس نے اپنا خسارہ ظاہر کر دیا، اور فرماتے تھے کہ کوئی شخص فاقہ ماجوں کی کوئی چیز چرائے گا تو اللہ اس کو دور کر دے گا، اور اس کے دل سے انوار یقین نکل جائیں گے، اور مخلوقات کے دل میں اس کی دشمنی پیدا ہو جائے گی۔

ان کی وفات مکہ میں ۳۴۸ھ میں ہوئی۔

ابو القاسم نصر آبادی

اپنے زمانہ میں شیخ خراسان تھے، انواع علوم کے جامع تھے، حفظ و روایت احادیث میں ممتاز تھے، شبلی وغیرہ کے صحبت یافتہ تھے، اپنے وقت کے مشائخ میں ان کا بڑا درجہ تھا۔ نیشا پور میں مدتوں مقیم رہنے کے بعد آخر عمر میں مکہ چلے آئے تھے، ۳۶۵ھ میں حج کر کے حرم میں مجاور ہو گئے اور ۳۶۷ھ میں وہیں وفات پائی۔

فرماتے تھے کہ اصل تصوف کتاب و سنت کی پابندی، بدعتوں اور خواہشوں کا ترک، مشائخ کی حرمتوں کا لحاظ، مخلوقات کی تقصیرات کے لئے عذر تلاش کرنا اور اوراد پر مداومت کرنا، اور رخصتوں اور تاویلوں کے ارتکاب سے پرہیز کرنا ہے، جو اس راہ سے بھٹکے گا، وہ مردان حق کے مرتبہ پر فائز نہ ہوگا۔

قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم

امام محمد اور عبد اللہ بن مبارک اور سفیان بن عیینہ وغیرہما کے شاگرد اور امام بخاری و ابو حاتم رازی

وغیرہما کے استاد تھے۔ سنن ترمذی کے رجال میں سے ہیں، مامون کے عہد خلافت میں، بغداد کے قاضی (یا قاضی القضاۃ) تھے پھر متوکل کو اپنے زمانہ میں قاضی القضاۃ کے عہدہ کے لئے کسی اہل کی تلاش ہوئی اور اس نے امام احمد سے مشورہ لیا تو امام احمد نے یحییٰ کا نام لیا اور یہ عہدہ انھیں کے سپرد ہوا۔ فقہ و حدیث کے امام تھے۔ حاکم نے کہا ہے کہ وہ اہل علم کے امام تھے، ان کی کتاب تنبیہ جس نے دیکھی ہے وہ سمجھتا ہے کہ ان کا پایہ علوم میں کتنا اونچا تھا، طلحہ بن محمد کا قول ہے کہ وہ دنیا کے مشہور علماء میں سے تھے اور کسی چھوٹے بڑے کی نگاہ سے ان کا علم و فضل ان کی ریاست اور ان کا سیاسی تدبر پوشیدہ نہیں ہے، فقہ میں ان کا علم بہت وسیع تھا، مشکل سے مشکل مسائل کی گتھیاں سلجھانا ان کا کام تھا، یہ انھیں کا کمال تھا کہ اپنے علم و فضل اور عقل و فہم کی بدولت مامون جیسے صاحب علم و فضل و بیدار مغز خلیفہ پر چھا گئے تھے۔ وہ صرف قاضی القضاۃ نہیں تھے بلکہ تمام امور سلطنت ان کے مشورہ سے انجام پاتے تھے اور وزراء ان کی رائے سمجھے بغیر کچھ نہیں کر سکتے تھے، نہایت حاضر دماغ اور قوی الاستدلال تھے، امام بخاری کے استاد علی بن المدینی کا بیان ہے کہ ایک بار سفیان بن عیینہ طلبائے حدیث سے کچھ تنگ آ گئے تو جھنجھلا کر فرمایا کہ مجھ سے زیادہ بدبخت کون ہوگا کہ صحابہ کے شاگردوں کی صحبت میں بیٹھنے کے بعد تم لوگوں کی صحبت میں مجھکو بیٹھنا پڑا۔ اس مجلس میں ایک نوخیز شخص بھی تھا اس نے کہا حضرت انصاف فرمانے کا وعدہ کریں (اور گستاخی معاف فرمائیں) تو ایک بات عرض کروں فرمایا ان شاء اللہ انصاف کروں گا، اس نوخیز نے کہا کہ بخدا وہ لوگ آپ سے زیادہ بدبخت تھے جن کو صحابہ کرام کی ہم نشینی کے بعد آپ کے ساتھ بیٹھنا پڑا ہے، سفیان نے یہ سنکر سر جھکا لیا اور یہ شعر پڑھے ؎

خل جنبیک لرام　　وامض عنہ بسلام

پھر پوچھا یہ نوجوان کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یحییٰ ابن اکثم ہیں، سفیان نے فرمایا
یہ لڑکا بادشاہوں کی صحبت کے قابل ہے۔

قاضی القضاۃ کا عہدہ سنبھالنے سے پہلے وہ بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے تھے،
اس وقت ان کی عمر اکیس ۲۱ برس سے زیادہ نہیں تھی۔ بصرہ کے مشائخ اور پیرانہ سال
بزرگوں نے ان کو بنظر حقارت دیکھا اور امتحاناً سوال کیا کہ جناب قاضی کی عمر شریف
کیا ہے؟ انھوں نے برجستہ جواب دیا کہ عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو جس عمر میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا قاضی مقرر کیا تھا، اور حضرت معاذ کو جس عمر میں یمن کا
قاضی بنایا تھا، اور کعب بن سور کو جس عمر میں حضرت عمر نے بصرہ کا قاضی مقرر فرمایا تھا
اس سے میری عمر زیادہ ہے، مشائخ بصرہ یہ جواب سنکر خاموش ہو گئے اور سمجھ لیا کہ
"بزرگی بعقل است نہ بسال"۔

ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، اور جس کے
ذریعہ انھوں نے اسلام ایک زریں خدمت انجام دی ہے یہ ہے کہ جب خلیفہ مامون
عباسی نے اپنے عہد خلافت میں متعہ کی حلت کا سرکاری اعلان کرادیا تو انھیں کی جرأت
و بے باکی، قوت استدلال اور کمال علم وفضل کی بدولت وہ اعلان منسوخ ہو کر اس کی حرمت
کا سرکاری اعلان ہوا۔ ابو العیناء کا بیان ہے کہ جب مامون نے حلت متعہ کا اعلان کرایا
تو یحییٰ بن اکثم نے مجھ سے اور محمد بن منصور سے کہا کہ کل سویرے تم دونوں امیر المومنین
کی خدمت میں جاؤ، بات کرنے کا موقع دیکھنا تو اس کے باب میں گفتگو کرنا ورنہ خاموش
رہنا اور میرا انتظار کرنا۔ یہ لوگ وقت مقررہ پر وہاں گئے تو دیکھا کہ مامون نہایت غصہ
میں متعہ کی حرمت کے خلاف بک جھک رہا ہے، یہ رنگ دیکھکر ابو العیناء نے محمد بن
منصور کو اشارہ کیا کہ کچھ ہولناک ہے، یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے، اتنے میں

یحییٰ آ گئے، جب وہ آکر بیٹھے تو مامون اور ان کے درمیان یہ گفتگو ہوئی

مامون، (یحییٰ سے مخاطب ہو کر) آج آپ کے چہرہ کا رنگ بدلا ہوا کیوں معلوم ہوتا ہے؟

یحییٰ، امیرالمومنین! اسلام میں ایک نئی بات حادث ہو گئی ہے اسی کا غم ہے،

مامون، وہ کیا؟

یحییٰ، زنا کے حلال ہونے کا اعلان!

مامون، زنا کی حلت کا اعلان؟

یحییٰ، جی ہاں! متعہ زنا ہی تو ہے

مامون، یہ آپ نے کہاں سے کہا؟

یحییٰ، کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے، حق تعالیٰ نے قرآن پاک کے اٹھارھویں پارہ میں فرمایا ہے والذین لفروجھم حافظون ۝ الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین ۝ فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ھم العادون ۝ (اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں پر اور اپنی باندیوں پر سوان پر کچھ الزام نہیں ہے، پھر جو کوئی ڈھونڈھے اس کے سوا تو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے)

امیرالمومنین! کیا متعہ والی عورت زر خرید لونڈی ہے؟

مامون، نہیں

یحییٰ، اچھا تو پھر وہ زوجہ ہے؟ جس کا شرعی حکم قرآن کی رو سے یہ ہے کہ وہ مر جائے تو مرد اور مرد مر جائے تو عورت اس کی وارث ہو گی، اس کے علاوہ اور احکام بھی زوجہ کے ہیں وہ سب متعہ والی عورت کے بھی ہیں؟

مامون، نہیں

قرآن نے صرف زوجہ اور زر خرید لونڈی سے وطی کو حلال قرار دیا ہے اور ان کے

ماسوائے وطی کو حد سے تجاوز کرنا (یعنی حرام) قرار دیا ہے تو جب متعہ والی عورت ان دونوں کے ماسوا ہے تو اس سے وطی کرنا زنا ہوا۔

جب قاضی یحییٰ اس طرح قرآن سے متعہ کا زنا ہونا ثابت کر چکے تو انھوں نے مامون کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ امیر المومنین! اب سنئے کہ زہری (امام المحدثین) حضرت علی کے دو پوتوں عبداللہ اور حسن سے (جو محمد بن الحنفیہ کے لڑکے تھے) روایت کرتے ہیں کہ وہ دونوں اپنے والد محمد سے اور محمد اپنے والد حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مجھکو مامور فرمایا کہ میں متعہ کی حرمت کا اعلان کر دوں۔ مامون نے یہ سنکر حاضرین مجلس سے دریافت کیا کہ کیا یہ ٹھیک زہری کی حدیث ہے اور ثابت ہے لوگوں نے کہا ہاں! اس کے بعد مامون نے کہا استغفر اللہ! جاؤ متعہ کی حرمت کا اعلان کرا دو۔

یحییٰ کا وہ کارنامہ تھا کہ شیخ الاسلام اسمٰعیل بن اسحٰق کے سامنے ایک دفعہ ان کا ذکر آیا تو انھوں نے یحییٰ کی بہت بڑائی بیان کی اور فرمایا کہ کان لہ یوم فی الاسلام لم یکن لاحد مثلہ (اسلام میں ان کا ایک دن ایسا ہے کہ ویسا دن کسی دوسرے کا نہیں ہے) اس کے بعد اسی واقعہ کا ذکر فرمایا کسی نے کہا کہ یحییٰ کی طرف کچھ لوگ بعض بری باتیں منسوب کرتے ہیں، شیخ الاسلام نے فرمایا معاذ اللہ کسی ظالم یا حاسد کی افترا پردازی سے یحییٰ جیسے شخص کی عدالت پر دھبہ لگ سکتا ہے؟ پھر فرمایا کہ فقہ میں ان کی کتابیں بڑے پایہ کی تھیں مگر طوالت کی وجہ سے لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ شیخ الاسلام یہ بھی فرماتے تھے کہ میں ان کی خلوتوں کے حال سے بھی واقف ہوں اور پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کا خوف و خشیت ان کو بہت ہی زیادہ تھا۔

یحییٰ کے حاسدوں نے جو تہمت تراشیاں ان پر کی تھیں ان کا انکار و دفعیہ امام احمد نے بھی نہایت شدت سے کیا ہے اور فرمایا ہے کہ سبحان اللہ یہ کون کہتا ہے، امام

احمد نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمارے علم میں یحییٰ کسی بدعت میں ملوث نہیں تھے،

اور ابن حبان کا قول ہے کہ ان کے دشمن جو قصے بیان کرتے ہیں وہ ناقابل التفات ہیں، اس لئے کہ اکثر بے ثبوت ہیں۔

قاضی یحییٰ ۲۴۲ھ میں حج کے لئے گئے، حج سے فارغ ہوکر عراق واپس ہو رہے تھے کہ بیمار ہوگئے اور مدینہ کے قریب ربذہ پہونچکر راہی جنت ہوگئے، اور وہیں مدفون ہوئے،

وفات کے بعد محمد بن سلم خواص نے جن کا شمار اولیائے کرام میں ہے یحییٰ کو خواب میں دیکھا، پوچھا مافعل اللہ بك (اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا) کہا حق تعالےٰ نے اپنے سامنے مجھکو کھڑا کرا کے فرمایا کہ اے برے بڈھے! تیرے بال سفید نہوتے تو میں تجھکو آگ میں جلاتا۔ یہ سُن کر میرا وہی حال ہوا جو ایک بے بس بندہ کا اپنے آقا کے سامنے ہونا چاہئے، تین بار ایسا ہی ہوا، تیسری دفعہ جب ذرا میرے حواس بجا ہوئے تو میں نے عرض کیا میرے مالک! مجھ سے تو تیری نسبت یوں نہیں بیان کیا گیا تھا، ارشاد ہوا پھر کیا بیان کیا گیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھ سے عبدالرزاق بن ہمام نے ان سے معمر نے ان سے زہری نے ان سے حضرت انس نے ان سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ سے حضرت جبریل نے بیان کیا ہے کہ تو نے فرمایا ہے کہ میرے جس بندے کے بال اسلام میں پکے ہوں اس کو دوزخ میں ڈالتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے، یہ سُن کر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ عبدالرزاق، معمر، زہری، انس اور میرے نبی و جبریل سب نے سچ کہا، بیشک میں نے یہ فرمایا ہے، اس کو جنت میں پہونچاؤ، یہ خطیب بغدادی کی روایت ہے،

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے ابن خلکان کے حوالہ سے حسین بن عبداللہ کے خواب کا ذکر کیا ہے، اس میں حضرت انس کی حدیث کے بجائے حضرت ابوہریرہ کی حدیث

کا ذکر ہے جس کی سند یہ ہے، عن ابی معاویۃ عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ۔ نیز اس سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ حق تعالیٰ نے ابتداءً جو زجر و توبیخ فرمائی اس کا سبب یحییٰ کا دنیا اور حکومت کے جھمیلوں میں پھنسنا تھا،

یحییٰ ابن اکثم فرماتے تھے کہ میں قاضی بھی رہا ہوں اور امیر و وزیر بھی، مگر کے اس کلمہ سے زیادہ لذیذ اور شیریں کلمہ میرے کان میں نہیں پڑا کہ من ذکرت رضی اللہ عنک (آپ نے کس کا نام لیا اللہ آپ سے راضی ہو) یعنی سند تحدیث پر جھک کر حدیث سنانے میں اور کسی حدیث کی سند کو دوبارہ بیان کرنے کی درخواست جو مذکورہ بالا لفظوں میں کی جاتی تھی اس میں جو لذت حاصل ہوتی تھی وہ نہ قضا میں تھی نہ وزارت و امارت میں۔

(تاریخ خطیب، تھذیب التھذیب، اتحاف)

امام مسلم بن الحجاج

آپ مشہور امام حدیث ہیں اصح الکتب بعد کتاب اللہ (یعنی صحیح بخاری) کے بعد آپ ہی کی کتاب صحیح مسلم کا درجہ ہے، بلکہ بعض حیثیتوں سے اس کو صحیح بخاری پر بھی فوقیت حاصل ہے، ابوزرعہ و ابو حاتم صحیح حدیثوں کی معرفت میں امام مسلم کو اپنے زمانہ کے تمام مشائخ حدیث پر ترجیح دیتے تھے، ابو قریش حافظ کہتے تھے کہ دنیا میں چار حافظ حدیث ہیں، ان چار میں ایک امام مسلم کا نام وہ لیتے تھے،

الحاصل وہ امت محمدیہ کے ان یگانہ افراد میں سے ہیں جن پر تاریخ اسلام کو بجا طور پر ناز ہے، شاہ عبد العزیز محدث نے لکھا ہے کہ مسلم کے عجائب میں سے یہ بات ہے کہ انھوں نے مدۃ العمر کسی کی غیبت نہیں کی، نہ کسی کو مارا نہ کسی کو گالی دی۔

امام مسلم نے ۲۲۰ھ میں حج کیا تھا، (در برر العنر ائل)

۲۶۱ھ میں ان کی وفات ہوئی، وفات کے بعد ابو حاتم رازی نے ان کو خواب میں دیکھا اور حال پوچھا فرمایا کہ حق تعالیٰ نے میرے لئے جنت کو مباح کر دیا ہے اور اجازت دیدی ہے کہ جہاں چاہوں رہوں۔

ابو علی زاغولی ایک محدث ہیں، مرنے کے بعد ان کو کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ کی نجات کس چیز سے ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ میری بخشش اسی جزو کی بدولت ہوئی جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے، وہ صحیح مسلم کا ایک جزو تھا۔

امام ترمذی

مصنفین صحاح میں بڑے اونچے پایہ کے امام و حافظ حدیث ہیں، امام بخاری کے جانشین مانے جاتے تھے، شاہ عبدالعزیز محدث نے ان کی کتاب سنن ترمذی کو بعض حیثیتوں سے تمام کتب حدیث پر ترجیح دی ہے،

علم و فضل کے اس بینظیر کمال کے ساتھ اتنے بڑے خداترس اور زاہد و متقی تھے کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا، سالہا سال خوفِ خدا سے گریہ وزاری کرتے رہے تا آنکہ آنکھیں جاتی رہیں۔

ان کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ ایک بار حج کے لئے جا رہے تھے، راستہ میں اس زمانہ کے ایک استاد حدیث مل گئے، ان کی مرویات کا ایک جزو کسی کے پاس سے ترمذی نے کبھی نقل کر لیا تھا، اور ان کو خیال تھا کہ اس سفر میں وہ بھی ساتھ ہے اس لئے ان سے درخواست کی کہ میں آپ سے اس جزو کی حدیثیں سننا چاہتا ہوں۔ تاکہ روایت کا حق حاصل ہو جائے۔ انھوں نے منظور کر لیا، لیکن وقت مقررہ پر جب ان کے پاس جانے لگے اور اس جزو کو ساتھ لیجانے کے لئے تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ساتھ میں نہیں ہے، انھوں نے اس لالچ میں کہ یہ موقع ہاتھ سے جاتا رہے کچھ سادے کاغذ ہاتھ میں لئے اور ان کی خدمت میں پہونچ گئے، انھوں نے حدیثیں سنانا شروع کیں سناتے سناتے ایک دفعہ ان کی نگاہ ان کی طرف اٹھی تو انھوں نے ان کے ہاتھ میں سادہ کاغذ دیکھا، دیکھ کر بہت برہم ہوئے اور فرمایا کہ تم مذاق کرتے ہو؟ انھوں نے واقعہ بیان کیا اور کہا کہ (آپ کی محنت رائگاں نہیں جا سکتی)، آپ نے جتنی حدیثیں سنائی ہیں، فرمائیے تو دہرا دوں، استاد نے فرمایا دہراؤ، انھوں نے دہرا دیا، استاد نے کہا ممکن ہے تم نے ان کو پہلے

سے یاد کر رکھا ہو اس کا اعتبار نہیں ہے، ترمذی نے کہا امتحان فرمالیجئے، استاد نے اس کے بعد چالیس ایسی حدیثیں جو ان کے مخصوصات میں سے تھیں سنائیں اور کہا کہ ان کو دہراؤ ترمذی نے ان کو لفظ بلفظ دہرادیا اور کہیں غلطی نہیں کی۔

اس طرح کے اور واقعات بھی ان کے حال میں مذکور ہیں، ترمذی کا یہ واقعہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے اسلاف کا یہ سفر علمی سفر بھی ہوتا اور تعلیم و تعلم حدیث کے لئے اس موقع کو غنیمت شمار کرتے تھے،

امام ترمذی کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی۔

امام ابوسعید بردعی بغداد میں اپنے عہد کے رئیس الاحناف اور فقہ کے مسلم امام تھے، اس فن میں امام ابوحنیفہ کے پوتے قاضی اسمٰعیل بن حماد ابوعلی دقاق کے شاگرد تھے، ابوعلی دقاق، موسی بن نصیر کے اور وہ امام محمد کے شاگرد تھے، امام ابوالحسن کرخی اور ابوطاہر دباس وغیرہ بردعی کے شاگرد تھے، بردعی کا بیان ہے کہ اپنے وطن بردعہ سے (جو آذربائیجان کے علاقہ میں ہے) بغداد آنے سے قبل امام محمد کی جامع کبیر کا تین یا چار سو دفعہ مطالعہ میں کرچکا تھا۔

ان کا علم اتنا وسیع اور مستحضر تھا کہ جب حج کے ارادہ سے روانہ ہوکر بغداد پہونچے تو وہاں جامع مسجد میں امام داؤد ظاہری کا (جو اہل ظاہر کے امام اور مستقل مجتہد شمار کئے جاتے ہیں) حلقہ درس قائم تھا، ایک دن جامع مسجد میں ان کا جانا ہوا تو امام داؤد ظاہری کے حلقہ درس کے پاس کھڑے ہوکر ان کی گفتگو سننے لگے، اس وقت امام داؤد ایک حنفی عالم سے کسی فقہی مسئلہ پر مناظرہ کر رہے تھے اور ایسے زوردار دلائل پیش کر رہے تھے کہ حنفی عالم ان کا جواب دینے میں کمزور پڑ رہے تھے، یہ رنگ دیکھکر بردعی مجلس میں بیٹھ گئے اور امام داؤد سے ام ولد کی بیع کا حکم دریافت کیا، انھوں نے کہا جائز ہے، بردعی نے دلیل پوچھی تو فرمایا کہ تمام فقہا کا اجماع ہے کہ حاملہ ہونے سے پہلے اس کی بیع جائز ہے

لہٰذا اس اجماع کو اس وقت تک ہم نہیں چھوڑ سکتے جب تک ایسا ہی اجماع عدم جواز نہ ہو۔ بردعی نے برجستہ جواب دیا کہ تمام فقہا کا اجماع ہے کہ حمل کے بعد وضع حمل سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں ہے لہٰذا اس اجماع کو بھی چھوڑا نہیں جاسکتا جب تک کہ آگے جواز بیع پر ایسا ہی اجماع نہ ہو، اس دلیل کا کوئی جواب امام داؤد سے نہ بن سکا اور فرمایا کہ اچھا ہم اس میں غور کریں گے۔ (تاریخ خطیب)

اس واقعہ کا ذکر خطیب بغدادی کے علاوہ محدث تقی الدین فاسی مالکی اور امام یافعی شافعی نے بھی کیا ہے،

خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ اس کے بعد ابوسعید بردعی مجلس سے اُٹھے اور یہ محسوس کرکے کہ بغداد میں ظاہریوں کا سکہ جم گیا ہے یہ طے کر لیا کہ اب بغداد میں قیام کرکے درس دوں گا، چنانچہ انھوں نے وہیں سکونت اختیار کر لی،

تھوڑے دنوں کے بعد انھوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان کو یہ آیت سنا رہا ہے۔

فاما الزبد فیذھب جفاءً وا ما ما ینفع فیمکث فی الارض،

(سو جھاگ تو جاتا رہتا ہے سوکھ کر اور جو نفع بخش ہے لوگوں کیلئے وہ باقی رہتا ہے زمین میں)

یہ سنتے ہی ان کی آنکھ کھل گئی، اور آنکھ کھلتے ہی معلوم ہوا کہ کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے، انھوں نے دروازہ کھولا تو اس آدمی نے ان کو یہ خبر سُنائی کہ داؤد ظاہری کا انتقال ہوگیا ہے، جنازہ میں شرکت کرنا ہو تو آیئے گا۔ (خطیب ص۱۰۱/۴)

امام بردعی نے بغداد میں بہت دنوں تک فقہ کا درس دیا۔ خطیب اور فاسی نے لکھا ہے کہ بردعی نے بغداد میں سالہائے دراز تک قیام کرکے درس دیا۔ اس کے بعد ۳۱۷ھ میں بارادۂ حج بغداد سے مکہ آئے اور قرمطیوں کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کیا۔

درر الفرائد المنظمۃ میں اس قیامت خیز واقعہ کی تفصیل یوں مذکور ہے کہ

۳۱۷ھ میں منصور دیلمی امیر الحج مقرر ہو کر بغداد سے روانہ ہوا اور ہر چند کہ راستہ میں قرمطیوں سے مڈبھیڑ ہو جانے کا اندیشہ تھا مگر کوئی بات پیش نہیں آئی اور پورا قافلہ امن وامان کے ساتھ مکہ پہونچ گیا، سب حجاج مطمئن ہو کر ایام حج کا انتظار کر رہے تھے کہ اچانک دوشنبہ کے دن ذی الحجہ کی ساتویں یا آٹھویں تاریخ کو ابوطاہر قرمطی نوسو آدمیوں کی جمعیت لیکر مکہ پر ٹوٹ پڑا، اور بدمستی کی حالت میں گھوڑے پر سوار، ہاتھ میں ننگی تلوار لئے ہوئے مسجد حرام میں گھس گیا، اور منہ سے سیٹی بجا کر بیت اللہ کے پاس گھوڑے سے پیشاب کرایا، اور اس کے بعد حجاج کو بیدریغ قتل کرانا اور لوٹ مار شروع کر دی، عشاق بیت اللہ نے اس نازک موقع پر بھی طواف کرنا نہیں چھوڑا، اور وہ ظالم اس حالت میں بھی ان کے قتل سے باز نہیں آئے۔

مورخین لکھتے ہیں کہ سترہ سو اور ایک قول کے مطابق تیرہ ہزار آدمیوں کو ان سفاکوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا، جن میں ہزارہا اشخاص کو اس حالت میں مارا کہ وہ کعبہ کا دروازہ تھامے ہوئے تھے، انھیں میں امام ابوسعید بردعی بھی تھے۔

انھیں مظلوم شہدائے حرم میں ابوالفضل محمد بن الحسین جارودی حافظ حدیث بھی تھے، ایک چشم دید گواہ کا بیان ہے کہ وہ دونوں ہاتھوں سے کعبہ کے دروازہ کے دونوں حلقے پکڑے ہوئے تھے کہ ظالموں نے ان پر تلوار کا وار کیا اور ان کا سر تن سے جدا ہو کر کعبہ کی چوکھٹ پر آگرا، اس سال مکہ اور اطراف مکہ کے تیس ہزار آدمی مارے گئے اور بجز اکا دکا چند آدمیوں کے جنھوں نے اپنی جان کی بازی لگا کر مناسک ادا کئے اور کسی کو حج نصیب نہیں ہوا۔

قرمطیوں کا فتنہ نہایت ہولناک وخطرناک، اور اس کی تفصیل بیحد دردانگیز ہے، قرمطیوں کا تعلق باطنی فرقہ سے تھا، اور انھوں نے تیسری صدی کے اواخر سے حجاج کو مارنے اور لوٹنے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا، رفتہ رفتہ عراق وخراسان کے راستے کو ایسا پر خطر بنا دیا کہ کئی سال

تک ان بلاد سے کوئی حاجی نہ آسکا۔

خلفاء اور شاہانِ اسلام کا حج

حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے حج کے تذکرے آپ پڑھ چکے ہیں، ان کے بعد حضرت معاویہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں پہلا حج ۴۴ھ میں کیا اور اس کے بعد بھی متعدد حج کئے، پھر حضرت عبداللہ بن الزبیر نے اپنی امارت کے زمانہ میں آٹھ حج کئے، اور ان تمام سالوں میں سارے لوگوں نے انھیں کے زیر سرکردگی فریضۂ حج ادا کیا، ذی الحجہ ۷۲ھ میں حجاج نے مکہ پر چڑھائی کی اور ابن الزبیر کو محاصرہ میں لے لیا اس لئے اس سال وہ حج نہ کرسکے، اور اس کے بعد جمادی الاول ۷۳ھ میں ان کی شہادت کا واقعہ پیش آگیا۔

ابن الزبیر کی شہادت کے بعد تیرہ برس عبدالملک بن مروان خلیفہ رہا، اس نے اپنی خلافت میں دو حج کئے ان میں سے ایک حج ۷۵ھ میں کیا تھا۔

ولید بن عبدالملک

عبدالملک کے بعد اس کا بیٹا ولید خلیفہ مقرر ہوا، ۸۶ھ میں وہ خلیفہ ہوا اور ۸۸ھ میں عمر بن عبدالعزیز حاکم مدینہ کو حکم بھیجکر مسجد نبوی کی توسیع کرائی، اہل مدینہ اور زائرین کے آرام کے لئے مدینہ میں ایک فوارہ بنوایا۔ مدینہ کے راستے ہموار کرائے، اور کنویں کھدوائے، اس کے علاوہ تمام اطراف ملک میں حکم بھیجا کہ حجاز کو جو راستے جاتے ہوں ان کو درست کیا جائے اور راستہ بھر جگہ جگہ کنویں بنوائے جائیں، نیز کوڑھیوں کا وظیفہ مقرر کر کے حکم نافذ کردیا کہ گھر سے نہ نکلیں اور لوگوں کی اذیت کا سبب نہ بنیں۔ ان تمام انتظامات کے بعد ۹۱ھ میں اس نے حج کیا، اس سفر میں جب وہ مدینہ کی حاضری سے مشرف ہوا اور چاہا کہ مسجد نبوی کی جو توسیع و تعمیر ہوئی ہے اس کا معائنہ کرے تو مسجد سے سب لوگوں کو باہر کردیا گیا، صرف حضرت سعید بن المسیب اپنی جگہ بیٹھے رہے، کسی پہرہ دار کو جرأت نہیں ہوئی کہ ان سے باہر جانے کو کہے، اتنا البتہ کسی نے کہا کہ جب امیرالمومنین اندر آئیں تو اتنا کیجئے کہ کھڑے

ہو جاتا ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں جس وقت معمولاً کھڑا ہوتا ہوں جب تک وہ وقت نہ آئے گا کھڑا نہوں گا، پھر کہا گیا کہ اچھا امیرالمومنین کو سلام کر لیجئے گا، انھوں نے کہا بخدا میں اس کے لئے کھڑا نہوں گا، یہ رنگ دیکھ کر جب عمر بن عبدالعزیز ولید کو اندر لائے اور اس کو مسجد دکھانے لگے تو اس کو ادھر ادھر پھرا رہے تھے مگر قبلہ کی طرف نہیں لے جاتے تھے، ایک دفعہ اس نے قبلہ کی طرف مڑ کر دیکھا تو پوچھا کہ یہ شیخ کون ہیں؟ کیا سعید بن المسیب ہیں؟ عمر نے کہا جی ہاں! ان کا تو ایسا حال ہے اور ایسا ہے اگر آپ کی موجودگی کی اطلاع ان کو ہوتی تو کھڑے ہوتے اور سلام کرتے، پھر ان کی نگاہ بھی کمزور ہے، ولید نے کہا میں ان کا حال جانتا ہوں اور ہم خود ان کے پاس حاضر ہوں گے، چنانچہ مسجد کا پورا چکر لگانے کے بعد وہ ان کے پاس حاضر ہوا اور کہا شیخ آپ کیسے ہیں؟ انھوں نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کی اور کہا اچھا ہوں، اللہ کا شکر ہے امیرالمومنین کیسے ہیں اور ان کا کیا حال ہے؟ اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز سے ولید کہتا ہوا واپس ہوا کہ بس یہی ایک آدمی باقی رہ گئے ہیں، (یا بس یہی بقیہ سلف ہیں)

اس سفر میں ولید نے اہل مدینہ میں بہت سا مال تقسیم کرایا۔ ولید کی وفات ۹۶ھ میں ہوئی

سلیمان بن عبدالملک

ولید کے بعد سلیمان خلیفہ ہوا، اس نے خالد بن عبداللہ قسری والی مکہ کو حکم بھیجا کہ زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان شیریں پانی کا ایک چشمہ جاری کرو، خالد نے کوہ ثبیر کے پاس ایک حوض تعمیر کرا کر اس میں شیریں پانی جمع ہونے کے انتظامات کئے، پھر زمزم و مقام کے درمیان سنگ مرمر کا ایک حوض بنوا کر سیسہ کے پائپوں کے ذریعہ پہلے حوض سے دوسرے میں پانی پہونچنے کا انتظام کیا، جب اس میں کامیابی ہو گئی اور پانی پہونچ گیا تو خالد نے اس خوشی میں مکہ میں اونٹ ذبح کرا کے اس کا گوشت تقسیم کرایا اور ایک عظیم الشان دعوت کی، پھر خانہ کعبہ کے پاس منبر پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا اور کہا کہ لوگو! اللہ

کا شکر بجالاؤ اور امیر المومنین کے لئے دعا کرو، جس نے تمھارے لئے شیریں پانی کا انتظام کیا، مگر حالت یہ تھی کہ زمزم کو چھوڑ کر کوئی شیریں پانی کے اس حوض کے پاس نہیں پھٹکتا تھا

سلیمان نے ۹۷ھ میں حج کیا، جب مکہ پہونچا تو اس نے کہا کہ کسی فقیہ کو بلاؤ، مجھے حج کے مسائل دریافت کرنے ہیں، لوگوں نے حضرت طاؤس یمانی کو اس کے سامنے پیش کیا، سلیمان نے کہا کوئی حدیث بیان کیجئے، طاؤس نے کہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ذلیل وخوار وہ شخص ہے کہ مسلمانوں کے کاموں کی دیکھ بھال اس کے سپرد ہو اور وہ انصاف نہ کرے،

یہ سنکر سلیمان کا چہرہ متغیر ہو گیا اور دیر تک سر جھکائے رہا، پھر سر اٹھایا اور کہا، کوئی حدیث سنائیے، طاؤس نے کہا کہ قریش کی ایک مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی دعوت کی، اور اس مجلس میں آپ نے یہ فرمایا کہ تمھارا قریش پر ایک حق ہے اور ان کا بھی لوگوں پر حق ہے جب تک کہ ان سے رحم چاہا جائے تو وہ رحم کریں، اور جب حاکم ہوں تو انصاف کریں اور جب امین بنائے جائیں تو امانت ادا کریں، اور جو ایسا نہ کرے تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سارے لوگوں کی لعنت، خدا اس کا کوئی فرض یا نفل قبول نہ کرے گا۔

یہ سُن کر اُس کے چہرہ کا رنگ اور بگڑ گیا اور بڑی دیر تک سر جھکانے کے بعد پھر اس نے کہا کوئی حدیث سنائیے، طاؤس نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے ارشاد فرمایا ہے کہ سب سے آخر میں قرآن کی جو آیت نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے

واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ثم توفی کل نفس ما کسبت وھم لا یظلمون

اس دن سے ڈرو جس دن تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو جو اس نے

کیا ہے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم وزیادتی نہ کی جائے گی۔

اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے طاؤس سے کہا کہ اپنی حاجت امیرالمومنین کے سامنے رکھئے، طاؤس نے جواب دیا میری کوئی ایسی حاجت نہیں ہے جو ان سے متعلق ہو۔

ابن فہد کا بیان ہے کہ سلیمان نے ۹۵ھ میں بھی حج کیا ہے۔ سلیمان کی وفات ۹۹ھ میں ہوئی۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز آپ کا ذکر ائمہ اسلام اور خلفائے راشدین کے ذیل میں مناسب تھا، چونکہ آپ کی خلافت کا دور سلیمان بن عبدالملک کے بعد ہے اس وجہ سے آپ کا ذکر اس جگہ کیا جاتا ہے۔

آپ کے والد عبدالعزیز مصر کے گورنر تھے، اسی زمانہ میں مصر کے ایک قریہ حلوان میں آپ کی پیدائش ہوئی، آپ کی والدہ حضرت عمر فاروقؓ کی پوتی تھیں، فاروق اعظمؓ فرمایا کرتے تھے کہ میری اولاد میں ایک شخص پیدا ہوگا جو دنیا کو عدل سے بھر دے گا، حضرت عمر کی یہ پیشینگوئی عمر بن عبدالعزیز کی خلافت سے پوری ہوئی۔

انھوں نے کم سنی ہی میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا، اس کے بعد ان کے والد نے علم وادب سیکھنے کے لئے ان کو مدینہ منورہ بھیج دیا، انھوں نے حضرت انس، عبداللہ بن جعفر، سعید بن المسیب، عروۃ بن الزبیر وغیرہم سے حدیثیں سنیں تحصیل علم کے لئے ان کی زیادہ آمدورفت عبیداللہ بن عبداللہ کے پاس رہی۔ ۸۶ھ میں جب ان کے والد کا انتقال ہوا تو ان کے چچا عبدالملک بن مروان (مشہور خلیفۂ اموی) نے ان کو دمشق بلوالیا، اور اپنی لڑکی فاطمہ سے ان کا

عقد کر دیا۔ ۸۶ھ میں جب ولید خلیفہ ہوا تو اس نے ان کو مدینہ منورہ کا والی (گورنر) بنا کر بھیجدیا، اس وقت سے لیکر ۹۳ھ تک وہ مدینہ کے والی رہے، اس کے بعد وہ شام چلے آئے، ۹۶ھ میں جب سلیمان خلیفہ ہوا تو اس کی زندگی بھر ان کی حیثیت اس کے وزیر کی رہی، جب اس کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بعد عمر بن عبد العزیز کو خلیفہ تجویز کیا۔

عمر بن عبد العزیز خلافت سے پہلے بھی صلاح و تقوی سے آراستہ تھے، اس وقت ان کے حاسد اس کے سوا ان پر نکتہ چینی کی کوئی گنجائش نہیں پاتے تھے کہ ان کی زندگی بڑے ناز و نعمت کی زندگی اور ان کا انداز رفتار متکبرانہ ہے، لیکن خلافت کے بعد دوست و دشمن سب کو اعتراف ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد ایسی فقیرانہ زندگی کسی خلیفہ یا بادشاہ کی دیکھنے میں نہیں آئی۔

علم و فضل میں ان کا یہ پایہ تھا کہ بقول میمون بن مہران کے بڑے بڑے علما ان کے سامنے محض مبتدی طالب علم معلوم ہوتے تھے، اور علم کے ساتھ عمل کا یہ اہتمام تھا کہ مالک بن دینار جیسے ولی کامل اور عابد و زاہد فرمایا کرتے تھے کہ لوگ مجھکو زاہد کہتے ہیں حالانکہ زاہد درحقیقت عمر بن عبد العزیز تھے جن کے پاس ساری دنیا سمٹ کر چلی آئی تھی مگر انھوں نے اس کو لات ماردی، ابن سیرین ان کو امام الہدیٰ اور حسن بصری اور وہب بن منبہ ان کو مہدی کہتے تھے، سفیان ثوری ان کو پانچواں خلیفۂ راشد اور امام مالک پہلی صدی کا مجدد کہتے تھے،

وہ خود فرماتے تھے کہ جب سے میں نے جان لیا کہ جھوٹ انسان کے دامن عزت پر ایک داغ ہے جب سے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

خلافت کے بعد ان کے خاندان کے جتنے لوگوں کے پاس سابق خلفاء کی دی ہوئی جاگیریں یا دوسرے اموال تھے ان سے چھین کر بیت المال میں ان کو داخل

کر دیا۔ حتی کہ ان کی بی بی کے پاس عبد الملک کے دیے ہوئے جواہرات تھے ان کو بھی بیت المال میں داخل کر دیا۔

شاہی اصطبل کا داروغہ آیا کہ اصطبل کے مصارف، ملازمین کی تنخواہیں اور چارے کی قیمت چاہیئے تو فرمایا کہ شام کے مختلف شہروں میں بھیجکر ساری سواریوں کو فروخت کرا ڈالو، ان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دو میری سواری کے لئے میرا ایک خچر کافی ہے۔

ایک دن ان کے غلام ابو امیہ کو ان کی بی بی نے ابلی ہوئی مسور کی دال کھانے کو بھجوائی تو اس نے کہا کہ جب آؤ تو مسور کی دال ہی ملتی ہے، بی بی نے کہلا بھیجا کہ تمہارے آقا امیر المومنین کی یہی غذا ہے۔

ایک دن اپنی بی بی (خلیفہ عبد الملک کی بیٹی) سے کہا کہ تمہارے پاس ایک درہم ہو تو لاؤ انگور خریدوں، بی بی نے کہا میرے پاس تو نہیں ہے، پھر کہا کہ آپ امیر المومنین ہیں اور آپ کے پاس انگور خریدنے کے لئے ایک درہم بھی نہیں ہے؟ فرمایا، ہاں، مگر دوزخ میں آگ کا طوق پہننے سے یہ آسان ہے۔

ایک دن جمعہ کی نماز اس ہیئت میں پڑھائی کہ ان کے کرتے میں آگے اور پیچھے دونوں طرف پیوند لگے ہوئے تھے، ایک شخص نے کہا امیر المومنین! اللہ نے دیا ہے تو کچھ اچھا پہنئے، تھوڑی دیر سر جھکانے کے بعد فرمایا کہ جب خدا دے اس وقت تو کفایت شعاری افضل ہے، اسی طرح جب قدرت اور قابو حاصل ہو جائے تو عفو و درگذر افضل ہے۔

ان کا روزانہ کا خرچ دو درہم تھا، ان کی ٹوپی، عمامہ، قمیص، قبا، چادر اور موزے کی قیمت کا اندازہ صرف بارہ درہم تھا۔

رات کو جس وقت تک سرکاری کام کرتے تھے اس وقت تک سرکاری

شمع ان کے گھر میں جلتی تھی، جب کام ختم ہو جاتا تو اس کو بجھا کر گھر کا چراغ جلاتے تھے، ایک دفعہ رجاء بن حیوۃ ان کے پاس بیٹھے ہوئے بات کر رہے تھے کہ تیل ختم ہو گیا اور چراغ بجھنے لگا، رجاء نے کہا خادم کو جگا دوں؟ فرمایا نہیں، کہا اچھا میں اس کو درست کر دوں، فرمایا یہ بات خلاف مروت ہے کہ آدمی اپنے مہمان سے کام لے، پھر خود ہی اٹھے اور چراغ میں تیل ڈال کر اس کو ٹھیک کیا جب فارغ ہو کر دوبارہ بیٹھے تو فرمایا کہ جب اس کام کے لئے میں اٹھا تھا تب بھی عمر بن عبدالعزیز ہی تھا اور اب بھی عمر بن عبدالعزیز ہی ہوں۔

ایک دفعہ ابوبکر بن حزم نے جو مدینہ کے قاضی تھے سلیمان کی زندگی میں عریضہ بھیجا کہ مدینہ کے عمال حکومت کے لئے بیت المال سے ایک رقم مقرر ہے جو عشاء اور فجر کی نماز میں گھر سے شمع جلا کر لے جانے کے لئے ان کو دی جاتی ہے اور اب وہ ختم ہو گئی ہے، لہٰذا دوبارہ حکم جاری کیا جائے، اس عریضہ پر ابھی حکم نہیں ہوا تھا کہ سلیمان کا انتقال ہو گیا، اس لئے وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے پیش ہوا، آپ نے اس کو پڑھ کر یہ جواب لکھا کہ

> میں نے جب آپ کو دیکھا تھا اس وقت آپ بارش کیچڑ اور بالکل اندھیری رات میں اپنے گھر سے بغیر چراغ کے مسجد آیا کرتے تھے، خدا کی قسم اس دن آپ آج سے اچھے تھے، والسلام

ایک دفعہ عمرو بن مہاجر سے آپ نے فرمایا کہ جب تم مجھے دیکھو کہ میں حق سے ہٹ گیا ہوں تو اپنا ہاتھ میرے گریبان میں ڈال کر مجھکو ایک جھٹکا دو اور کہو عمر یہ کیا کر رہے ہو۔

ان کی آخری بیماری میں مسلمہ بن عبدالملک ان کے پاس آئے اور کہا امیرالمومنین! آپ نے اپنی اولاد کو اس مال میں سے کچھ نہیں دیا اور آپ

ان کو بالکل محتاج چھوڑے جارہے ہیں لہٰذا آپ ان کے باب میں مجھکو یا خاندان کے کسی آدمی کو وصیت کر جایئے، آپ نے فرمایا کہ جتنا ان کا حق تھا وہ میں نے روکا نہیں اور جو ان کا حق نہیں ہے وہ بے شک میں نے ان کو نہیں دیا، اب رہی وصیت کی بات، تو میرا وصی اور میری طرف سے ان کا والی اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی ہے اور وہی نیکوں کا والی ہے، پھر اپنی اولاد کو سامنے بلوایا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولے کہ میری جان ان جوانوں پر قربان، جن کو میں محتاج چھوڑے جارہا ہوں اور اللہ کا شکر ہے کہ میں ان کو اچھی حالت میں چھوڑ رہا ہوں، میرے بیٹو! صورتیں دو ہی تھیں، ایک یہ کہ تم مال و دولت اور عیش و آرام میں ہوتے اور تمہارا باپ جہنم میں ہوتا، دوسری یہ کہ تم فقر و فاقہ میں ہوتے اور تمہارا باپ جنت میں ہوتا، تو مجھکو یہی دوسری صورت محبوب و پسندیدہ معلوم ہوئی، جاؤ اللہ تمہاری حفاظت کرے۔

ان کا ارشاد ہے کہ وہ رائے اختیار کرنی چاہئے جس سے پہلے لوگوں (صحابۂ کبار) کی تصدیق ہوتی ہو وہ رائے قبول نہ کرو جو ان کے مسلک کے خلاف ہو، اس لئے کہ وہ تم سے بہتر اور زیادہ علم والے تھے۔

ایک بار خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سنون فرمایا اور حضرت ابوبکر و عمر نے جو طریقے جاری کئے وہی دین ہے جسے ہم کو اختیار کرنا اور وہاں پہونچکر ہم کو رک جانا ہے، اس سے آگے بڑھنا نہیں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۸۶ھ میں جب وہ والی مدینہ تھے حج کیا تھا اس سال وہی امیر موسم تھے اس وقت ان کی زندگی امیرانہ تھی، یونس کا بیان ہے کہ میں نے ان کو طواف کی حالت میں دیکھا تھا مجھے یاد ہے کہ اس وقت تہمد کا وہ حصہ جو کمر پر ہوتا ہے پیٹ کی سلوٹوں سے چھپا ہوا تھا، پھر میں نے اُن کو

خلافت کے بعد دیکھا تو یہ حالت تھی کہ بے ہاتھ لگائے میں ان کی پسلی کی ایک ایک ہڈی گن سکتا تھا،

۹۷ھ میں جب سلیمان بن عبد الملک نے حج کیا تو اس وقت بھی عمر بن عبد العزیز نے سلیمان کی معیت میں حج کیا ہے، جیساکہ سلیمان وطاؤس کے اس قصہ سے جو اوپر مذکور ہوا ثابت ہوتا ہے۔

اسی حج کا واقعہ یہ بھی ہے کہ امام طاؤس نے ان کی چال متکبرانہ انداز کی پائی تو اپنی انگلی ان کے پہلو میں ماری اور کہا کہ جس کے پیٹ میں غلاظت بھری ہو اس کی چال ایسی نہ ہونی چاہیے،

ابن عبد الحکم، اور ابن الجوزی نے عربی میں ان کی مستقل سوانحعمری لکھی ہے اور اردو میں بھی کئی مستقل کتابیں ان کے حالات میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی وفات ۱۰۱ھ میں ہوئی۔

ہشام بن عبد الملک ہشام اپنے بھائی یزید بن عبد الملک کے بعد ۱۰۵ھ میں خلیفہ ہوا، اور ۱۰۶ھ میں اس نے حج کیا، اس کے لئے ابوالزناد نے مناسک حج کی ایک کتاب لکھی، وہ بہت حلیم و بردبار خلیفہ تھا، خونریزی سے اس کو سخت نفرت تھی، ایک دفعہ اس نے ابراہیم بن ابی عبلہ کو مصر کے خراج کی وصولی پر مقرر کرنا چاہا تو انھوں نے منظور نہیں کیا، اس پر وہ بیحد برہم ہوا اور کہا کہ اگر سیدھے سے نہ مانوگے تو میں زبردستی منواؤں گا، ابراہیم تھوڑی دیر بالکل خاموش رہے جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو انھوں نے کہا امیر المومنین! مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے؟

اس نے کہا، ہاں! میں نے کہا حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے

انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال

فابین ان یحملنہا۔ (ہم نے آسمان و زمین اور پہاڑوں پر امانت
پیش کی تو انھوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا)۔
مگر ان کے انکار پر حق تعالےٰ کو نہ غصہ آیا نہ ان کو امانت کے اُٹھانے پر مجبور کیا
تو میں کیوں مورد غضب ہو رہا ہوں؟ ہشام یہ سُنکر ہنس پڑا اور ان کو معافی دیدی
ہشام کی وفات ۱۲۵ھ میں ہوئی اور اس کے بعد خلفائے بنی امیہ میں سے
کسی نے اپنے دور خلافت میں حج نہیں کیا۔

ابو جعفر منصور عباسی

خلفائے بنی عباس میں جس نے سب سے پہلے حج کیا
وہ ابو جعفر منصور ہے، ہر چند کہ اس کے مزاج میں تشدد
تھا اور اپنی حکومت کے استحکام کے لئے اس نے خونریزی بھی بہت کی، اور متعدد
ائمہ اسلام کو اس کے ہاتھوں سخت سے سخت اذیتیں برداشت کرنا پڑیں، لیکن
ان عیوب کے ساتھ مورخین کو اعتراف ہے کہ وہ بہت ذی علم، بڑا عاقل و فرزانہ
اور نہایت دوراندیش اور لہو و لعب سے کنارہ کش خلیفہ تھا،
ظلم و تشدد کے واقعات کے ساتھ تاریخوں میں اس کے عفو و درگذر کے بہت سے
حیرت انگیز واقعات مذکور ہیں، ایک دفعہ اس نے ایک شخص کو اپنے سامنے
بلوایا اور ساتھ ہی تلوار بھی طلب کی، اس مجلس میں مبارک بن فضالہ موجود تھے،
انھوں نے کہا، امیر المومنین! میں نے حسن بصری سے یہ حدیث سنی ہے کہ جب
قیامت قائم ہوگی تو حق تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی پکارے گا کہ جن لوگوں
کا اللہ کے ذمہ ہو وہ کھڑے ہو جائیں تو سوائے درگذر کرنے والوں کے کوئی دوسرا
کھڑا نہ ہوگا، منصور نے یہ سُنکر کہا کہ اس مجرم کو چھوڑ دو۔
اصمعی کا بیان ہے کہ ایک بار ایک مجرم اس کے سامنے لایا گیا تو اس نے
کہا امیر المومنین! انتقام عدل ہے، لیکن درگذر فضل (عدل سے بھی بڑھکر ہے)،

اور خدا کی پناہ کہ امیر المومنین اعلیٰ درجہ کو چھوڑ کر اپنے لئے ادنیٰ درجہ پسند فرمائیں، منصور نے اس کو معاف کر دیا۔

منصور نے اپنے زمانۂ خلافت میں پانچ حج کئے، پہلا حج اس نے ۱۴۰ھ میں کیا، اس حج میں وہ حیرہ سے احرام باندھکر آیا اور حج کے بعد بیت المقدس کی زیارت کر کے کوفہ واپس ہوا، دوسرا حج اس نے ۱۴۱ھ میں، تیسرا حج ۱۴۴ھ میں، چوتھا ۱۴۷ھ میں، اور پانچواں ۱۵۲ھ میں کیا، ۱۵۸ھ میں چھٹے حج کے ارادہ سے قران کا احرام باندھکر وہ بغداد سے روانہ ہوا، مگر راستہ میں بیمار ہوگیا اور مکہ کے قریب بیر میمون پہونچکر ۶ ذی الحجہ کو اس کی وفات ہوگئی۔

انھیں سفروں میں سے کسی سفر کا یہ واقعہ ہے کہ جب منصور مدینہ کے قریب پہونچا اور اہل مدینہ اس کی خبر پاکر اس کے استقبال کو نکلے تو قاضی مدینہ محمد بن عمران کے سوا سارے لوگ پیدل تھے، منصور نے ربیع سے پوچھا کہ یہ کون ہے جو سواری پر استقبال کو آیا ہے، ربیع نے کہا یہ محمد بن عمران قاضی مدینہ ہیں، ان کا جسم بہت بھاری ہے پیدل چل نہیں سکتے، اس کے بعد منصور نے ان سے چند سوالات کئے جن کا بہت معقول جواب قاضی نے دیا۔ منصور بہت خوش ہوا اور تین ہزار درہم ان کو انعام میں دئیے، اس کے بعد قاضی نے کہا، امیر المومنین دروازہ پر کچھ لوگ آپ کے خلاف نالش کرنے آئے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ فلاں مکان میں جس پر آپ کا قبضہ ہے ان کا حق ہے، منصور نے کہا تم ان کے ساتھ انصاف کرو، قاضی نے کہا کہ پھر آپ کسی کو اپنا وکیل مقرر کر دیجئے، جو آپ کی طرف سے حاضر عدالت ہو، منصور نے ربیع کو وکیل مقرر کیا۔ پھر قاضی نے ربیع اور مدعیوں کو بلاکر ان کے بیانات لئے، اور مدعیوں کے گواہوں سے شہادت لیکر منصور کے خلاف مدعیوں کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

انھیں سفروں میں سے کسی سفر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ بار برداروں (قلیوں) نے قاضی مدینہ محمد بن عمران کے پاس منصور کے خلاف کوئی دعویٰ کر دیا، قاضی نے اپنے کاتب سے کہا کہ منصور کے پاس ایک تحریر بھیجکر عدالت میں طلب کرو، کاتب نے خوف کی وجہ سے انکار کیا، قاضی نے کہا تم کو لکھنا ہی پڑے گا، تو مجبوراً اس نے تحریر لکھی جب لکھ چکا تو قاضی نے کہا کہ اس کو منصور کے پاس تمھیں کو پہنچانا بھی پڑے گا، ناچار وہ تحریر لے گیا، اور ربیع کو دی، ربیع نے اس کو منصور کے پاس پہونچایا، منصور نے تحریر پڑھکر ربیع سے کہا کہ باہر جاکر تمام لوگوں سے کہدو کہ میں قاضی کی عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے طلب کیا گیا ہوں، اس لئے میرے ساتھ کوئی نہ جائے، اس کے بعد وہ حاضر عدالت ہونے کے لئے روانہ ہوا، آگے آگے ربیع تھا اور پیچھے منصور، جب دار القضا میں پہونچا اور محمد بن عمران پر اس کی نگاہ پڑی تو آہستہ سے منصور نے ربیع سے کہا کہ اگر میری ہیبت کی وجہ سے اس نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور اس کے بعد بھی میں اس کو کسی منصب پر رکھوں تو میں عباس کی اولاد سے نہیں، جب بالکل پاس آگیا تو محمد بن عمران نے اس کی کوئی تعظیم کی نہ کھڑے ہوئے بلکہ مقدمہ کی سماعت کے لئے تیار ہو کر بیٹھ گئے اور دوسرے فریق کو بھی بلاکر دونوں کے بیانات اور مدعیوں کے گواہوں کی گواہیاں لیکر منصور کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا، اس کے بعد منصور واپس ہو گیا اور ربیع سے کہا محمد بن عمران سے کہو ہمارے پاس حاضر ہوں، جب ابن عمران اس کے دربار میں حاضر ہوئے تو اس نے کہا، ابن عمران! حق تعالیٰ تم کو تمھارے دین، تمھارے نبی اور تمھارے خلیفہ کی طرف سے جزائے خیر دے، پھر ان کو دس ہزار درہم انعام میں دیے۔

مہدی عباسی مہدی منصور کا بیٹا تھا، اور بہت خوش اعتقاد اور رعیت کا محبوب خلیفہ تھا، ۱۵۸ھ میں خلیفہ ہوا، اور ۱۶۰ھ میں اس نے حج کیا اس کا لڑکا ہارون اور بہت سے نمایاں لوگ اس کے ساتھ تھے، جب مکہ معظمہ پہونچا تو خدامِ کعبہ نے عرض کیا کہ خانۂ کعبہ کو ہر سال نیا غلاف پہنایا جاتا ہے اور پرانا اتارا نہیں جاتا، اب اس پر اتنے غلاف پڑے ہوئے ہیں کہ ان کے بوجھ سے منہدم ہو جانے کا خطرہ ہے، مہدی نے یہ سُنا تو سارے غلاف اتروا دیئے، چنانچہ اس وقت سے یہ معمول ہو گیا جو اب بھی جاری ہے کہ پرانا غلاف اتار کر نیا غلاف ہر سال پہنایا جاتا ہے، مہدی نے اس حج میں بے پناہ دولت لٹائی، عراق سے تین کرور درہم کا سامان اور نقد آیا تھا، مصر سے تین لاکھ دینار سونے کی مالیت اور شام سے دو لاکھ دینار سونے کی مالیت مکہ آئی تھی، مہدی نے ان سب کو تقسیم کرا دیا۔ بلکہ اس کے ساتھ ایک لاکھ پچاس ہزار تھان کپڑا بھی بٹوایا، مہدی نے مسجد نبوی کی کچھ توسیع بھی کرائی، پانچسو انصاریوں کو اپنا پہرہ دار مقرر کر کے عراق میں ان کو جاگیریں دیں اور تنخواہ مقرر کی، اس کے اس حج اور اس کی شاہانہ فیاضیوں سے حرمین کے مسکینوں اور محتاجوں کو بہت نفع پہونچا،

مہدی کے لئے اس سفر میں حجاز کے باہر سے مکہ میں برف مہیا کی گئی، جو اب تک کسی دوسرے کے لئے ممکن نہیں ہو سکی تھی، مہدی سے پہلے اس کے چچا سفاح نے حج کے راستوں میں حجاج کے لئے مہمان خانے بنوائے تھے۔ مہدی نے ان سے بڑے بڑے مسافر خانے تعمیر کرائے، راستہ میں پانی کا انتظام کرایا اور سنگ میل نصب کرائے اور کنوئیں کھدوائے۔

اس نے ۱۶۱ھ میں اپنے بیٹے ہادی کو امیر الحج مقرر کر کے حج کے لئے

بھیجا اور سنہ ۱۶۶ھ میں مکہ و مدینہ اور یمن کے راستوں میں خچروں اور اونٹوں کی ڈاک بٹھائی، اس سے پہلے ان مقامات میں ڈاک نہیں تھی۔

ایک دفعہ مہدی رات میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ اس کے کان میں یہ آواز آئی، کہ نادار ہیں کوئی پرسان حال نہیں، قرض سے پریشان ہیں، قحط سے بے حال ہیں، گھر کے مرد مر گئے، مال تباہ ہوگیا، بچے بہت ہیں، بے وطن اور سفر کے تھکے ماندے ہیں، کوئی ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول کی وصیت پر دھیان دے، واللہ اس کی اور اس کے بال بچوں کی نگہبانی کرے۔ یہ ایک بدوی عورت کی آواز تھی، مہدی نے فوراً اس کو پانچسو درہم بھجوائے۔

مہدی میں بڑی خوبیاں تھیں، جس وقت وہ بصرہ آیا ہے تو پانچوں وقت جماعت سے وہاں کی جامع مسجد میں نماز پڑھا کرتا تھا، اور قاعدہ کے مطابق خود ہی امامت کرتا تھا، ایک دن وہ مصلّی پر پہونچ چکا تھا کہ ایک دیہاتی آیا اور اس نے کہا میں باوضو نہیں ہوں اور مجھے آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا اشتیاق ہے اس لئے ذرا انتظار فرمالیے، مہدی محراب کے اندر چلا گیا اور جب لوگوں نے کہا کہ وہ آگیا تو نکل کر نماز پڑھائی، لوگوں کو اس کی اس خوش اخلاقی و نرمی پر بڑا تعجب ہوا۔ مہدی کی وفات سنہ ۱۶۹ھ میں ہوئی۔

خلیفہ ہارون رشید عباسی

سنہ ۱۷۰ھ میں ہادی عباسی کے بعد اس کا بھائی ہارون رشید تخت پر بیٹھا۔ ہارون خلفا میں نہایت ممتاز اور دنیا کے بادشاہوں میں بڑا عالی شان بادشاہ تھا، بہت حسین و جمیل، نہایت فصیح و بلیغ تھا اور علم و ادب میں بھی اس کو کافی دخل تھا، عیش و عشرت اور لہو و لعب کے ساتھ ساتھ اس کو آخرت کی فکر اور خدا کا خوف بھی تھا، روزانہ نفل کی سو رکعتیں پڑھتا تھا، اور اپنی آمدنی سے روزانہ ہزار درہم خیرات

بانٹتا تھا، علم اور اہل علم کا قدر داں اور محب تھا، شعائر اسلام کی عظمت وحرمت کا پورا لحاظ رکھتا تھا، قرآن وحدیث پر اعتراض سُننے کی تاب نہیں لا سکتا تھا، اپنے اسراف اور لذتوں میں انہماک پر روتا بھی تھا، بزرگوں کی صحبتوں میں خود حاضر ہوتا تھا اور ان کی نصیحتوں کو دل سے سُنتا تھا اور گریہ وزاری کرتا تھا اس کی یہی خوبیاں تھیں جن کی بنا پر حضرت فضیل فرماتے تھے کہ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں اور میرے نزدیک اس سے زیادہ عزیز روئے زمین پر کوئی نہیں ہے جب وہ نہ ہوگا تو تم کو معلوم ہوگا۔

علماء کا بڑا احترام کرتا تھا، ایک دفعہ ابن السماک واعظ اس کے دربار میں گئے تو اس نے ان کا بیحد احترام کیا ابن السماک نے کہا کہ اس شرف کے ساتھ آپ کا یہ تواضع سب سے بڑا شرف ہے، اس کے بعد اس کو نصیحتیں کیں تو ہارون خوب رویا،

ابو معاویہ کا بیان ہے کہ میں نے ہارون کے سامنے جب بھی کوئی حدیث نبوی ذکر کی ہے تو اس نے یہ ضرور کہا ہے کہ صلی اللہ وسلم علی سیدی (اللہ میرے آقا (محمد) پر سلام ورحمت نازل کرے)

ایک بار ابو معاویہ محدث نے ہارون کے ساتھ کھانا کھایا، کھانے کے بعد جب ہاتھ دھلایا جانے لگا تو ان سے ہارون نے پوچھا کہ آپ جانتے ہیں آپ کا ہاتھ کون دھلا رہا ہے، یہ نابینا تھے، کہا میں نہیں جانتا، ہارون نے کہا علم کی تعظیم میں آپ کا ہاتھ میں دھلا رہا ہوں۔ ایک بار سفیان بن عیینہ کو ایک لاکھ درہم نذرانہ میں پیش کئے۔

مورخین نے ہارون کے محاسن میں اس واقعہ کو بہت اہمیت دی ہے کہ جس وقت امام عبد اللہ بن المبارک کی وفات ہوئی اور ہارون کو اس کی اطلاع ملی تو

اس نے ایک مجلس تعزیت ترتیب دی، اور امراء و اعیان سلطنت کو حکم دیا کہ وہ ابن المبارک کے حادثۂ وفات پر ہارون کو صبر و تلقین کریں اور رسم تعزیت بجا لائیں۔

مورخین نے ہارون کا امتیازی وصف یہ لکھا ہے کان کثیر الغزو والحج (وہ جہاد اور حج بہت کرتا تھا) ایک شاعر نے اس کی مدح میں یہ شعر کہا ہے ؎

فمن یطلب لقاءک او یردہ ۔۔۔ فبالحرمین او اقصی الثغور

جو تیری ملاقات کا ارادہ کرے ۔۔۔ تو حرمین میں یا دبلاد اسلام کی آخری سرحد پر

ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے ؎

امام بذات اللہ اصبح شغلہ ۔۔۔ فاکثر ما یعنی بہ الغزو والحج

وہ ایسا خلیفہ ہے جس کو اللہ کے ساتھ شغول ہے ۔۔۔ اس کو جس چیز کا زیادہ اہتمام ہے وہ جہاد ہے یا حج

مورخین لکھتے ہیں کہ وہ ایک سال جہاد میں جاتا تھا اور ایک سال حج کو، جب حج کو جاتا تو اپنے ساتھ فقہا اور ان کی اولاد میں سو نفر کو بھی حج کرانے کے لئے لیجاتا تھا، اور جس سال حج کو نہیں جاتا تھا اس سال تین سو آدمیوں کو نہایت کافی مصارف سفر دے کر حج کے لئے روانہ کرتا تھا۔

ہارون نے خلافت سے پہلے بھی حج کیا ہے۔ اور خلافت کے بعد اس نے نو حج کئے ہیں، پہلا حج ۱۷۰ھ میں کیا اور اہل حرمین کو مالا مال کر دیا، پھر ۱۷۳ھ میں بغداد سے احرام باندھ کر روانہ ہوا اور حج کیا، تیسرا حج ۱۷۴ھ میں کیا، چوتھا ۱۷۵ھ میں کیا، اس کے بعد ولید بن   خارجی نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے ارمینیہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا، تو اس کی سرکوبی کے لئے ہارون نے یزید بن ولید شیبانی کی سرکردگی میں فوج بھیجی، یزید نے اس مہم کو سر کر لیا، اور ولید مارا گیا تو ہارون نے اس فتح کے شکرانہ میں رمضان ۱۷۹ھ میں عمرہ کیا اور عمرہ کے بعد مدینہ حاضر ہو کر ایام حج تک وہاں قیام کیا، جب حج کا زمانہ آیا تو حج کے لئے کر روانہ

ہوا، اس سال اس نے مکہ سے منیٰ و عرفات کا راستہ پیدل طے کیا۔

ابن حزم نے لکھا ہے کہ ایک بار ہارون نے بغداد سے مکہ تک پیدل سفر کر کے حج کیا ہے، اور اس کا سبب یہ لکھا ہے کہ ہارون کے بھائی موسیٰ ہادی کی ایک لونڈی امۃ العزیز تھی، ہارون نے ایک موقع پر قسم کھائی تھی کہ میں اس سے نکاح نہ کروں گا، اگر ایسا کروں تو مجھ پر پیدل حج لازم، جب ہادی کی وفات ہوگئی تو کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ اس کو امۃ العزیز سے نکاح کرنا پڑا، اس لئے اس نے بغداد سے پیدل حج کیا، ابن حزم کا بیان ہے کہ اس سال ہارون کے طواف کرنے کے لئے دو ہاتھ کی چوڑائی میں پورے مطاف بھر بالو ڈال دیا جاتا اور اس پر پانی کا چھڑکاؤ ہوتا تھا اور مطاف کے حاشیہ پر پہرہ دار کھڑے ہو جاتے تھے، اس کے بعد ہارون مغرب و عشاء کے درمیانی وقفہ میں تیرہ طواف کرتا تھا۔ اور اس وقفہ میں اتنے طواف اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا، سب تھک جاتے تھے،

چھٹا حج ۱۸۱ھ میں کیا، اور ساتواں حج اس نے انبار سے کیا اس دفعہ دونوں شاہزادے امین اور مامون بھی ساتھ تھے، پہلے مدینہ حاضر ہوئے اور اہل مدینہ پر تین دفعہ انعامات کی بارش ہوئی، ایک انعام ہارون نے دیا، اور ایک انعام اس کے لڑکوں نے، اس کے بعد جب مکہ گیا تو وہاں دس لاکھ بچاس ہزار دینار تقسیم کرائے۔

اس کے بعد ۱۸۸ھ میں حج کیا، اور سب سے آخری حج ۱۸۸ھ میں کیا، مقریزی نے لکھا ہے کہ یہی حج اس نے پیدل کیا تھا، اور بہت زیادہ مال تقسیم کرایا تھا۔ ہارون سے بڑھ کر داد و دہش والا خلیفہ کوئی نہیں ہوا کسی نے کہا ہے کہ اگر دنیا سے پوچھا جائے کہ تیری جوانی کے دن کب تھے؟ تو کہے گی ہارون رشید کے عہد میں۔

ہارون کے انھیں سفروں میں سے کسی سفر کا یہ مشہور واقعہ ہے جس کو ابو نعیم نے حلیہ میں اور ابن الجوزی نے صفۃ الصفوۃ میں نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ہارون رات کے وقت فضل بن ربیع کو ساتھ لیکر پہلے ابن عیینہ اور عبدالرزاق کے پاس گیا اس کے بعد فضیل بن عیاض کے دروازہ پر دستک دی، فضیل اس وقت نماز میں کسی آیت کی تکرار فرما رہے تھے، فارغ ہو کر پوچھا کون؟ جواب ملا امیر المومنین! فضیل نے کہا مجھکو ان سے کیا مطلب؟ جواب ملا کیا آپ پر ان کی اطاعت لازم نہیں ہے؟ فضیل نے آکر دروازہ کھولا اور فوراً بالاخانہ پر جاکر چراغ گل کر کے ایک کونہ میں بیٹھ گئے، جب ہارون اور فضل اوپر پہونچے تو ان کو ٹٹولنا شروع کیا، اتفاق سے ہارون کا ہاتھ ان پر پڑا وہ بولے یہ ہاتھ کتنا نرم و نازک ہے اگر کل خدا کے عذاب سے محفوظ رہے، اس کے بعد ہارون نے کہا ہم جس کام سے آئے ہیں وہ شروع کیجئے، فضیل نے فرمایا کہ جب عمر بن عبدالعزیز کو خلافت ملی تو انھوں نے سالم بن عبداللہ اور محمد بن کعب اور رجاء بن حیوۃ کو بلا کر کہا کہ میں اس بلا میں مبتلا ہو گیا ہوں، آپ لوگ مجھے کوئی نیک مشورہ دیجئے، (دیکھو انھوں نے خلافت کو بلا سمجھا لیکن تم اور تمھارے ساتھی اس کو نعمت سمجھ رہے ہیں) خیر، اب آگے سنو کہ سالم نے عمر کو جواب دیا کہ اگر آپ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو ہر بوڑھے مسلمان کو اپنا باپ، درمیانی کو اپنا بھائی اور چھوٹوں کو اپنی اولاد سمجھئے، باپ کی توقیر، بھائی کا اکرام اور اولاد پر مہر و شفقت کیجئے، پھر رجاء نے کہا کہ اللہ کے عذاب سے بچنا ہے تو مسلمانوں کے حق میں اسی بات کو پسند کیجئے جو اپنے حق میں پسند کرتے ہیں، اور جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہوں اس کو مسلمانوں کے لئے ناپسند کیجئے، اور میں تم سے کہتا ہوں کہ مجھکو تمھاری بابت قیامت کے دن بڑا بھاری اندیشہ ہے کیا تمھارے ساتھ بھی اس طرح کا کوئی مشورہ دینے والا ہے؟

یہ سُنکر ہارون کا پتہ پانی ہو گیا اور روتے روتے بیہوش ہو گیا۔

ربیع کا بیان ہے کہ میں نے یہ حال دیکھ کر فضیل سے کہا کہ امیر المومنین کے حال پر رحم فرمائیے، اور ذرا نرمی کیجئے، تو فضیل بولے جی ہاں تم اور تمھارے اصحاب تو ان کی جان لیں اور میں نرمی کروں، اس کے بعد جب ہارون کو ہوش آیا تو اس نے کہا خدا آپ پر رحم کرے، کچھ اور فرمائیے، حضرت فضیل نے فرمایا، امیر المومنین! ایک بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس نے آپ سے کہا کہ مجھکو کہیں کا حاکم بنا دیجئے، تو حضرت نے فرمایا کہ حکومت کا انجام قیامت کے دن حسرت وندامت ہے اس لئے اگر ہو سکے تو کبھی امیر و حاکم نہ بنئے، ہارون یہ سُنکر بھی خوب رویا، اس کے بعد کہا خدا آپ پر رحم کرے، کچھ اور فرمائیے، فضیل نے فرمایا کہ اے خوبصورت چہرے والے انسان! قیامت کے دن اس مخلوق کے بارے میں حق تعالیٰ تجھی سے باز پرس کرے گا، پس اگر اپنے چہرہ کو دوزخ کی آگ سے بچانا ہے تو کوئی صبح یا شام ایسی نہ آئے کہ رعیت کے کسی آدمی کی طرف سے تمھارے دل میں کھوٹ اور خیر خواہی کے خلاف کوئی بات ہو اگر خیر خواہی کے خلاف کوئی بات پائی گئی تو یاد رکھو کہ جنت کی مہک بھی نہ پاؤ گے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، ہارون نے پھر رونا شروع کیا، اس کے بعد پوچھا آپ کے ذمہ کسی کا دین (کوئی مطالبہ) ہے؟ کہا ہاں خدا کے مطالبات ہیں، کہا یہ نہیں، بندوں کے مطالبات کو پوچھ رہا ہوں، فرمایا اللہ نے مجھکو اس کا حکم نہیں دیا ہے، بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ اس کی وحدانیت کا یقین واقرار کروں اور اس کا حکم بجالاؤں، اس نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۔

"اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں
میں ان سے مخلوق کی رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا اور نہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ
مجھکو کھلایا کریں اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا قوت والا نہایت قوت والا ہے۔"

اس کے بعد ہارون نے کہا کہ اچھا یہ ہزار دینار ہیں ان کو قبول فرمالیجئے بیوی بچوں پر خرچ کیجئے گا، فضیل نے فرمایا، سبحان اللہ! میں تم کو نجات کا راستہ بتارہا ہوں، اور تم مجھکو اس کا یہ بدلہ دے رہے ہو! جاؤ خدا تم کو سلامت رکھے اور نیک توفیق دے، اس کے بعد کوئی بات نہیں کی، ہارون جب وہاں سے نکل کر دروازہ پر پہونچا ہے تو فضل سے کہا کہ بس ایسے آدمی کے پاس ہم کو لایا کرو۔ یہ سید المومنین ہیں، اتنے میں گھر کی کوئی عورت فضیل کے پاس گئی اور کہا کہ جیسی تنگی و عسرت میں ہماری زندگی گذر رہی ہے معلوم ہے اگر یہ مال لے لئے ہوتے تو کیا حرج تھا؟ فضیل نے اس کا جواب دیا کہ تمہاری مثال تو ان لوگوں کی سی ہے جن کے پاس ایک اونٹ تھا، جب تک اس میں قوت تھی تو اس سے کام لیکر پیسہ پیدا کرتے رہے، اور جب بوڑھا ہو گیا تو اس کو ذبح کر کے کھا گئے۔ (التبر المسبوک ص۳۴)

ہارون رشید کے بعد بغداد سے کسی خلیفہ نے حج نہیں کیا، وہی اس سلسلہ کا خاتم ہے، جیسا کہ مقریزی کا بیان ہے مگر ذہبی کی تصریح کے بموجب ہارون کے بعد ۲۱۲ھ میں مامون نے اپنے عہد خلافت میں پہلا حج کیا (الفرائد المنتظم)

ہارون کی وفات خراسان کے شہر طوس (مشہد) میں ۱۹۳ھ میں ہوئی طوس ہی میں وہ مدفون ہے،

مورخین نے ہارون کے حج کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں از انجملہ

ایک قابل عبرت واقعہ تاریخ کامل میں مذکور ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہارون ایک بار کعبہ کے اندر داخل ہوا تو کعبہ کے کلید برداروں میں سے کسی نے دیکھا کہ ہارون کعبہ کے اندر انگلیوں کے بل کھڑا ہو کر دعا مانگ رہا ہے۔

اور اصمعی کا بیان ہے کہ ایک سفر حج میں ایک مقام پر ہم کو ایک عورت ملی جو اپنے سامنے ایک پیالہ رکھے ہوئے چند اشعار پڑھکر بھیک مانگ رہی تھی، میں نے اس کی اطلاع ہارون کو کی تو ہارون نے خود آکر وہ اشعار سنے اور سنکر خادم کو حکم دیا کہ اس کا پیالہ سونے سے بھر دو۔ (ابن کثیر ۲۱۵/۱۰)

زبیدہ زوجہ امیر المومنین ہارون رشید

حجاج کرام کے اس تذکرہ میں بہت بڑا خلا محسوس ہوگا اگر وہ زبیدہ کے ذکر سے خالی رہجائے، اور اس کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسرا موقع نہیں ہو سکتا کہ ہارون رشید کے بعد زبیدہ کو اس تذکرہ میں جگہ دی جائے،

زبیدہ ہارون کی چچازاد بہن اور اس کی منکوحہ بیوی تھی، مورخین کا اتفاق ہے کہ حسن وجمال، مال ودولت، صدقات وخیرات، اور نیکی وصلاح میں وہ اپنے زمانہ کی عورتوں میں سب سے فائق تھی۔ حج کے ساتھ اس کو شغف اور مکہ ومدینہ کے ساتھ اس کو عشق تھا، اہل حرمین وحجاج کے ساتھ ہمدردی اور ان کی راحت رسانی کا بے پناہ جذبہ اپنے دل میں رکھتی تھی، زبیدہ نے متعدد حج کئے تھے، (جیسا کہ درر الفرائد سے معلوم ہوتا ہے) اور مقریزی کے بیان کے مطابق اس نے ایک حج پیادہ پا بھی کیا تھا، اور خطیب کی تصریح کے بموجب اس نے اپنے سفر حج میں ساٹھ دن کے اندر پانچ کرور چالیس لاکھ درہم صرف کئے۔

زبیدہ کا سب سے بڑا تاریخی اور غیر فانی کارنامہ نہر زبیدہ کی تعمیر ہے،

جس کے لئے پورا عالم اسلام اس کا مرہون منت ہے، عرب کی سنگلاخ زمین میں ۱۰ میل لمبی نہر کھدوا کر کہ میں شیریں پانی پہونچانا اور اہل مکہ کے علاوہ تمام آفاقی حجاج کے لئے اس نعمت کو نعمائے عام کر دینا اور اس نہر کے ذریعہ طائف کے قرب و جوار کے کھیتوں اور باغوں کے لئے آبپاشی کی سہولت بہم پہونچانا، اس کا وہ کارنامہ ہے جو سنہری حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے، اور اس کے بعد بھی اس کی قدردانی کا حق ادا نہیں ہو سکتا، قدردانی کا حق تو مالک السموات والارض ہی کی بارگاہ سے ادا ہو گا، اور ادا ہوا۔

خطیب کی روایت ہے کہ زبیدہ کی وفات کے بعد کسی نے اس کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ خدا نے تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا، اس نے جواب دیا کہ مکہ کے راستہ میں نہر کھدوانے کے سلسلہ میں پہلا پھاوڑا جو زمین پر مارا گیا، بس اسی کے عوض میری مغفرت ہو گئی۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ کسی نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تم نے جو احسانات، خیرات، صدقات اور حج کے راستہ میں جو نمایاں کام کئے تھے ان کا کیا ہوا، تو جواب دیا کہ ان سب کا ثواب ان کو دیدیا گیا جن کا مال تھا، میرے کام تو بس وہ چند رکعتیں آئیں جن کو میں سحر کے وقت پڑھا کرتی تھی،

میرے نزدیک ان دونوں قصوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، ملوک و سلاطین اور ان کے متعلقین کے قبضہ میں جو مال ہوتا ہے اس میں کا بیشتر حصہ ان کے حق سے زائد اور رعیت کا حق ہوتا ہے، کچھ ایسا بھی ہوتا ہے جس کی وصولی عمال حکومت کی شرارت کی وجہ سے ناجائز طریقہ پر ہوتی ہے، لہذا وہ مال اگر مصارف خیر میں صرف کیا جائے گا تو جو اس کا حق دار یا مالک ہے مال کے ثواب کا وہی مستحق ہو گا لیکن جس نے خود اگر کر کے باسموات حاصل کر کے اس مال کا کوئی نیک مصرف

تجویز کیا، اور اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جس جس قسم کے منتظموں، کاریگروں
مزدوروں، اور ساز و سامان کی ضرورت تھی ان سب کو فراہم کیا، اور اپنے عزم
و بلند ہمتی اور اپنے رسوخ سے تمام موانع پر قابو حاصل کیا اور مدتوں اس کی فکر و
پریشانی میں مبتلا رہ کر کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا، بالخصوص جبکہ وہ کام ایسا
عظیم الشان ہو کہ بجز کسی بڑے صاحب منصب و بارسوخ شخص کے افراد رعیت
کے ہاتھوں اس کا انجام پانا تقریبًا ناممکن بھی ہو، تو اس صورت میں چاہے مال کا
ثواب اصحاب اموال کو ملے جس کے اہتمام اور سرگردگی میں یہ کام انجام پائے گا
وہ بھی اپنے اہتمام جانفشانی، نگرانی، ساز و سامان وعملہ کی فراہمی و انتخاب،
دفعیۂ موانع اور اس قسم کی دوسری مساعی جمیلہ کا انشاء اللہ بے حد و حساب اجر
پائے گا جس کی طرف پہلی روایت میں اشارہ ہے۔

اس بلند ہمت محسنۂ عالم خاتون نے حجاج کی راحت رسانی کے لئے دو نہریں
کھدوائی تھیں، ایک نہر طائف کی سرزمین سے شروع ہو کر مکہ میں ختم ہوتی تھی
اس میں حنین کے چشمہ کا پانی آتا تھا، اور طائف و مکہ کے درمیان جگہ جگہ پہاڑوں
پر حوض بنوائے گئے تھے، اور ان حوضوں سے اس نہر تک نالیاں بنی تھیں جن کے
ذریعہ بارش کا پانی جو حوضوں میں جمع ہوتا وہ اس نہر میں آتا تھا،

دوسری نہر وادی نعمان سے عرفات، مزدلفہ اور منیٰ ہوتی ہوئی بیر
زبیدہ پر آکر ختم ہوئی تھی، جہاں سے مکہ بہت تھوڑے فاصلہ پر رہ جاتا تھا
اس نہر کے ذریعہ وادی نعمان کے چشمہ کا شیریں پانی مقامات مذکورہ میں پہونچایا
گیا تھا تاکہ حجاج کو ان مقامات میں میٹھا پانی بآسانی اور کافی مقدار میں دستیاب
ہو سکے۔

زبیدہ کا یہ وہ صدقہ جاریہ ہے جو بارہ صدیاں گذرنے کے بعد بھی باقی ہے اور

اس وقت سے لیکر آج تک مسلمانان عالم اس سے نفع اٹھا رہے ہیں، یہ صحیح ہے کہ درمیان میں سیلاب اور دوسرے حوادث کی بنا پر بار بار نہر خراب ہوئی اور پٹ گئی اور مختلف خلفاء و سلاطین نے اس کی مرمت و اصلاح کرائی، حتی کہ ۱۲۹۵ھ میں ہندوستانی مسلمانوں کی توجہ و کوشش سے اس کی اصلاح و مرمت کے لئے ایک کمیٹی بنی جس کے ایک رکن مولانا رحمت اللہ کیرانوی بھی تھے، اور اس کمیٹی نے تمام ممالک اسلامیہ سے عموماً اور ہندوستان و مصر سے خصوصاً چندہ کی رقم فراہم کرکے اس کی مرمت کرائی، پھر اس کے بعد بھی کئی دفعہ مرمت کرائی گئی[1] اور سب سے آخر میں سلطان بن سعود کے لڑکے امیر فیصل کی توجہ و ہمت سے ایک اور نہر کے ذریعہ ایک نئے چشمہ کا پانی بھی نہر زبیدہ میں لایا گیا، جس پر تقریباً پانچ لاکھ گنی صرف ہوئی۔

یہ تمام خلفاء و سلاطین اور ارکان کمیٹی مسلمانان عالم کے شکریہ کے مستحق اور عند اللہ ماجور ہیں، لیکن بایں ہمہ اس کار میں سبقت و پیشقدمی کا اجر و ثواب اور اس سنت حسنہ کی بنیاد ڈالنے کی فضیلت تنہا زبیدہ کے لئے محفوظ ہے، ومن سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرہ و اجر من عمل بہا کا مصداق حضرت اسی کو حاصل ہے۔

زبیدہ نے سترہ لاکھ دینار کے صرفہ سے یہ نہر تعمیر کرائی تھی۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ زبیدہ کے پاس سو ایسی لونڈیاں تھیں جن کو پورا قرآن یاد تھا، اور ایسی لونڈیوں کی تعداد اور بھی کافی تھی جن کو کچھ کچھ حصہ یاد تھا، ہر لونڈی کے ذمہ روزانہ تین پارے کی تلاوت لازم تھی۔ جو شخص زبیدہ کے محل کے پاس سے

[1] مرآۃ الحرمین ص ۲۲۳/۱

گذرتا تھا اس کو محل کے اندر سے شہد کی مکھیوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔
زبیدہ کی وفات ۲۱۶ھ میں ہوئی۔

خیزران والدہ ہارون رشید

خیزران خلیفہ مہدی عباسی کی زر خرید لونڈی تھی، مہدی کے دو لڑکے موسیٰ ہادی، اور ہارون رشید اسی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، وہ باندی ہونے کے باوجود بہت زیرک اور جاہ وجلال والی خاتون تھی،
موسیٰ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں وہ امور سلطنت میں بہت دخیل تھی، بعد میں موسیٰ نے اس کو مداخلت سے روک دیا اور امرائے دولت کو اس کے پاس حاضری سے قطعاً منع کر دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ مہدی نے اپنی زندگی میں اپنا ولیعہد موسیٰ کو اور اس کے بعد ہارون کو نامزد کر دیا تھا، لیکن جب موسیٰ خلیفہ ہوا تو اس نے اپنے بعد ہارون کے بجائے اپنے لڑکے جعفر کو ولی عہد بنانا چاہا، تمام امراء بلکہ ہارون نے بھی اس کو تسلیم کر لیا مگر اس کی ماں خیزران نے اس کو تسلیم نہیں کیا، اس لئے موسیٰ اپنی ماں سے ناراض ہو گیا اور اس کے تمام اختیارات چھین لئے، مگر خیزران نے اس کی کچھ پروا نہیں کی۔
اس کے بعد جب ہارون اس کا دوسرا بیٹا خلیفہ ہوا تو اس نے اپنے وزیر یحییٰ بن خالد کو حکم دیا کہ کوئی کام اس کی ماں سے مشورہ کے بغیر نہ کرے، چنانچہ تمام امور کا حل وعقد اسی کے ہاتھ میں تھا،
اس واقعہ سے جہاں خیزران کے کمال عقل وفہم کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں اس کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ ہارون اتنی عظیم الشان سلطنت کا مالک ہونے کے باوجود ماں کی کتنی عزت کرتا تھا،
خیزران نے ۱۷۱ھ میں اپنے لڑکے ہارون کی خلافت کے دوسرے سال

حج کیا تھا، موسم حج سے بہت پہلے وہ مکہ آگئی تھی اور موسم کے انتظار میں وہیں مقیم رہی، جب وقت آیا تو حج کرکے واپس گئی، اسی سال اس نے حضرت ارقم صحابی کا وہ مکان جو صفا کے پاس ہے خریدا، اس تاریخ سے وہ دار خیزران کے نام سے مشہور ہوا اور آج بھی وہ دار ارقم کے ساتھ ساتھ دار خیزران کے نام سے معروف ہے، بلکہ اس کی زیادہ شہرت دوسرے ہی نام سے ہے۔

امراء و عمال

خلفاء و ملوک کے علاوہ متعدد گورنروں اور امراء نے بھی خانۂ خدا کو نذر عقیدت پیش کی ہے اور حج کی سعادت حاصل کی ہے، از انجملہ

سنہ ۲۱۹ھ میں خراسان کے گورنر عبداللہ بن طاہر کے بیٹے طاہر (جو بعد میں خود بھی خراسان کا گورنر مقرر ہوا تھا) امیرانہ تزک و احتشام کے ساتھ ایک بہت بڑی فوج ساتھ لیکر حج کے لئے آیا، اور ایک ہزار مثقال (تخمیناً پونے پانچ سیر) کا قفل بھی بنواکر لایا تھا، جس کو اس نے خانۂ کعبہ کے دروازہ کی نذر کیا اور پرانا قفل نکلوا دیا، (دررالفرائد المنظمہ)

سنہ ۲۲۰ھ میں اشناس ترکی نے (جو معتصم) کے دور خلافت میں بڑے دبدبہ کا اور بہت بارسوخ امیر تھا) حج کیا، اس سال مکہ و مدینہ کے منبروں پر خطبہ میں اسی کا نام لیا گیا تھا، (کامل)

سنہ ۲۳۱ھ میں واثق باللہ خلیفہ نے حج کا ارادہ کیا اور وزرائے دولت میں سے عمر بن فرج کو حج کے راستہ کی اصلاح پر مامور کرکے بھیجا مگر جب اس نے واپس آکر پانی کی قلت کی شکایت کی تو واثق نے رائے بدل دی اور ہمت نہ کرسکا

نوٹ: زمانہ کے بعض علماء نے دار خیزران کو دار ارقم ماننے میں تامل کا اظہار کیا ہے، لیکن یہ شک و تردد متقدمین و متاخرین کی تصریحات کے خلاف ہے ۱۲ منہ

اسی سال جعفر بن دینار یمن کا گورنر مقرر ہوا تو وہ بغداد سے شعبان کے مہینہ میں چلکر پہلے مکہ آیا اور یہاں موسم حج تک قیام کر کے پہلے حج کی سعادت حاصل کی اس کے بعد یمن گیا۔ اس حج میں اس کے ساتھ چار ہزار سوار اور دو ہزار پیدل لوگ تھے،

(کامل ۲۷۴/۵)

۴ ۲۳۷ھ میں امیر کبیر ایتاخ ترکی نے جو مکہ کا گورنر بھی تھا، حج کیا اور منبروں پر اسی کے لئے دعا کی گئی۔ ۲۴۱ھ میں جعفر بن دینار نے دوبارہ حج کیا اس سال وہ مکہ کے راستہ کا حاکم تھا، (ابن کثیر)

۵ ۲۴۶ھ میں محمد بن عبداللہ بن طاہر نے حج کیا، اس سال امیر موسم بھی وہی تھا۔ یہ دولت عباسیہ کا خاندانی امیر تھا، اس کا دادا طاہر امیر خراسان اور مامون کے عہد میں بڑا نامور حاکم تھا، اس کا باپ عبداللہ وزیر حرب و وزیر پولیس اور طبرستان و کرمان و خراسان وغیرہ کا گورنر تھا، اس کی ولایت کا خراج چار کرور اٹھانوے لاکھ درہم تھا۔

۶ ۳۱۹ھ میں مونس خادم نے حج کیا، جو مقتدر باللہ عباسی کے عہد خلافت میں بڑا صاحب اقتدار امیر کبیر تھا اس وقت چونکہ قرمطیوں نے بہت اودھم مچا رکھی تھی اس لئے مونس نے جب حج کا ارادہ کیا تو ایک بڑی بھاری فوج ساتھ لیکر نکلا، مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، اور اس خوشی میں دارالخلافۃ بغداد کو خوب سجایا گیا۔

۷ ۳۶۶ھ میں ناصرالدولہ ابو محمد بن حمدان کی لڑکی امیر زادی جمیلہ نے حج کیا اس کی معیت میں اس کے دونوں بھائی ابراہیم و ہبۃ اللہ بھی تھے، مورخین لکھتے ہیں کہ اس کا حج ضرب المثل ہے، اس لئے کہ اس نے پردہ داری کا بڑا سخت اہتمام کیا تھا، اس کے ساتھ چار سو اونٹ تھے، ان پر محمل بندھے ہوئے تھے، کسی کو یہ معلوم

نہ ہو سکا کہ وہ کس محل میں سوار ہے، خانہ کعبہ کے دیدار سے جب اس کی آنکھیں مشرف ہوئیں تو اس نے دس ہزار دینار نچھاور کئے، حرمین کے سب مجاورین کو پوشاک عطا کی اور بے انتہا مال خرچ کیا (منتظم وابن کثیر)

جن امراء و عمال نے خانہ خدا کے ساتھ اپنی دلی عقیدت کا اظہار کیا ہے ان سب کا استیعاب مقصود نہیں ہے، تیسری اور چوتھی صدی کے چند عمال و امراء کے نام مثال کے طور پر ہم نے پیش کئے ہیں۔ بعد کی صدیوں میں جن امراء کبار نے حج کی سعادت حاصل کی ہے ان کے نام ان شاء اللہ اس کتاب کی دوسری جلد میں آپ پڑھیں گے۔

والحمد للہ اولا و اخرا والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین والتابعین لھم الی یوم الدین ۰